۷۰/

ریاست کا ساٹھ (۶۰) سالہ سیاسی دور

کشمیر کا سیاسی انقلاب

شبنم قیوم

پبلشرز:- کشمیر بک ڈپو (رجسٹرڈ) کشمیر

Kashmir

کشمیر کا سیاسی انقلاب

V.1

جلد اوّل

از ابتدائے مارچ ۱۹۲۴ء تا جون ۱۹۳۹ء

ایک تاریخ

ایک تحریک

ایک دستاویز

مُصنّف

Shabnam Qaiyam شبنم قیوّم

کشمیر بُک ڈپو پبلشرز، سرینگر، کشمیر

بار اوّل :. ۱۹۸۹ء

طباعت :........... جے ، کے آفسٹ پرنٹرز ، جامع مسجد، دہلی

قیمت :........... پچاس روپے ۵۰/-

مصنّف

شبنم قیوم

بوچھوارہ ڈلگیٹ ، سرینگر کشمیر

ناشر

کشمیر بک ڈپو مولانا آزاد روڈ سرینگر کشمیر

اِنتساب

سر والٹر روپر لارنس کے نام !

عقیدت و احسان کے گہرے جذبات کے ساتھ جنہوں نے کشمیری عوام کی عزّت و آزادی کے لیئے اپنا نعرۂ حق اُس وقت بلند کیا جب کشمیر میں غلامی اور استبداد کے ناگ پھنکار کر کشمیریوں کو ڈس رہے تھے ، جنہوں نے بدنام زمانہ بیع نامہ امرتسر پہ پہلی ضرب لگا کر کشمیریوں کو جمادات اور حیوانات کے گہرے کنوئیں سے نکال کر اُن کی انسانی شخصیت کی بازیافت کا پہلا پتھر نصب کیا ۔

شبنم قیوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

قوموں کی تاریخ کبھی میدانِ جنگ اور کبھی صرف سیاست سے ترتیب پاتی ہے۔ سپاہی کا قدم اور ادیب کا قلم اگر وقت پر حرکت نہیں کرے تو دونوں جگہوں پر مات کھانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

جرنیل جنگ کے نقشے پر اور سیاست داں فکر کی جولانگاہ میں اگر کامیاب نہیں تو قوموں کے مقدر کا فیصلہ ان کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔

حالات اور واقعات گواہ ہیں کہ کشمیری قوم نے جن کے ہاتھ میں اپنے مقدر کے فیصلے کا اختیار دے دیا وہ فکر کی جولانگاہ سے بالکل عاری تھا نتیجہ کے طور پر ہم مات کھا گئے۔

دُنیا میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں جو کہتے ہیں "مسئلہ کشمیر" حل ہو چکا ہے اور اُن لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں جو "مسئلۂ کشمیر" کو حل طلب مانتے ہیں یہ تضاد بذاتِ خود اس بات کا گواہ ہے۔ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

مسئلۂ کشمیر کو طے شدہ ماننے والے اور اس مسئلہ کو حل طلب جاننے والے دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں اس لیے کہ کشمیر کی سیاست کا ملّاح ہمیشہ دُو ناؤوں پر سوار رہ کر آگے بڑھنے کی تگ و دَو میں رہا جس کے کارن مسئلہ متنازعہ بن گیا۔

بقولِ ڈاکٹر جوزف کاربل "اگر کشمیر کی جنگ کسی علاقے کو حاصل کرنے کی جنگ ہوتی اگر یہ جنگ قومی وسائل، آبادی یا اہم مقامات پر قبضہ کرنے کی جنگ ہوتی یا اس کا مقصد اُن فوائد کو حاصل کرنا ہوتا جن کی وجہ سے قومیں ہمیشہ سے آپس میں لڑتی چلی آ رہی ہیں تو یہ مسئلہ کئی سال قبل حل ہو چکا ہوتا۔

لیکن اِن ساری صورتوں میں سے کوئی صورت بھی صحیح نہیں ہے جو چیز مسئلہ کشمیر کو ناقابلِ حل بناتی ہے اور دونوں متنازعہ فریقوں کے درمیان ایک تلخ کشمکش کا باعث بنتی ہے اور پھر جس چیز نے اس مسئلے کو حل کرنے کی تمام کوششوں کی تاریخ کو مایوسی، ناکامی اور جھنجھلاہٹ کی تاریخ بنا رکھا ہے وہ روایتی بین الاقوامی جھگڑوں میں سے قطعاً الگ ہے اس ساری تلخی، خون خرابے اور تندو تیز تقاریر اور شک وشبہے اور عدم اعتماد کی فضا ـــــ جو مسئلہ کشمیر کے ساتھ مخصوص ہو چکی ہے، کی اصل وجہ دو نظام ہائے حیات، سیاسی تنظیم کے دو تصورات دو معیارات اقدار اور دو روحانی رویّوں کے درمیان کشمکش ہے جو سمجھوتے سے ختم نہیں ہو سکتی۔ اس تصادم اور کشمکش کا اظہار آج ایک مُہلک تنازعے کی صورت میں ہو رہا ہے ـــــ وہ تنازعہ کشمیر جس کی علامت بھی ہے اور میدانِ جنگ بھی "۔

ہر گام پہ خون کے طوفاں ہیں ہر موڑ پہ بسمل رقصاں
ہر لحظہ ہے قتلِ عام مگر کہتے ہیں کہ قاتل کوئی نہیں

دسمبر ۱۹۷۴ء کی بات ہے میں دلی میں چھٹیاں گزار رہا تھا اسی دوران مجھے بخشی غلام محمد سے پتہ چلا کہ شیخ محمد عبداللہ تحریک سے دستبردار ہو کر دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں وہ اس کے لیے مسز اندرا گاندھی سے رابطہ بڑھانے کے لیے وہ سارے ذرائع استعمال میں لا رہے ہیں جن کی رسائی مسز اندرا گاندھی تک ہے ان کا ایک ذریعہ شری پریم ناتھ در ہے یہ وہی در صاحب ہیں جنھوں نے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کے موقع پر نیشنل کانفرنس کو سُرخ رنگ کا ہل والا جھنڈا دیا تھا۔

میں نے بخشی صاحب کی باتوں پر اعتبار نہیں کیا لیکن رفتہ رفتہ حالات پر سے پردہ اُٹھنے لگا اور شیخ عبداللہ اپنے اصلی روپ میں سامنے آنے لگے ۱۹۷۵ء میں اس بات چیت کا نکتہ عروج ہوا جو پچھلے چند برسوں سے اقتدار کی منتقلی کے بارے میں ہو رہی تھی۔ ایکارڈ کی تفصیلات سامنے آ گئیں تو میں نے وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کے خلاف مقدمہ درج کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ ۹ر اگست ۱۹۵۳ء سے لے کر ۲۰ر فروری ۱۹۷۵ء تک ریاست میں جو قتل وغارت ہوا اس کا اُن سے جواب لیا جائے، میں نے اس کے لیے چند وکلاء سے مشورہ کیا تو مجھے بتایا گیا یہ "آ بیل مجھے مار" والی بات ہے۔ یہاں کی عدلیہ اتنی آزاد نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔ وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کو کوئی جج سزا دے گا ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

وکلاء کی اس رائے سے میں مایوس ضرور ہوا لیکن میں پیچھے بھی نہیں ہٹا میں نے ۱۵ر سوالات مرتب کر کے شیخ صاحب سے ان کے جواب مانگے جب وہاں سے کوئی جواب نہیں آیا تو میں نے یہ پندرہ سوالات پریس کو اشاعت کے لیے دیئے تاکہ عوام کو پتہ چلے کوئی شخص شیخ صاحب سے اس ذلت آمیز سمجھوتے پر اُن سے باز پرس کر رہا ہے لیکن سرینگر کے کسی اخبار نے ان سوالات کو چھاپنے کی جرأت نہیں کی، تب جا کر میں نے یہ سوالات ویکلی "نشیمن" بنگلور کو بھیج دیئے جو اُن دنوں کشمیر میں خوب چلتا تھا۔ اخبار نے یہ سوالات اگلے شمارے میں شائع کر دیئے تو اس اخبار سے نقل کر کے مقامی اخبار "روشنی" نے انھیں دوبارہ شائع کیا، شیخ صاحب کی طرف سے اگرچہ صدرالدین مجاہد نے اِن سوالات کے جواب دیئے لیکن وہ جواب سے زیادہ حقِ ادائیگی تھی، اسکے بعد شمیم احمد شمیم نے جو جوابات دیئے وہ بھی ٹرخانے والی بات تھی حالانکہ بعد میں شمیم صاحب نے اِس بات کا اعتراف کیا کہ سوالات ایسے تھے کہ کسی کے پاس اُن کا جواب نہ تھا۔

اِن سوالات وجوابات کے باوجود بھی جب میری تسلّی نہیں ہوئی تو میں نے حالات وواقعات جمع کر کے ایک کتاب لکھنے کا فیصلہ کر لیا یہ کتاب میں نے کشمیر ایکارڈ جیسے LEAVE CHANCE کہنا زیادہ بہتر رہے گا۔ اس کی بنیاد بنا کر لکھنی شروع کی، جون ۱۹۷۵ء میں جب یہ کتاب "یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟" کے نام سے پریس میں چھپ رہی تھی تو کسی طرح یہ راز افشاء ہو گیا اور بیک وقت میرے گھر اور پریس پر چھاپہ مار کر اس کتاب کے ساتھ دوسرا سارا ریکارڈ ضبط کر لیا گیا۔ اس کے بعد مجھے دس ہزار روپے میں خریدنے کی کوشش کی گئی لیکن میں نے بکنے سے صاف انکار کیا تب کرائم برانچ سرینگر کی طرف سے مجھ سے UNDER TAKING لی گئی کہ میں شیخ صاحب کے جیتے جی اس کتاب کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ میں نے کرائم برانچ کو یہ انڈر ٹیکنگ دے دی لیکن میں دوبارہ مواد جمع کرنے لگا۔ شیخ صاحب کی وفات کے ساتھ میں نے ضبط شدہ کتاب پر کام دوبارہ شروع کیا یہ کام ابھی جاری تھا کہ ریاست میں حالات تیزی سے بدلنے لگے۔ شیخ عبداللہ کے جانشین ڈاکٹر فاروق عبداللہ وزارت سے ہٹائے گئے۔ ان کی جگہ ان کے بہنوئی غلام محمد شاہ وزیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اِسی دوران میں دہلی میں کتاب چھاپ رہا تھا کہ ریاست میں گورنر راج نافذ ہو گیا۔

میری اس کتاب کے ساتھ ساتھ دوسرے ایک پریس میں شیخ عبداللہ کی "آتشِ چنار" بھی چھپ رہی تھی۔ شیخ صاحب کی کتاب پہلے ریلیز ہوئی۔ میری کتاب اگرچہ اس کے بعد منظرِ عام پر

آئی لیکن یہ میری توقعات سے کہیں زیادہ مقبولِ عام ہوئی۔ کشمیر کی تاریخ میں یہ پہلی کتاب بن گئی جس کے ایک کے بعد ایک چار ایڈیشن شائع ہوئے اور کتاب بلیک میں فروخت ہوئی، میری یہ کتاب جواب قریب قریب نایاب ہے اس کا ایسا چرچا ہوا جس کا میں تصوّر بھی نہیں کر سکتا، اس کتاب کی اشاعت سے مجھے جو عزّت اور شہرت ملی اس کا مجھے گمان بھی نہ تھا۔

میرے گھر پر آنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ ایسی بزرگ ہستیاں میرے پاس مجھے میری جرأت اور بیباکی پر مبارکباد دینے آئیں جن کے در کے اندر میں کبھی بغیر اجازت نہیں جا سکتا تھا۔ کئی سابقہ سیاست دانوں، علماء اور دانشوروں کے ساتھ بڑے بڑے عہدوں پر فائز آفیسروں نے بھی میری دعوتیں کیں اور بعض حضرات نے کشمیر کی سیاست کے ایسے گوشے میرے سامنے واکیے جن سے میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

جیساکہ سبھی جانتے ہیں، میری کتاب "یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟" مقبولِ عام ہوئی لیکن ایسے لوگوں کی بھی کوئی کمی نہ تھی جنہوں نے اس کتاب کا ناول روپ پسند نہیں کیا ان کی رائے تھی کہ کتاب ناول کے بجائے تاریخی نوعیت کی دستاویز ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ میں نے ان حضرات کی رائے پر غور کیا اور "کشمیر کی سیاسی تحریک" لکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ ۱۹۷۵ء سے میرے پاس کافی مواد جمع ہو چکا تھا۔

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں اگر میں نے زندگی کے ڈھائی سال بخشی غلام محمد کے ساتھ انکی کوٹھی پر گزارے نہ ہوتے تو شاید میں اس پوزیشن میں نہ ہوتا جس نے مجھے تاریخ نویس بنا دیا۔

میں ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۳ء تک ڈپٹی وزیر اعظم بخشی غلام محمد کے ہاں ملازم تھا۔ اور دن رات بخشی صاحب کی کوٹھی پر ہی رہا کرتا تھا۔ بخشی صاحب اور ان کی فیملی، یہاں کے ہر چھوٹے بڑے ملازم کے علاوہ یہاں آنے والوں کے ساتھ میرے گہرے روابط تھے۔ اپنی ملازمت کے دوران میں نے یہاں اس کوٹھی میں کیا کیا دیکھا اور کیا کیا سُنا وہ ایک الگ طویل داستان ہے۔

اگست ۱۹۵۳ء کے واقعہ سے دوسروں کی طرح میں بھی بخشی صاحب کے خلاف ہو گیا دوسروں کی طرح غلط فہمی کا شکار ہو کر میں بھی شیخ عبداللہ کو فرشتہ اور بخشی غلام محمد کو شیطان

سمجھنے لگا تھا۔ بخشی صاحب کے عہدِ وزارت تک میں ان پر کبھی ایمان نہیں لایا۔ لیکن جب آہستہ آہستہ حالات اُجاگر ہونے لگے تو بخشی صاحب کے پاس جانے کا میں نے ارادہ کر لیا لیکن شرمندگی کا یہ عالم تھا کہ اگر کہیں اچانک بخشی صاحب سے مُڈبھیڑ ہو جاتی تو اپنا چہرہ چھپا لینا پڑتا۔

صادق صاحب کے دورِ وزارت میں دہلی کے اُردو ڈائجسٹ "عارض" کے لیے غلام محمد صادق سے انٹرویو لینے کے سلسلے میں یہاں آنا جانا ہوا۔ صادق صاحب نے دورانِ ملاقات میرے سامنے ایسے انکشافات کیے جن میں سے بعض کی تصدیق کے لیے مجھے بخشی صاحب کے پاس جانا پڑا اور میں نے ساری شرم بالائے طاق رکھ کر ان کے در پر حاضری دی۔

بخشی غلام محمد اس دوران نہ صرف سیاست سے بلکہ دُنیا سے بھی بیزار تھے، موئے مقدسؐ کے واقعہ نے انہیں گویا جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ کسی سے سیدھے مُنہ وہ بات ہی نہیں کرتے تھے۔ میں نے غلط فہمی کے باعث اپنی شرمندگی کا اظہار کر کے ان سے معافی مانگ لی تو وہ نرم پڑ گئے اور رفتہ رفتہ وہ مجھ سے گھُل مِل گئے ——— میں مہینے میں دو چار بار ان سے ضرور مل لیتا اور اُن سے اُن کے ماضی کو کرید لیتا۔

بخشی صاحب کے ہاں ملازمت کے دوران میں اس بات سے بخوبی واقف تھا وہ خالی وقت میں اپنی یادداشت نوٹ کر کے اس کے ساتھ بعض دستاویز نتھی کرتے تھے، چنانچہ اقتدار سے محروم ہونے کے دوران جب میں نے ان سے اس دستاویز کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے مجھے بتایا وہ کام تقریباً مکمل ہے اور اسے میں کتابی صورت میں چھاپنے کی سوچ رہا ہوں، فی الحال یہ مسودہ میں نے نظرِ ثانی کے لیے پیر افضل مخدومی کے حوالے کیا ہے۔

بخشی صاحب نے اپنی یادداشت کے مطابق شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں مجھے بہت ساری معلومات بہم پہنچائے، کئی اہم واقعات کو میں نے ضبطِ تحریر میں لانا مناسب نہیں سمجھا۔ لہٰذا انہیں اپنے سینے میں دفن کر لیا۔

بخشی صاحب کے ہاں زندگی کے ڈھائی سال گزارنے سے میں نابالغی میں بالغ ہو گیا۔ اس مدت کے دوران مجھے زندگی کا جو تجربہ ہوا وہ ساری زندگی میں نہ ہو سکا۔ میں کبھی بخشی صاحب کا ملازم نہ ہوتا تو میرے سامنے سیاست کے تاریک گوشے روشن نہ ہوتے اس روشنی میں مجھے نئی دُنیا دیکھنے کا موقع مل گیا۔ بخشی غلام محمد کی قربت سے میں خواجہ غلام محمد صادق، شری ڈی، پی در اور ایسے بعض اشخاص سے ایسا مواد حاصل کر سکا جس کا میں تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔

جون ۱۹۷۵ء کے بعد جب میں دوبارہ مواد جمع کرنے لگا تو میرا خیال تھا میری ضبط شدہ کتاب اب شاید مجھے واپس نہیں ملے گی لیکن شیخ صاحب کے رحلت فرمانے کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور میرا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔

کئی برگزیدہ ہستیوں نے کشمیر کی تحریک حرّیت کو ناول کے بجائے تاریخی کتاب کے روپ میں لکھنے کا مشورہ دیا تو اُسے میں نے ایک چیلنج کے طور پر قبول کر لیا۔ پہلے مرحلے پر میں نے کشمیر کی تحریک حرّیت پر اب تک شائع شدہ کتابیں جمع کر لیں اور اس کے بعد وہ میگزین اور اخبارات حاصل کر لیے جن میں اس قسم کا مواد موجود تھا۔ میرے سامنے جب کتابوں رسالوں اور اخبارات کا ایک انبار جمع ہو گیا تو میں نے اپنے آپ کو ایک سمندر میں پایا اس سمندر سے نکلتا تو اپنے آپ کو آرکائیوز لائبریری یا کتب خانے میں پاتا اس سلسلے میں مجھے کئی بار وادیٔ کشمیر میں کئی جگہوں کے ساتھ جمّوں، امرتسر، دہلی اور بمبئی بھی جانا پڑا۔ تحریک حرّیت کے ساتھ وابستہ افراد کے ہاں جا کر میں نے انہیں کُریدا اور جتنا ہو سکا ان سے مواد حاصل کر لیا، میں نے کشمیر کا سیاسی انقلاب لکھنا شروع کیا تو میرا خیال تھا یہ ایک کتاب بن جائے گی لیکن جب حالات اور واقعات منہ پھاڑے میری طرف دیکھنے لگے اور کہنے لگے ہمیں نظر انداز نہ کرو تو کتاب کئی جلدوں میں لکھنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ آنے والی نسل کے لیے یہ ایک دستاویز بنے اور ہماری موجودہ نسل کو یہ جاننے کا موقع ملے کہ ہماری تحریک کو کب کیا ہوا؟ اور اس کے ساتھ کب کس نے کیا کیا؟

کشمیر میں تاریخ لکھنا کتنا کٹھن اور مشکل کام ہے، اسکا اندازہ مجھے اس سمندر میں اُتر کر ہی ہوا خاص طور پر ایک ایسے شخص کے لیے جسے خود ہی آٹے دال کا بھاؤ معلوم کرنا پڑے۔ راشن لانا پڑے چولہے کے لیے لکڑی اور کانگڑی کے لیے کوئلے ڈھونڈنا پڑیں۔ سبزیاں لانے کے لیے بازار جانا پڑے اور اس پر ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھنا پڑے، ایسا شخص جو اپنی نجی آمدنی سے گھر کی گاڑی چلانے میں مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کر رہا ہو اُسے قیمتی کتابیں خریدنا پڑیں فوٹو گراف جمع کرنا پڑیں اور سفر خرچ برداشت کرنا پڑے۔ تو آدمی ٹوٹ جاتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں جو لوگ کوٹھیوں میں رہ کر ایسی کتابیں لکھنے کے لیے صحت افزا مقامات پر ہوائی جہازوں میں سوار ہو کر جاتے ہیں ان کے لیے کوئی کتاب لکھنا مشکل کام نہیں، مشکل کام میرے لیے ہے جو ہزار مشکلات میں گھِر کر اس وادی میں رہتا ہے جہاں آزادی کے چالیس سال بعد بھی پانی اور بجلی کا مسئلہ حل نہیں ہوا ہے جو وادی چھ مہینے اندھیرے میں ڈوبی رہتی ہے۔

میں اُس وادی میں رہتا ہوں جہاں قلمکار کی کوئی قدر نہیں ان کے لیے کوئی سہولت نہیں۔ ہماری اسٹیٹ کا آرکائیوز محکمہ بالکل غیر مفید ہے یہاں صرف ۱۹۴۷ء تک کا ریکارڈ دیکھنے کی اجازت ہے ۱۹۴۷ء کے بعد کے ریکارڈ کو دیکھنے کی پابندی کیوں لگا دی گئی ہے۔ سمجھ سے بالاتر ہے۔

چونکہ میرے سامنے یہ ایک چیلنج تھا۔ میں نے عزم صمیم کے ساتھ اسے قبول کر لیا۔ جس کام پر برسوں لگتے ہیں اس کو میں نے صرف دو سال کے عرصے میں پورا کر دیا۔ میں اُن احباب کا بہت مشکور ہوں جنھوں نے مجھے اس سلسلے میں اپنا بھرپور تعاون دیا۔ اور مواد فراہم کیا یا مواد فراہم کرنے میں میری مدد کی ان میں جمنا داس اختر، محمد یوسف ٹینگ، عبدالعزیز روشنی، غلام رسول حسرت گرٹھ، موتی لال ساقی، غلام حسن مسعودی، غلام محمد نور محمد تاجران کتب، کلیم الدین، پروفیسر نورالدین، علی محمد بٹ عرف طورہ عبدالرشید داماد، حکیم حبیب اللہ سابقہ ایس، پی ابن مہجور غلام محی الدین رہبر قابل ذکر ہیں

میں خواجہ عبدالصمد وانی ایڈیٹر "ویکلی کشمیر" کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے مجھے راولپنڈی سے مواد فراہم کرنے میں فراخدلی کا ثبوت دیا۔ اس کے ساتھ ان افراد کا میں ممنون ہوں جنہوں نے مجھے کئی اہم کتابیں فراہم کیں اپنے کتب خانے وقف رکھنے کے ساتھ کافی مواد بھی پیش کیا لیکن نام و پتہ پوشیدہ رکھنے کی تاکید کی۔

میں پیرزادہ غلام احمد تشونٹھو، غلام محمد چکن، پیر افضل مخدومی، نذیر احمد خان، علی محمد بکسیلرز کا بے حد مشکور ہوں جنھوں نے اپنی معلومات کا خزانہ میرے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ میں یقیناً ناشکر گزار ہوں گا اگر میں مرحوم بخشی غلام محمد، مرحوم غلام محمد صادق اور سورگیہ شری ڈی، پی در کا ذکر نہ کروں جنہوں نے اپنی زندگی میں مجھے کشمیر کی سیاست کے رازوں سے واقف کرایا۔

"کشمیر کا سیاسی انقلاب" پر کئی جلدوں میں جو مواد میں عوام کے سامنے پیش کر رہا ہوں یہ سب اُس سمندر سے حاصل کیا گیا ہے جو سمندر میں نے خود بنایا اور جس میں ڈوب کر میں اُبھر آیا۔ ان سبھی جلدوں میں آپ کو بے شمار نئے انکشافات ملیں گے بعض انکشافات کے بارے میں آپ کو میرے بارے میں ضرور شک گزرے گا کہ میں کوئی جاسوس ہوں۔ گورنمنٹ آف انڈیا کا ایجنٹ ہوں یا وہ مافوق الفطرت انسان ہوں جو ایسی جگہوں پر پہنچ کر حالات اور واقعات اٹھا لایا ہے جہاں دوسروں کے پَر جل جائیں گے ——، اس بارے میں میرا یہ کہنا کافی ہوگا کہ نہ میں کوئی جاسوس ہوں اور نہ ہی کسی گورنمنٹ کا ایجنٹ البتہ اس بارے میں جو مواد مجھے فراہم کیا گیا

اس نے میرے بارے میں شک کرنے کی گنجائش ضرور پیدا کردی۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ کشمیر کا سیاسی انقلاب جو ۱۹۲۴ء سے لیکر ۱۹۸۲ء تک کا احاطہ کیے ہوئے ہے اس میں اول سے آخر تک شیخ محمد عبداللہ چھائے ہوئے ہیں۔ دراصل کشمیر کی سیاسی تحریک شیخ محمد عبداللہ کے گرد گھومتی ہے۔ شیخ عبداللہ کی شخصیت کے بغیر ہماری تاریخ اور تحریک نہ ہونے کے برابر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ شیخ صاحب ہی ہماری تاریخ اور تحریک ہیں تو یہ غلط نہیں ہوگا، اس لیے میری کتاب کی ان سبھی جلدوں میں وہ چھائے ہوئے ملیں گے۔

شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں اب تک جتنا کچھ لکھا گیا ہے، میرے خیال میں اتنا اور کسی پر نہیں لکھا گیا ہوگا۔ دراصل شیخ عبداللہ کی زندگی میں جو تضاد ہے وہ کہیں بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا یہی وجہ ہے کہ ان پر بہت زیادہ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے۔

میں نے شیخ محمد عبداللہ کو سمجھنے کی بہت کوشش کی اور انھیں ان کے اصلی روپ میں عوام کے سامنے پیش کیا ہے یہ دوسری بات ہے کہ میں خود سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ان کا اصلی روپ کیا تھا۔

کشمیر کی سیاسی تحریک جسے کئی مصنفین نے مختلف ناموں سے تحریر کیا ہے اس پر اب تک جو کچھ بھی لکھا گیا ہے اگر اس میں دیانت داری سے کام لیکر مصلحت سے بالاتر ہو کر قلم اٹھایا گیا ہوتا تو کشمیر کی تحریک حریت اور شیخ محمد عبداللہ کو سمجھنے میں آسانی ہوگئی ہوتی۔ بعض اہم واقعات اور حالات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے اور بعض کو سرے سے ہی ہڑپ کرنے میں بعض مصنفین نے یقیناً بددیانتی اور بزدلی سے کام لیا ہے۔ بیشتر کتابیں اور مقالے اس موضوع پر غیر ریاستی مصنفین نے لکھے ہیں ان میں مصلحت پسندی صاف جھلکتی ہے۔ ہماری ریاست میں جو تین سوانح حیات منظر عام پر آچکی ہیں ان میں شیخ عبداللہ کی "آتشِ چنار" سید میر قاسم کی "داستان حیات" اور کامریڈ کرشن دیو سیٹھی کی "یادِ رفتہ" ہیں۔

"آتشِ چنار" تحریکِ حریت کی آڑ میں اپنی قصیدہ خوانی ہے۔ اشاعت سے قبل اس کی جو کاٹ چھانٹ کی گئی ہے اور پچاس کے قریب صفحات اس سے نکال دیئے گئے ہیں۔ اس کا اس کتاب پر خاصا اثر پڑا ہے۔ "داستان حیات" کے لکھنے کا ایک خاص مقصد اجاگر ہوتا ہے، وہ یہ کہ نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کی خوشنودی حاصل کرلی جائے جو مقصد پورا نہ ہوسکا۔ "یادِ رفتہ" اگرچہ مصنف کے نظریات کی ترجمانی کرتی ہے پھر بھی اس میں مصلحت پسندی کی کوئی

علامت نظر نہیں آتی اس لحاظ سے "یادِ رفتہ" بے لاگ ہے۔

تحریکِ حریت پر خواجہ ثناء اللہ بٹ "آفتاب" نے "کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک" لکھ کر کئی اہم گوشوں پر سے پردہ ہٹایا ہے۔ اپنی نوعیت کی یہ ایک اہم دستاویز ہے۔ صوفی محی الدین نے "کشمیر ۱۹۳۱ء سے ۱۹۷۷ء تک" نامی کتاب لکھی ہے جو ایک خاص مقصد اور نکتہ نگاہ سے لکھی گئی ہے اس میں نہ صرف حقائق چھپائے گئے ہیں بلکہ حالات اپنے موافق بنا کر پیش کیے گئے ہیں۔

کشمیر کی تحریکِ حریت پر جو سب سے بڑا اور اہم کام اب تک وادی میں ہو چکا ہے وہ رشید تاثیر نے کیا ہے۔ انھوں نے "تحریکِ حریت کشمیر" کی تین جلدیں پیش کر کے یقیناً بعض اہم گوشوں پر پردہ ہٹا کر عوام کے سامنے ایک آئینہ رکھدیا ہے۔ میں ناشکر گزار ہوں گا اگر میں یہ نہ کہوں کہ رشید تاثیر کی کتاب "تحریک حریت کشمیر" سے مجھے کافی استفادہ ہوا۔ البتہ مجھے یہ کہنے میں بھی کوئی پس و پیش نہیں کہ رشید تاثیر نے جو مواد فراہم کیا ہے وہ نامکتفی ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ اس سمندر سے جتنے اہم اور قیمتی موتی میں نکال لایا ہوں اتنے تاثیر بھی نہیں نکال سکا ہے، ہوسکتا ہے کوئی غوطہ خور مجھسے بھی زیادہ قیمتی اور نایاب موتی نکالنے میں کامیاب ہو لیکن اس کی بدولت "کشمیر کا سیاسی انقلاب" اور "شیخ محمد اللہ" کو سمجھنے میں بہت مدد مل سکے گی۔ میرا دعویٰ کتاب کی سبھی پانچوں جلدیں پڑھنے کے بعد صحیح ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ فاروق عبداللہ کے دورِ حکمرانی پر کام اس کے بعد شروع ہوگا۔

شبنم قیوم

جو زخم مندمل تھے وہ پھر تازہ ہوگئے
دیمک زدہ کتاب میں کچھ سوکھے پھول تھے



تحریک حرّیت کے بانی سعدالدین شال

باب (۱)

ریاست میں تحریکِ حُرّیت کا آغاز

اِبتدا کی راہوں سے اِنتہا کی منزل تک

زندگی کے دامن پر کیسے کیسے داغ آئے

جُز :



مہاراجہ گلاب سنگھ جی بہادر



مہاراجہ ہری سنگھ جی بہادر

دیکھا ہے عشق ہی میں یہ عالم بھی بار بار
جس کا معاملہ ہو اسی کو خبر نہ ہو

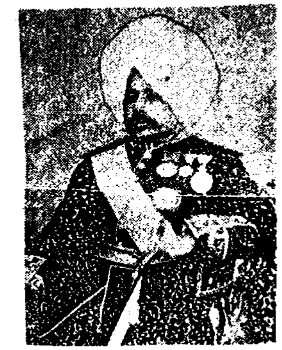
ڈوگرہ حکومت سے انگریزوں کی ناراضگی کا بدلہ

کشمیر میں ڈوگرہ شاہی کے خلاف تحریک کا آغاز باضابطہ طور پر مارچ ۱۹۲۷ء میں ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جب بنگال سے سرایلبین بنرجی یہاں ریاست کے پرائم منسٹر مقرر ہوئے، ان کے پرائم منسٹر بنتے ہی کونسل اُڑا دی گئی، ممبران منسٹر کہلانے لگے، چودھری چنز سنگھ مہتمم بندوبست مقرر ہوا۔

برطانیہ سے مہاراجہ ہری سنگھ مسٹر ویکفیلڈ اور دوسرے آفیسروں کے ہمراہ یہاں پہنچ گئے تھے اور انھوں نے وائسرائے کی متوقع آمد کے سلسلے میں اُن کا استقبال کرنے کی تیاریاں شروع کی تھیں۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کا ۱۸۵۷ء میں انتقال ہوا تو ان کی جگہ رنبیر سنگھ یہاں کا راجہ بن گیا ان کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ حاکم بنا دیا گیا۔ ۱۹۲۵ء میں یہ بھی لاوارث فوت ہوا تو راج گدّی مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے بھتیجے سرہری سنگھ کو سونپ دی گئی۔ ہری سنگھ کا پیرس میں قیام کے دوران اُن کا ایک کافر حسینہ سے عشق ہوا پہلی ہی نظر میں ہری سنگھ اس پر لٹ گئے۔

دراصل اس اوباش لڑکی نے ہری سنگھ کو پھنسانے کے لیے اپنے حُسن کا جال اُن پر پھینک دیا جس میں وہ بالکل آسانی سے پھنس گئے یہ لڑکی دراصل ہری سنگھ سے نہیں بلکہ ان کی دولت سے عشق کر رہی تھی اور وہ ہری سنگھ کے اتنی نزدیک رہی کہ یہ لڑکی اُمید سے ہو گئی پیرس کے اخبارات نے اس واقعہ کو خوب پبلسٹی دی۔ اس پبلسٹی کے پس پردہ اسی لڑکی کا ہاتھ تھا۔ ریاست جموں وکشمیر کے ولی عہد کا دامن داغدار ہوا، انھیں نجات کی کوئی راہ سجھائی نہ دی تو


مہاراجہ پرتاپ سنگھ جی بہادر

وہ بدنامی سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ ہری سنگھ کو بلیک میل کرنے کے لیے اس اوباش لڑکی نے اخبارات میں مسٹر "کے" کے نام سے مشہور کیا آخر بات عدالت تک جا پہنچی اور ۲۲ لاکھ روپے دے کر ہری سنگھ نے اپنی جان چھڑائی اس واقعہ سے غصہ کھا کر ہری سنگھ نے پیرس سے واپس آتے ہی ریاست کے انگریز ریذیڈنٹ کو یونین جیک سمیت ریاست سے نکال دیا۔ اتنا ہی نہیں وہ برطانوی حکومت کو للکارنے لگا۔ چنانچہ ہندوستان میں مقیم برطانوی اقتدار اعلیٰ نے سرینگر میں مقیم اپنے انگریز ایجنٹوں اور بعض ہندوؤں کی طرف سے یہ پروپیگنڈا کرایا کہ مہاراجہ کو ہندو دھرم کا کوئی پاس نہیں وہ مسلمانوں کے اشاروں پر ناچ رہا ہے۔ مسلمانوں میں یہ بات پھیلا دی کہ وہ مسلمانوں کا کٹر دشمن ہے۔ ان کے حقوق غصب کر رہا ہے۔

اس طرح ان شاطر انگریزوں نے ہندو اور مسلمان کو مہاراجہ کے خلاف اُکسایا۔ اس کشمکش میں ۳۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو وائسرائے لارڈ ارون اور لیڈی ارون سرینگر تشریف لائے تو مہاراجہ ہری سنگھ نے ان کے استقبال میں وہ گرمجوشی نہیں دکھائی جو ان سے پیشتر کے وائسرایوں کو دکھاتے آئے تھے۔

وائسرائے لارڈ ارون اور ان کی لیڈی کو ویر سے دریائی جلوس کی صورت میں اور پھر سڑک کے راستے موٹر کاروں کے جلوس میں شاہی محل لایا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب وائسرائے کے استقبال میں توپیں داغی نہیں گئی تھیں۔ وائسرائے نے اس بات کا نوٹس تو لیا مگر مہاراجہ کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے اس طرح انگریز وائسرائے کے استقبال میں کمی کر کے ان سے ایک طرح کا بدلہ لیا لیکن وائسرائے کے دل میں یہ بات بہت دنوں تک کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی آگے جا کر یہی بات مہاراجہ اور انگریزوں کے درمیان اختلاف کی بنیاد بن گئی، یہ اختلاف کبھی سرد ہوا تو کبھی

اس میں گرمی بھی آگئی، مہاراجہ کی حکومت کو پریشان کرنے میں انگریز نت نئی چالیں چلنے لگے۔

مخالفت نے اس وقت شدّت اختیار کر لی جب چار برس بعد وائسرائے ہند لارڈ ارون کا ایک ساتھی اور مسز ارون کا رشتہ دار میجر ابیٹ اپنی چھٹیاں گزارنے کشمیر آیا وہ سرینگر میں نسیم باغ کے پاس ایک ہاؤس بوٹ میں قیام پذیر ہوا۔ ان کے ساتھ ریاست رامپور کے ایک پٹھان گھرانے سے تعلق رکھنے والا جوان عبدالقدیر خان بطور ملازم آیا تھا۔ اس سے قبل عبدالقدیر خاں کلکتہ میں ایک انگریز کرنل جے رچرڈ کے ہاں ملازم تھا۔ کلکتہ میں قیام کے دوران عبدالقدیر خان اپنے مالک کے ساتھ اکثر و بیشتر " وانی برادرس "کی دکان پر آیا کرتا تھا۔ وانی برادرس دراصل ایک قسم کی ایمپوریم تھی جس میں کشمیری شال، ہینڈی کرافٹس اور پیپر ماشی کا سامان فروخت ہوتا تھا کشمیری مصنوعات کی یہ بڑی دکان خواجہ غلام محمد صادق اور غلام محی الدین قرہ کے والدین کی مشترکہ دکان تھی۔ خواجہ غلام محمد صادق کے والد حاجی عبدالغفار وانی سرینگر سے مال بھیجا کرتے تھے اور خواجہ احمداللہ وانی کلکتہ میں قیام پذیر تھے، ۱۹۲۸ء میں" وانی برادرس "نے کلکتہ میں کاروبار بند کیا۔

۱۹۳۱ء میں جب عبدالقدیر خان میجر ابیٹ اور ان کی بیوی کے ساتھ یہاں آئے تو میجر ابیٹ نے یہاں کے با اثر لوگوں سے رابطہ بڑھانے کو کہا، چنانچہ سب سے پہلے ان کی نگاہ خواجہ احمداللہ قرہ پر پڑی اور وہ ہاؤس بوٹ کے مالک کی وساطت سے بٹہ مالنہ میں خواجہ احمداللہ قرہ سے ملے۔

رشید تاثیر نے "تحریک حرّیت کشمیر"، جلد اوّل صفحہ ۹۷ میں لکھا ہے کہ:

" ۱۹۶۵ء میں خواجہ غلام محیّ الدّین قرہ نے ہفتہ وار "محافظ" کے لیے ایک انٹرویو دیتے ہوئے مجھ سے کہا، عبدالقدیر نام کا ایک پٹھان جو کسی انگریز کے ساتھ یہاں آیا تھا، ۱۳ جولائی کے واقعہ سے قبل اکثر ہمارے پاس پیر عبدالاحد شاہ کی دُکان پر ملنے آیا کرتا تھا، عبدالقدیر سے میری ملاقات اسی دُکان پر ہوئی، اُن دنوں میرے علاوہ غلام محمد صادق، حسین خاں سلطان دوبٹہ، ناصر خاں اور مظفر خان (جو ۱۹۴۷ء میں جموں میں جج تھے فرقہ وارانہ فساد میں وہیں شہید کیے گئے) اس دُکان پر بیٹھ کر باہمی تبادلۂ خیالات کیا کرتے تھے"۔

ممکن ہے غلام محی الدین قرہ نے اپنی یادداشت کے مطابق ایسا ہی کہا ہو لیکن حقیقت میں عبدالقدیر خان ان کے گھر آیا جایا کرتے تھے اور ان کے والد صاحب سے کشمیر کی سیاست کے بارے میں تفصیلات حاصل کرتے تھے، عبدالقدیر خاں خواجہ احمداللہ قرہ کی وساطت سے

یشخ عبداللہ سے ملنا چاہتے تھے، کیونکہ چھٹیاں گزارنے کی غرض سے مجبرٹ مہاراجہ ہری سنگھ سے وائسرائے لارڈ اروِن اور لیڈی ارون کے ساتھ نامناسب برتاؤ کا بدلہ لینے کا ارادہ لیے ہوئے تھے، شاید وائسرائے ہند توپیں نہ داغنے کی بے عزّتی کا نوٹس نہ لیتے یا نوٹس لینے کے بعد شاید وہ اس مسئلے کو اتنی اہمیت نہ دیتے اگر ان کے کشمیر سے جانے کے چند ماہ بعد مہاراجہ ہری سنگھ کی مہارانی تارا دیوی کے ساتھ شادی کے موقع پر انھیں ۲۱ توپوں کی سلامی نہیں دی گئی ہوتی۔
وائسرائے لارڈ اروِن نے مہاراجہ کو شادی کی کوئی مُبارکباد نہ بھیج کر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی شادی کے جشن کے بعد جو پہلا دربار لگا اس میں جاگیرداروں، ذیلداروں، رئیسوں، امیروں، اعلیٰ آفیسروں اور دیگر معززینِ شہر نے شرکت کی اس دربار میں مہاراجہ کی خدمت میں نذرانے پیش کرکے انھیں شادی کی مبارکباد دی گئی یہ دربار خصوصی شان و شوکت کا حامل تھا ملکی مفادات کے علاوہ دربار میں سیاسی قیدیوں کی رہائی اور اُن کو معافی دینے کا معاملہ زیرِ بحث آیا۔

خواجہ سعدالدین شال اور خواجہ حسن شاہ نقشبندی کو حاضرِ دربار کیا گیا، ان کی طرف سے ملٹری سکریٹری کرنل ہوشیار سنگھ نے مہاراجہ بہادر کے سامنے معافی نامہ پڑھ کر سُنایا چنانچہ مہاراجہ بہادر کی طرف سے انھیں قصور معاف کرنے کا حکم سُنایا گیا۔



روکو کوئی کہ عشق ہے شعلوں کا طلبگار
اپنی عقیدتوں کا چراغاں کیے ہوئے

تحریکِ حرّیت کا آغاز اور اُس کا پس منظر

خواجہ نور شاہ نقشبندی کو ذیلداری کے منصب سے برطرف کیا گیا تھا۔ مولوی عتیق اللہ، مولوی احمد اللہ ہمدانی اور سید حسین جلالی کو درباداری کی فہرست سے خارج کیا گیا تھا۔
اپریل ۱۹۲۴ء میں ریشم خانہ کے مزدوروں نے ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کی، ریشم خانہ میں اکثریت مسلمان مزدوروں کی تھی جو غیر مسلموں کے جور و ظلم کے شکار تھے۔ اس وقت مہاراجہ پرتاپ سنگھ تخت پر براجمان تھے اور ہری سنگھ ان کے ایک صلاح کار تھے ریشم خانہ کے مزدوروں پر جب ظلم و جبر بامِ عروج پر پہنچ گیا تو انھوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور جلوس کی صورت میں میدانِ کارزار میں نکل پڑے پولیس اور فوج نے ان کا پیچھا کیا، پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی مزدور حضوری باغ میں جمع ہوگئے حکومت نے رسالہ فوج کو ان پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا ایک بھگدڑ مچ گئی بہت سے مزدور زخمی ہوگئے۔ فوج کے ساتھ تصادم میں کئی سپاہی بھی زخمی ہوگئے۔ ڈوگرہ شاہی کے خلاف یہ پہلا احتجاجی مظاہرہ تھا جس میں بہت سارے لوگ اور کئی سپاہی زخمی ہوگئے۔
ریشم خانہ کے اس فساد کی تحقیقات کرانے کے لیے ایک پنجابی مسلمان چوہدری نیاز احمد کو تحقیقات کے لیے اسپیشل جج مقرر کیا گیا جس نے حکومت کے اشارے پر رپورٹ پیش کرنے میں طول دے دیا۔ مزدور سخت عاجز آگئے، ذریعۂ معاش نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھوک کے شکار ہوگئے

مزدور واپس کام پر لوٹ آئے مگر ان کے لیڈروں کو چھ چھ مہینے قید سخت کی سزا سنائی گئی اس سے مزدوروں اور آفیسروں کے درمیان تناؤ پیدا ہو گیا۔

وائسرائے کی آمد کے موقع پر مظاہرہ کرنے کا خفیہ پلان بنایا گیا۔ سیاہ جھنڈے اور سفید بینرز کے لیے چندہ جمع کیا گیا۔ دریائی جلوس کے روز خانقاہ معلیٰ کے پاس خواجہ نورشاہ، محمد عثمان اور محی الدین گنگو سیاہ وردی پہن کر گھاٹ پر متعین کیے گئے۔ دوسرے لوگوں کے ہاتھوں میں سیاہ جھنڈیاں دی گئیں اور ایک آواز پر ان جھنڈوں کو اس وقت کھولنے کے لیے کہا گیا جب وائسرائے کی سواری نزدیک پہنچ جائے۔ احمد پٹرو اور گلہ ناتھ کو وائسرائے کے قریب آنے پر بینر کھولنے پر مقرر کیا چنانچہ جب اس دریائی جلوس کی سواری خانقاہِ معلیٰ کے قریب پہنچ گئی تو یکایک فریاد فریاد" کی آوازیں گونجنے لگیں اور بینر کھلنے لگے اور جھنڈے لہرانے لگے۔ پولیس اچانک اس صورت حال کو دیکھ کر ششدر رہ گئی لیکن جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

معززینِ شہر اور علمائے دین نے مسٹر گلینسی اور سر جان وُڈ کے مشورے سے ایک میمورنڈم ترتیب دیا اس پر سعدالدین شال، خواجہ حسن شاہ نقشبندی، مولوی عتیق اللہ سید حسین شاہ جلالی، میرواعظ مولوی احمداللہ ہمدانی اور مولوی شریف الدین نے دستخط کیے اور یہ میمورنڈم وائسرائے ہند سر لارڈ ریڈنگ کو پیش کیا تاکہ وہ ان شکایات اور مطالبات کی تحقیقات کروا کر ان کا ازالہ کرائیں۔

وائسرائے نے میمورنڈم پڑھ کر اسے اپنی سفارش کے ساتھ دربار کشمیر کو بھیجدیا۔ وائسرائے ہند کی خدمت میں جو میمورنڈم پیش کیا گیا حسبِ ذیل ہے :-

(۱) مسئلہ حقِ ملکیت ہمیشہ کے لیے فیصل کیا جائے اور صوبہ کشمیر کے باشندوں کو اپنا حقِ ملکیت واپس عطا فرمایا جائے۔

(۲) کونسل میں مسلم عنصر کا اضافہ قوتِ آبادی کے مطابق کیا جائے۔

(۳) ریاست کی ملازمت کے لیے پنڈتوں کی بھرتی آئندہ کے لیے بند ہونی چاہیے اور انتظامِ ریاست میں مسلمانوں کو اپنا حصّہ ملنے کے قابل بنانے کی خاطر تمام آسامیاں موجودہ ملازموں کی جو پنشن یابی، موت یا برطرفی سے خالی ہو جائیں مقامی مسلمانوں کے لیے مخصوص رکھی جائیں۔

(۴) اس ریاست میں ہندو اہلکاروں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے جو مسلّمہ طور پر راشی، بد دل بے مروّت اور متعصب ہیں اور جو ملازمت کے لیے محض ناقابلِ فہم ہیں لیکن ان کے آفیسر

ان کے ہم مذہب ہیں لہٰذا ان کی قابلیت پر چشم پوشی کرتے ہیں اس سے سرکاری کام کاج میں بڑا حرج ہوتا ہے ایسے ملازموں کی قابلیت پرکھنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی جائے اس سے نہ صرف قابلیت کا معیار بلند ہوگا بلکہ مسلمانوں کو ریاست کی ملازمت میں بھرتی ہونے کا موقع فراہم ہوگا اور مسلمان آبادی، رشوت ستانی استحصال بالجبر اور دوسری سختیوں سے بچ جائے گی۔

(۵) گورنر صوبہ زمیندار طبقہ کا محافظ ہوتا ہے اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ گورنر مسلمان ہونے چاہئیں اگر موجودہ وقت میں ایسے عہدوں کے لیے مسلمان دستیاب نہ ہو سکیں تو ازراہِ عنایت یورپین کو صوبہ جات کے گورنر مقرر کیا جائے، اس طرح سے دوسرے بڑے عہدوں پر سپرنٹنڈنٹ پولیس، اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ کسٹم آفیسر وغیرہ عہدوں پر مسلمان مقرر کیے جائیں۔

(۶) محکمہ ابریشم کے ساتھ مسلمان مزدوروں کا تعلق خصوصیت کے ساتھ ہے اس لیے اس کارخانہ کے گزیٹڈ اور نان گزیٹڈ اسٹاف میں مسلم عنصر کی تعداد بڑھائی جائے تاکہ آئندہ گزشتہ واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے، مسلمان مزدوروں کے حقوق اور فوائد کی نگہداشت کی جائے۔

(۷) فوڈ کنٹرول محکمہ کو کُلّیتاً تخفیف میں لایا جائے، اگر کلّیتاً اس کا تخفیف میں لانا خلافِ مصلحت ہو تو کم از کم وہ رکاوٹیں جو سرینگر میں شالی درآمد کرنے پر عائد کی گئی ہیں ہٹا دی جائیں۔

(۸) کشمیر کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت سدھارنے کے لیے ایک "ماہر تعلیم" مسلمان یا یورپین کو مقرر کیا جائے جو کہ مسلمانوں کی تعلیمی حالت کا جائزہ لیتا رہے گا۔ جبری تعلیم ابتدا میں شہر سرینگر میں اور پھر رفتہ رفتہ قصبہ جات میں اس کی توسیع کی جائے، اساتذہ اور انسپکٹرانِ تعلیم بالخصوص مسلمان مقرر کیے جائیں، وظائف کی ایک بڑی تعداد تعلیم اور صنعت و حرفت کی ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے (چاہے یہ ہندوستان یا یورپ میں ہو) مسلمانوں کے لیے مخصوص کی جائیں۔

(۹) موجودہ بیگار سسٹم بالکل ختم کیا جائے اور اس کی جگہ ٹھیکہ داروں سے کام لیا جائے۔

۱۰ - آراضیات، پروہتوں اور جوتشیوں نے ناجائز طور پر قبضہ میں لائی ہیں ان سے

واپس لے کر اصلی حقدار مسلمانوں کو عطا کی جائیں۔

(۱۱) لیجسلیٹو اسمبلی جیسا کہ سرکار نے وعدہ فرمایا ہے انتخابی اصول پر بہت جلد ریاست میں مقرر کی جائے اور اس کے ممبران کی تعداد میں مناسب آبادی کا لحاظ رکھا جائے، چونکہ موجودہ دور میں رائے عامہ کی کوئی وقعت نہیں اس لیے اس مجلس کی اشد ضرورت ہے۔

(۱۲) زمیندار بنک (کوآپریٹو بنک) کی توسیع کی جائے اور کشمیر میں ہر جگہ اس کی سوسائیٹیاں قائم کی جائیں اور بنک کی شاخیں کھولی جائیں۔

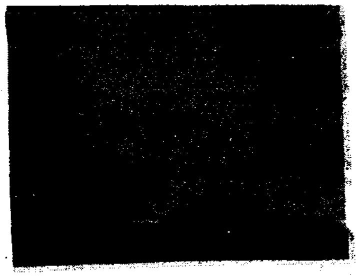
(۱۳) جنگلات پبلک ورکس اور دیگر ٹھیکے غیر مسلم اور غیر ریاستی باشندوں کو دیئے جاتے ہیں جس وجہ سے ملک کی بے شمار دولت بیرونِ مُلک چلی جاتی ہے اس لیے ایسے ٹھیکہ جات ریاست کے باشندوں بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص دیئے جائیں۔

(۱۴) مسلمانوں کی عبادت گاہیں جو حکومت نے ضبط کرلی ہیں۔ واگزار کرکے مسلمانوں کو اُنکے جائز استعمال کے لیے واپس دی جائیں اور آئندہ کے لیے تمام مسلم زیارتیں، مسجدیں اور مقبرے ہندوؤں کی دستبرد سے محفوظ رکھی جائیں۔

(۱۵) مالیہ آراضی کے ساتھ مسلمان زمینداروں سے جو دو پیسے فی روپیہ جامع مسجد کی تعمیر اور مرمّت کے لیے وصول کیے جاتے ہیں یہ دو پیسے ہم مسلمان ہمیشہ اس شرط پر دینے کے لیے تیار ہیں کہ اس رقم میں سے نصف مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے کاموں پر خرچ کی جائیں اور اس کا انتظام مسلمانوں کی قائم کردہ کمیٹی کے ہاتھ میں رہے۔

(۱۶) ذوالجناح، خانقاہ معلّیٰ، فسادِ اسلام آباد، اور فساد بارہمولہ کے واقعات کی چھان بین کے لیے یورپین افسروں کی ایک کمیٹی مقرر کی جائے اور تحقیقات کے بعد قصوروار ملزموں کو مُناسب سزا دی جائے۔

(۱۷) جب سے ریاست کی حکومت سے ریذیڈنٹ اِن کشمیر کی نگرانی ہٹائی گئی ہے، مسلمانوں کی حالت غیر مطمئن اور غیر محفوظ ہوگئی ہے اور حُکام ریاست بلا کسی پس وپیش کے مسلم حقوق کو پامال کررہے ہیں۔ اس لیے التماس ہے کہ ریذیڈنٹ اِن کشمیر کو پھر ریاست کا نگراں رہنے کے اختیارات دیئے جائیں۔ اس کے علاوہ ریذیڈنٹ اِن کشمیر کو تمام معاملوں میں مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت کرنے کا ذمہ دار قرار



سعدالدین شال

دیا جائے "۔

۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو وائسرائے ہند واپس چلے گئے تو میمورنڈم پر دستخط کرنے والوں کی طلبی ہوگئی۔

حسن شاہ نقشبندی اور سعدالدین شال کو لاہور جلاوطن کیا گیا تھا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے شادی کی خوشی کے موقع پر انہیں واپس وطن بلوایا اور ان کے لیے معافی کا اعلان بھی کیا۔ اس اعلان سے مسلمان معززین دو گروپوں میں بٹ گئے۔ ایک گروپ نے پہلے گروپ پر معافی نامہ پیش کرنے کا طعنہ دیا۔ نتیجہ کے طور پر مسلم اتحاد میں رخنہ پڑ گیا۔

اسی دوران اسلامیہ اسکول کا سالانہ جلسہ شروع ہوگیا، جلسہ کے روز ملحقہ علاقے کے لوگوں نے خوب سجاوٹ کی، اس جلسے کی صدارت مرزا غلام مصطفٰے نے کی۔ ڈاکٹر انصاری نے ایک فاضلانہ اور عالمانہ تقریر کی، انھوں نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کو آپس میں اتفاق سے رہنے کی تلقین کی، مسلمانوں کے تنزّل کی داستان بیان کرتے ہوئے اسے مسلمانوں کی باہم نااتفاقی قرار دیا، اور انھیں نااتفاقی چھوڑ کر ترقی کرنے کی ہدایات دیں۔

اس جلسے میں مسٹر بسکو صاحب، کرنل سمندر خان اور رامہ بقال (جنہوں نے بعد میں عیسائی مذہب اختیار کرکے سمیول بقال نام رکھا) نے بھی شرکت کی، ڈاکٹر انصاری کی مدلّل تقریر سے ناراض مسلمان ممبران نے دورُخی چھوڑنے کا اقرار کر لیا۔

اجلاس کے دوران ایک نومسلم لارڈ ہیڈلے جو انگلستان کے رہنے والے تھے۔ مذہبِ اسلام قبول کرکے الحاج فاروق ہیڈلے بن گئے تھے، اور پہلی بار سرینگر تشریف لائے۔

اُن کے ہمراہ خواجہ کمال الدین، عباس علی بیگ اور ڈاکٹر عبدالواحد بھی تھے، جب جلسہ گاہ میں الحاج فاروق ہیڈلے سے، عوام کو مُتعارف کرایا گیا تو لوگوں نے تالیاں بجا بجا کر ان کا سواگت کیا، انھوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر لوگوں کے سواگت کا خیر مقدم کیا ۔ اور قبولِ اسلام کی وجوہات بیان کیں ۔

سیّد میرک شاہ کاشانی نے جلسہ کے اختتام پر ایک خطبہ دیا۔



سیّد میرک شاہ کاشانی

ساجد کے تغافل سے ہوئی میری تباہی
یہ دیکھ کے اُجڑے ہیں میرے منبر و محراب

مہاراجہ کی وزارت میں رسّہ کشی بنرجی کی بغاوت

مہاراجہ ہری سنگھ ۱۲ر مئی ۱۹۲۸ء کو ایک مہینے کے لیے لندن روانہ ہوگئے، انہوں نے اپنی غیر موجودگی کے دوران ملکی معاملات کے لیے ایک عبوری کیبنٹ تشکیل دی اور اس کے ارکان سر ایلبین بنرجی، جنگ سنگھ اور مسٹر ویکفیلڈ مقرر ہوئے اس کیبنٹ سے مسٹر پی کے واتل کو علیحدہ رکھا گیا جسے انھوں نے اپنے لیئے بے عزّتی پر محمول کیا۔

چنانچہ انہوں نے مہاراجہ کی غیر موجودگی میں کیبنٹ میں نفاق کا زہر بونا شروع کیا۔ ۲۰ر جون کو لالہ لاجپت رائے سرینگر تشریف لائے اور ان کے لیے ۲۲ر جون کو حضوری باغ میں ایک بہت بڑے جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ سپاسنامہ احمداللہ کاک نے پیش کیا۔ اس جلسے میں ہر فرقے کے لوگ شامل ہوگئے۔ لالہ لاجپت رائے نے کشمیر کے لوگوں کی حالتِ زار تفصیل سے بیان کرتے ہوئے تمام فرقوں کو ایک ساتھ اتفاق سے رہنے کی تلقین کی، انہوں نے کم سِنی کی شادی اور فضول خرچی سے پرہیز کرنے کی بھی تلقین کی، کشمیر کی بیوہ پنڈتانیوں کو دوسری شادی کرنے پر آمادہ کیا۔

ستمبر کے مہینے میں متواتر کئی روز تک بارش برسنے سے شہر میں سیلاب آیا ابھی اس سیلاب کے آثار نمایاں تھے کہ زینہ کدل میں رات کے وقت ایک بجے کے قریب آگ نمودار ہوگئی، بہت سارے مکانات اور دُکانیں جل کر راکھ ہوگئیں۔

۱۸ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو مہاراجہ لندن سے جموں آگئے اور آتے ہی مسٹر واتل نے انھیں سر ایلبین بنرجی کے بارے میں بدظن کرنا شروع کیا، اس کے علاوہ مسٹر واتل کی شہ پر مہاراجہ بہادر نے ۲۲ر جنوری ۱۹۲۹ء کو دربارِ خاص میں اخبار "کشمیر میگزین" اخبار "کشمیر"، امرتسر

"پرتاپ" "ملاپ" اور "گرو گھنٹال" پر ریاست میں ان کی آمد پر پابندی لگا دی۔

سر ایلبین بنرجی چیف منسٹر کے علاوہ وزیر خارجہ بھی تھے، انھوں نے مندرجہ بالا اخبارات پر پابندی پر مہاراجہ کے ساتھ اختلاف کیا، بنرجی نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھال کر کشمیر کی حالت سدھارنے کے لیے کئی اقدامات کیے اور بنیادی مسائل حل کرنے کے لیے کئی تجاویز مہاراجہ کے سامنے لائیں، عوام پر روا رکھے جانے والے ظلم وستم کی نشاندہی کر کے ان کے ازالہ کے لیے پیش پیش رہے۔

اس بات سے اربابِ اختیار کی نظروں میں وہ مشکوک بن گئے انھوں نے مہاراجہ اور وزیر اعظم کے درمیان سازشوں کا جال بچھانا شروع کیا اور تب تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک انھوں نے مہاراجہ کو وزیر اعظم کے بارے میں بدظن نہ کیا۔

سر ایلبین بنرجی نہ صرف دیانتدار اور غیور تھے بلکہ ڈسپلن شکنی کے سخت خلاف تھے انھوں نے کئی بار مہاراجہ کے سامنے اُن حاشیہ برداروں کی سازشیں ننگی کر دیں، مہاراجہ نے جب اس کا نوٹس لینے میں لیت ولعل سے کام لیا تو وہ سخت بے دل ہو گئے۔

لندن سے واپسی پر جب ان حاشیہ برداروں نے مہاراجہ بہادر کے سامنے وزیر اعظم کی شکایات کا دفتر کھول دیا تو بنرجی سے رہا نہیں گیا انھوں نے وزارتِ عظمیٰ سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ۱۵ مارچ ۱۹۲۹ء کو انھوں نے استعفیٰ دیکر بوریا بستر باندھ لیا اور وہ لاہور چلے گئے۔

لاہور میں جب ان سے مستعفی ہونے کی وجوہات پوچھی گئیں تو انھوں نے وہ اسباب بیان کیے جن کی وجہ سے انہیں ایک بڑے عہدے سے مستعفی ہونا پڑا۔

سر ایلبین بنرجی نے لاہور میں مہاراجہ ہری سنگھ کا کچا چٹھا نکال کر رکھ دیا، ڈوگرہ شاہی کی طرف سے مسلمانوں پر روا رکھے گئے جور و ظلم کو انھوں نے طشت از بام کر دیا انھوں نے لاہور میں جو بیان پریس نمائندوں کے سامنے پڑھ کر سنایا، حسبِ ذیل ہے:۔

"ریاست جموں وکشمیر کئی پہلوؤں سے خسارہ میں چل رہی ہے ریاست کی اکثریت جو مسلمانوں پر مشتمل ہے نہایت ہی کسمپرس، مفلوک الحال اور ناخواندہ ہے اور نہایت ہی ناخوشگوار حالات کے زیر اثر غریبانہ زندگی بسر کر رہے ہیں، ان پر اندھی گونگی بھیڑوں کی طرح حکومت کی جا رہی ہے حکومت سرتاپا ناقص اور غیر ذمہ دار ہے عوام اور حکومت کے درمیان کوئی ربط وتعلق نہیں ہے۔ لوگوں کو اپنی مشکلات پیش کرنے کا موقع ہی نہیں دیا جاتا حکومت کو وہاں کے لوگوں سے کوئی دلچسپی یا ہمدردی نہیں

ریاست کا ذہین طبقہ کشمیری پنڈت جسے اپنی تعلیمی قابلیت سے سرکاری ملازمتوں پر اجارہ داری حاصل ہے، وہ بھی حکومت سے بدظن اور نالاں ہے ریاست میں رائے عامہ اور پریس کی آزادی مفقود ہے، جب تک رعایا اور حکومت کے درمیان باہمی تعاون موجود نہ ہو تب تک اُن ذرائع سے فائدہ اٹھانا ناممکن ہے جو قدرت نے اس سرزمین کو عطا کر رکھے ہیں۔ گاؤں میں لوگوں کی اقتصادی حالت پسماندہ ہے کشمیر کی صنعتیں روبہ زوال ہیں۔ ان کی حفاظت کا مسئلہ ایک ضروری مسئلہ بن رہا ہے۔"

اِس بیان سے ایوانِ حکومت میں ایک زلزلہ سا آگیا کشمیری مسلمانوں کی حالتِ زار کا جب ہندوستان کے علاوہ بیرون ممالک میں بھی چرچا ہو گیا تو مہاراجہ سخت پریشان ہوا، کئی اطراف سے ان پر پھٹکار پڑنے لگی انھوں نے اس رسوائی سے بچنے کے لیے ایک جوابی پروپیگنڈہ مہم شروع کرائی چنانچہ بلہ کاک در، پی کے واتل اور کاشی ناتھ کے ساتھ جنرل سمندر خان، کرنل غلام علی شاہ، مرزا غلام مصطفیٰ، آغا سید حسین اور محی الدین گنگو وغیرہ نے سر ایلبین بنرجی کے بیانات کو جھٹلانے کی ناکام کوششیں کیں۔ انھوں نے اپنے بیانات میں مہاراجہ کی قصیدہ خوانی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کے دورِ حکومت میں کشمیری مسلمانوں کی حالت کا جو نقشہ کھینچا اس میں بے حد دروغ گوئی اور کذب بیانی سے کام لیا گیا، آغا سید حسین کے گھر میں ایک میٹنگ بُلائی گئی، میٹنگ میں درجہ بالا اصحاب کے علاوہ سرینگر کے ایک نامور تاجر یعقوب علی نے بھی شرکت کی، ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا اور جب اس پر دستخط کرانے کے لیے ممبران سے کہا گیا تو یعقوب علی نے اعتراض کیا اور کہا۔ "اس کے لیے پہلے عوام سے رائے لینی پڑے گی"

یہ کہہ کر وہ یہاں سے اُٹھ کر چلے گئے، انھوں نے اس خفیہ میٹنگ کی منادی کرائی اور لوگوں کو خانقاہ معلیٰ میں جمع ہونے کو کہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کوئی چھ ہزار کے قریب لوگ جمع ہو گئے۔ یعقوب علی نے عوام کے سامنے خفیہ میٹنگ کی صورت حال واضح کر دی تو ان خود ساختہ لیڈروں کو سخت بُرا بھلا کہہ کر ان کی انجمن کو مسترد کر دیا گیا۔ اس جلسہ میں یعقوب علی کے ساتھ جن دوسرے اشخاص نے پبلک کے اجتماع میں پہلی بار مہاراجہ ہری سنگھ کو للکارا، کشمیر کی تاریخ مرتب کرنے والوں نے ان کا کوئی ذکر تک نہیں کیا، حالانکہ عوامی اجتماع میں ڈوگرہ راج کے خلاف آواز اٹھانے والے یہ پہلے مرد مجاہد ہیں۔ ان میں مولوی عبدالاحد، مولوی غلام احمد کشفی، خاکسار

محی الدین، عبدالعزیز ڈار، محمد اسماعیل، عبدالغفار ڈار اور غلام محی الدین قابلِ ذکر ہیں۔

سرایلبین بنرجی کے بیانات اور مہاراجہ بہادر کے حواریوں کے جوابی بیانات نے برصغیر میں ایک طلاطم سا بپا کر دیا۔ اسی دوران شیخ محمد اللہ کا ایک خط ایک انگریزی ویکلی "مسلم اوٹ لک" میں شائع ہو گیا جو لاہور سے نکلتا تھا۔ شیخ محمد عبداللہ نے اس خط میں مہاراجہ ہری سنگھ کے بے ضمیر حواریوں کی سخت الفاظ میں نکتہ چینی کی تھی۔ شیخ عبداللہ کے اس خط کی اشاعت سے لاہور کی کئی اہم شخصیتوں نے انہیں علی گڑھ سے لاہور آنے کا پیام بھیج دیا۔ لاہور میں جن دنوں شیخ عبد اللہ سائنس میں بی، ایس، سی کر رہے تھے۔ ان کا قیام ریواز ہوسٹل میں تھا اور اس کا تمام خرچہ احمدیہ انجمن لاہور برداشت کر رہی تھی۔

احمدیوں کے قریب رہنے کی وجہ سے ان پر بھی احمدیت کا لیبل لگ گیا تھا۔ جبکہ وہ اپنے بڑے بھائی شیخ محمد مقبول کے طفیل سے مرزائیت قبول کر چکے تھے۔ شیخ محمد مقبول کھانڈے خان کے قریبی دوست تھے۔ کھانڈے خان سرینگر میونسپل کمیٹی میں انجینئر تھے (انھوں نے اپنی نگرانی میں مجاہد منزل کی تعمیر کرائی تھی) کھانڈے خان مرزا غلام احمد کے پیروکاروں میں شامل تھے۔ وہ ماسٹر عبداللہ کے رشتہ دار بھی تھے۔ ماسٹر عبداللہ (ڈاکٹر طاہرہ خانم کے والد) جو ٹیکنیکل کالج میں ٹیچر تھے کھانڈے خان کے یار تھے۔ تینوں مولوی عبداللہ کی سرپرستی میں مرزائیت کا یہاں خوب پرچار کرتے تھے اور ان کا براہِ راست تعلق مولوی محمد علی سے تھا۔ مولانا محمد علی لاہور میں قیام کے دوران شیخ محمد عبداللہ کو شیخ محمد مقبول کی سفارش پر انجمن سے ان کی ضروریات پوری کرا رہے تھے۔

"مسلم اوٹ لک" میں ان کے خط کی اشاعت کے بعد جن احباب نے شیخ محمد عبداللہ کو اپنے ہاں مدعو کیا ان میں سید محسن شاہ بیرسٹر ایٹ لاء ایڈوکیٹ تھے جو مسلم کشمیری کانفرنس ۲۵-۱۹۲۴ء کے ممبر رہے ہیں، انھوں نے اس کانفرنس کو پورا پورا تعاون دیا تھا۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاء" ان کا مشن تھا۔ انہوں نے بعض ہونہار طلبا کو وظائف دیکر کا بچوں کی تعلیم دلائی۔ ان کی فراخدلی کا چرچا عام تھا۔ چنانچہ شیخ محمد عبداللہ بھی ان کے پاس گئے اور تعلیم جاری رکھنے کیلئے انھیں مالی مدد کی درخواست دی تھی۔

سید محسن شاہ نے شیخ عبداللہ کو علی گڑھ سے فارغ التحصیل ہو کر ان کے پاس آنے کو کہا تھا تاکہ وہ ان کی رائے کے مطابق ان کی مدد کر سکیں۔

چنانچہ فارغ التحصیل ہو کر کشمیر واپس روانہ ہونے سے قبل شیخ عبداللہ محسن شاہ صاحب

سے ملے اور انہیں مدد کی درخواست کی یاد دلائی۔ سید محسن شاہ نے انہیں مہاراجہ کے حواریوں کے خلاف خط کی اشاعت پر شاباشی دی اور انھیں رات کے لیے اپنے گھر کا مہمان بنا دیا۔ جب صبح شیخ صاحب روانگی کی رخصت لینے اُن کے پاس آئے تو محسن شاہ صاحب نے شیخ عبداللہ کے سامنے روپیوں کی ایک تھیلی رکھ دی۔ شیخ عبداللہ روپیوں کی یہ تھیلی دیکھ کر کشمکش و پنج میں پڑ گئے، وہ اس تھیلی کی طرف دیکھ کر کچھ سوچ رہے تھے کہ سید محسن شاہ کی بیگم چلمن سے باہر آ کر بولیں۔

"بیٹے۔ اُٹھا لے یہ ہماری طرف سے تمہیں قرض حسنہ ہے"

شیخ صاحب تھیلی اٹھا کر اسے کھول کر گننے لگے تو ان دونوں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور اسے مزید تعلیم جاری رکھ کر کامیاب ہونے کی دعائیں دیں۔

سید محسن شاہ نے شیخ عبداللہ کو بتایا "ہم تمہاری گھریلو حالت سن کر بے حد متاثر ہوئے ہیں جو حالت تم نے مالی مدد کی درخواست میں لکھدی تھی، تم تعلیم جاری رکھنا چاہتے ہو ہم تمہاری پوری مدد کریں گے تم پڑھ لکھ کر کچھ بنو گے تو ہم سمجھیں گے تم نے ہمارا قرضہ اُتار دیا"

۱۲ اپریل ۱۹۳۰ء کو شیخ محمد اللہ سرینگر کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہاں سرینگر میں سرایلبین بنرجی کے بیان اور جوابی بیانات کی مہم کچھ ماند پڑ گئی تھی۔ بنرجی کے بیان کی روشنی میں مہاراجہ ہری سنگھ عوام کی زبوں حالی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، انھوں نے ایک خصوصی حکم کے ذریعے منظفر الدین شہمیری کو کشمیر سے اور عبدالحکیم خان کو جموں سے بار ایٹ لاء کے لیے منتخب کیا تھا۔ اس کے علاوہ مبارک شاہ نقشبندی، عبدالرشید، عبدالغنی فاضلی اور غلام جیلانی کو کشمیر سے اور جموں سے خواجہ غلام عباس خاں کو کوآپریٹیو ٹریننگ کے لیے سرکاری خرچے پر باہر بھیجنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

مہاراجہ بہادر نے مسلمان علماء سے صلاح مشورہ کرنے کا سلسلہ بھی شروع کیا جو اکثر حالات میں عدیم الفرصتی کی نذر ہو جاتا۔

۱۱ ستمبر ۱۹۲۹ء کو مسٹر پی کے وائل کی وساطت سے مہاراجہ نے اپنے ہاں کئی برگزیدہ اشخاص کو طلب کر لیا اور ان کے ساتھ بعض اہم امورات پر تبادلہ خیالات کیا، اس بیٹھک میں خواجہ محی الدین کاؤسہ، میرواعظ احمد اللہ ہمدانی، جعفر خان، سید حسین جلالی، سعد الدین شال اور آغا سید حسین وغیرہ شامل تھے۔ کئی معاملات زیر بحث آئے جن کا تدارک کرنے کا مہاراجہ نے وعدہ کیا۔ اس وعدہ وفائی کے لیے مہاراجہ نے ایک حکم بھی جاری کیا کہ بیرونِ ریاست کے

اشخاص کو عارضی طور پر صرف تین سال کے لیے ملازمت میں لیا جائے گا، تین سال کے بعد ان جگہوں پر باشندگانِ ریاست کو مقرر کیا جائے گا۔ اس کے بعد کسی بیرونی باشندے کو ملازمت میں نہیں لیا جائے گا۔

سرینگر اور سوپور میں بطور تجربہ جبری تعلیم کے مدارس کھولے گئے تاکہ ناخواندگی دور ہو سکے، ان اقدامات سے مسلمانوں پر لگے زخموں کا کچھ مرہم ہونے لگا کہ اسی دوران ۶ مئی ۱۹۳۰ء کو دہلی میں مہاتما گاندھی کی ستیہ گرہ کی خبر سرینگر میں پھیل گئی۔ ایک اتھل پتھل سی مچ گئی۔ ہزاروں لوگ امیراکدل میں جمع ہو گئے۔ دکانداروں نے ہڑتال کی، بدیشی کپڑوں کے ڈھیر جلائے گئے، بعد میں ایک جلوس بھی نکلا جو انقلاب زندہ باد اور نعرۂ تکبیر اللہ اکبر بلند کر کے آگے بڑھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اسکول اور کالج کے طلباء نے اسٹرائک کی، مہاراجہ نے اس اسٹرائک کی سخت نوٹس لی اور ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی اس کے ممبران مسٹر ویکفیلڈ، آغا سید حسین مسٹر واتل اور میکڈرمٹ مقرر ہوئے۔

۸ مارچ ۱۹۳۱ء میں فرانس کے ایک ہسپتال میں مہاراجہ ہری سنگھ کے ہاں فرزند تولد ہوا، ساری ریاست میں شادیانے منائے جانے لگے، چراغاں ہوا، تین دن تک اس خوشی میں سرکاری دفاتر اور اسکول و کالج بند رہے۔ یوراج کرن سنگھ کے جنم پر جشن جاری تھا اور مہاراجہ بہادر کی فرانس سے آمد پر ان کا شاہانہ استقبال کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

پنڈتوں اور مسلمانوں کی طرف سے چندہ جمع ہو رہا تھا۔ استقبالیہ کمیٹی بن رہی تھی کہ ۱۳ اپریل کو مولانا مولوی احمد اللہ صاحب میرواعظ کشمیر اور صدر انجمن نصرت الاسلام دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ اس خبر سے گھر گھر ماتم کدہ بن گیا۔ لوگ جوق در جوق سینہ کوبی کر کے جنازہ میں شرکت کے لیے روانہ ہو گئے۔ جنازے میں لوگوں کا ایک بہت بڑا اژدھام تھا۔ جنازہ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے لوگ اشکبار تھے، اور درود پڑھتے جا رہے تھے۔ عورتیں زار و قطار رو رہی تھیں۔

۱۱ مئی کو مہاراجہ ہری سنگھ بمعہ رانی اور راجکمار فرانس سے واپس پہنچے، یہاں پہنچتے ہی ان کا زبردست استقبال کیا گیا۔ مبارک بادی کے جلسے منعقد کیے گئے۔ چراغاں کیا گیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے اس خوشی کے موقع پر کئی رعایات اور مراعات کا اعلان کیا۔ مہاراجہ کے تئیں لوگوں کا یہ استقبال اور جشن آخری ثابت ہوا کیونکہ اگلے ماہ جون سے ان کے خلاف رائے عامہ منظم ہونے لگی۔

گذاری زندگی ہم نے محبت کے قرینوں میں
گذاری گلعذاروں میں، لُٹائی مہ جبینوں میں

ریڈنگ روم سرینگر۔ ایک تجزیہ

ڈوگرہ شاہی کے خلاف منظم جد و جہد کے لیے آپس میں مل بیٹھنے کے لیے اور اس کے لیے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے سرینگر کے بعض نوجوانوں نے مارچ ۱۹۳۰ء میں غلام نبی گلکار کی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل دی اور اس کا نام "آل کشمیر سوشل اَپ لفٹ ایسوسی ایشن" رکھدیا گیا اس تنظیم کے لیے شہر کے علاوہ قصبہ جات سے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو راغب کیا گیا۔



غلام نبی گلکار

۸ مئی ۱۹۳۰ء کو خواجہ محمد سکندر ٹیلیگراف ماسٹر جو کاچگری مسجد متصل حاجی راتھر میں رہتے تھے، ان کے گھر پر اس تنظیم کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی جس میں اس تنظیم سے وابستہ نوجوانوں نے ڈوگرہ شاہی کے خلاف لڑنے کا عہد کیا اور اس کے لیئے باضابطہ حلف لیا گیا۔ ان حلف لینے والوں میں غلام نبی گلکار، محمد رجب، محمد صدیق ملک، مولوی بشیر احمد، عبد الغنی پلوامی، غلام احمد ظہرہ، محمد یحییٰ رفیقی، غلام نبی رفیقی، عبد الصمد درزی، محمد مقبول کوزگر، مبارک شاہ نقشبندی، پیر سیف الدین، پیر حفیظ اللہ کاتش، ملک غلام نبی درزی، ملک عبد الکبیر، غلام محمد رباگ، غلام رسول وبیر، غلام محمد بٹ، علی محمد سقّہ، مفتی جلال الدین، پیر عبد القدّوس، ماسٹر غلام محمد زینہ کدلی، غلام محمد بانڈے اور ماسٹر محمد اسماعیل اسلام آبادی قابلِ ذکر ہیں۔

اس تنظیم جس کی صدارت غلام نبی گلکار انجام دے رہے تھے ان کا ہاتھ عبدالغنی ننگرو اور غلام حسن صابون بٹا رہے تھے، میٹنگ میں ڈوگرہ شاہی کے خلاف جدوجہد کرنے کے مختلف پہلو زیر غور لائے گئے۔ میٹنگ کے اختتام پر محمد رجب نے تجویز پیش کی کہ ماسٹر عبداللہ جو حال ہی میں لاہور سے یہاں آئے ہیں ان کو بھی اس تنظیم میں شامل کرنا چاہیے، چنانچہ غلام نبی گلکار کو ان کے پاس بھیج دیا گیا۔ اُن دنوں شیخ عبداللہ سٹیٹ ہائی سکول میں سائنس ماسٹر تھے اور ماسٹر عبداللہ کے نام سے جانے جاتے تھے۔ اُن ایام میں جو تنخواہ وہ سرکار سے لیتے تھے، وہ ۱۳ روپے ۹ آنے ۶ پائی تھی۔



غلام نبی گلکار نے ان کو اپنی تنظیم میں شامل ہونے کے لیے راضی کر لیا، چنانچہ اگلی میٹنگ میں شامل ہونے کے لیے انھوں نے گلکار صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر وعدہ بھی کر لیا۔ لیکن وہ نہیں آئے، منشی محمد دین فوق رسالہ "کشمیر میگزین" میں لکھتا ہے:

"جب شیخ عبداللہ اسٹیٹ ہائی اسکول میں سائنس ماسٹر مقرر ہوئے تو غلام نبی گلکار اکثر ان سے ملتے اور ریاست کی زبوں حالی کے بارے میں انھیں تفصیلات بتاتے تھے، غلام نبی گلکار وہ مایہ ناز ہستی ہے جس کو سب سے پہلے اپنی قوم کی مظلومی و بے کسی کے خلاف آواز اُٹھانے کا فخر حاصل ہوا، گلکار ان نوجوانوں میں سے ہے جن کے دل نے سب سے پہلے قوم کی خستہ حالی پر درد محسوس کیا جونہی اس نے عالمِ شباب میں قدم رکھا۔ اس کی نگاہ قوم کی بدحالی پر پڑی اور اس کے دل پر ایسی چوٹ پڑی کہ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تحریک کا جھنڈا بلند کرتا ہوا میدان میں کودا اور خطرات و مصائب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قوم کو بیدار و ہوشیار کرنے کے لیے عملی جدوجہد شروع کر دی۔"

اس مجاہدِ اعظم کی درد بھری آواز اور مخلصانہ تحریک نے صدیوں کے سوئے ہوئے غلام ملک کو نویدِ آزادی کی تڑپ سے روشناس کرایا، اور سالہا سال کی روندی ہوئی قوم میں زندگی کی لہر پیدا کر دی۔ گلکار کی سیاسی زندگی کا آغاز "آل کشمیر مسلم سوشل اپ لفٹ ایسوسی ایشن" نامی

تنظیم سے ہوتا ہے جو نوجوانانِ سرینگر نے ۱۹۳۰ء میں کشمیری مسلمانوں کی تنظیم کے لیے قائم کی اور جس کے پہلے صدر آپ ہی ہوئے۔

آپ کشمیر کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کا ہاتھ پکڑ کر انھیں اس تنظیم میں لائے۔ شیخ محمد عبداللہ ماسٹر" نے ان سے وعدہ خلافی کر کے انھیں مایوس کر دیا لیکن انھوں نے ہمت نہ ہاری اسی دوران فتح کدل میں مفتی ضیاء الدین کے گھر کے پاس گیرج کے اُوپر کے ایک کمرے میں ریڈنگ روم کا قیام عمل میں لایا گیا اس کی ابتداء مولوی عبداللہ وکیل، ان کے فرزند مولوی عبدالرحیم، منشی نصیر الدین اور مولوی احمداللہ ہمدانی نے کی۔



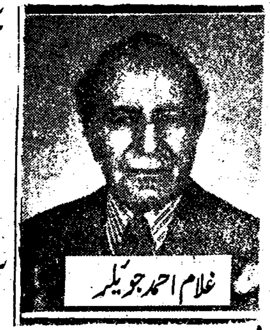
شیخ محمد عبداللہ

بظاہر یہ ریڈنگ روم اسلامی اور معلوماتی کتابیں اور اخبارات پڑھنے کے لیے قائم کیا گیا لیکن اصل میں یہ ایک بیٹھک تھی جہاں سیاسی سرگرمیوں پر تبادلہ خیال کیا جاتا تھا پہلے پہل یہ ریڈنگ روم چند افراد پر مشتمل تھا۔ بعد میں اس میں وسعت لائی گئی اور اس میں آل کشمیر مسلم سوشل اپ لفٹ ایسوسی ایشن کے کئی ممبران بھی شامل ہو گئے۔ مفتی جلال الدین، محمد رجب اور چند دوسرے نوجوانوں کے چلے جانے سے غلام نبی گلکار کی انجمن ناکارہ سی ہو گئی، بعد میں وہ اپنا دفتر بند کر کے ریڈنگ روم کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ ریڈنگ روم ممبران میں مفتی جلال الدین، حکیم علی، پیرزادہ غلام رسول، پیرزادہ احمد شاہ فاضلی اور حکیم غلام مرتضیٰ بھی شامل ہو گئے۔ غلام نبی گلکار اور محمد رجب نے شیخ محمد عبداللہ کو ریڈنگ روم آنے کے لیے راضی کر لیا۔

چنانچہ کئی نشستوں کے بعد جب اسے ایک تنظیم کی صورت دی گئی تو اتفاق رائے سے اس کے پہلے صدر شیخ محمد عبداللہ اور جنرل سکریٹری محمد رجب مقرر ہوئے۔ صدر مقرر ہونے کے بعد شیخ عبداللہ کے لیے صورہ سے یہاں آ کر بیٹھک میں شامل ہونا ایک مسئلہ بن گیا تو انہیں اسی کمرے میں رہنے کا مشورہ دیا گیا۔ ان کی عارضی رہائش کے لیے ضروریاتِ زندگی اور رہن سہن کا مسئلہ درپیش آیا، شیخ صاحب نے اپنی کمزور مالی حالت کے بارے میں بتایا تو غلام نبی گلکار اور پیر محمد مقبول گیلانی نے ان کے خرچے کا بار اٹھا لیا۔ رات کو سبھی لوگ اپنے اپنے گھر

جاتے تھے تو شیخ صاحب اکیلے نہیں رہ سکتے تھے، چنانچہ ان کے ساتھ عبدالغنی ترالی کو رہنے کے لیے آمادہ کیا گیا۔ غلام نبی گلکار اپنے گھر سے ان کے لیے کھانا لے آتے تھے۔

یاد رہے شیخ صاحب لاہور سے سید محسن شاہ سے "جو قرض حسنہ" لائے تھے وہ چاندی کے سکّوں میں تھا اور یہ ساری رقم انھوں نے غلام احمد جوئیلر کے پاس بطور امانت رکھدی تھی، غلام احمد جوئیلر نے (COKSS KINGS) بنک جو بعد میں لائیڈز بنک میں بدل گیا۔ شیخ عبداللہ کو ساتھ لیکر یہاں ایس، ایم عبداللہ کے نام سے جمع کرائی، بنک سے جو انھیں پاس بک اجرا کی گئی اس کا اکاؤنٹ نمبر 342 /c تھا۔ شیخ صاحب ابتدا میں اپنی تنخواہ کا بیشتر حصّہ اور بعد میں بالائی آمدنی اسی بنک میں جمع کرتے رہے۔



غلام احمد جوئیلر

سرینگر کے ریڈنگ روم میں ایک خفیہ سیل بنائی گئی، یہ سیل اُن سرکاری ملازمین پر مشتمل تھی جو اپنے آپ کو پوشیدہ رکھ رہے تھے ان میں خواجہ علی شاہ، غلام محمد گلکار، حکیم علی، غلام احمد عشائی، نظام الدین منتو، صفدر علی، پیر غلام احمد فاضلی اور پیر غلام رسول قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے ذمہ یہ کام رکھا گیا کہ وہ ریاست کے مسلمان ملازمین کے اعداد و شمار جمع کر کے پنجاب کے اخبارات کو ارسال کیا کریں، ریڈنگ روم کے ارکان نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ لاہور سے ایک اخبار نکالا جائے مگر اقتصادی حالت کے پیشِ نظر اس کو ملتوی رکھا گیا البتہ اس کے لیے اخبار "انقلاب" "زمیندار" اور "سیاست" کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ ہوا۔ یہ بھی طے ہوا کہ اگر اخبار کا داخلہ ریاست میں بند کر دیا گیا تو ایک اور نام سے اخبار جاری کیا جائے اور جب وہ بھی بند ہو جائے تو اشتہارات نکالے جائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اشتہاروں کے طرز پر اخبار "مظلوم کشمیر" اور "ستم کشمیر" یکے بعد دیگرے یہاں آتے گئے۔ اس تنظیم نے لاہور کے پریس نمائندے مسٹر ایل این بنرجی جو کہ لندن میں "انڈین اسٹیٹس" نام کا ماہنامہ میگزین شائع کرتے تھے اس سے بھی رابطہ قائم کیا اور کشمیر سے متعلق مضامین اور اعداد و شمار وغیرہ چھپوا کر انگلینڈ کے عوام تک کشمیر کے حالات اور یہاں کے لوگوں کے جذبات پہنچائے گئے، ان حالات سے متاثر ہو کر لندن کی مسجد کے امام مولوی فرزند علی نے کشمیر تحریک کے لیے ایک اہم رول ادا کیا۔

حکومت نے مذہبی تبلیغ میں سیاسی بُو سونگھ لی تو سیاسی تقریروں کے خلاف جامع مسجد

کے دروازے پر نوٹس چسپاں کر دیا گیا اور مشتہر کیا کہ جو شخص اس کی خلاف ورزی کرے گا اُسے سخت سزا دی جائے گی۔

ریڈنگ روم کی میٹنگ میں اس پر غور کیا گیا اور فیصلہ ہوا کہ اس نوٹس کو اتار پھینک کر حکومت کا چیلنج قبول کر لیا جائے لیکن بلّی کے گلے میں گھنٹی کون ڈالے اس کے لیے ایک دوسرے کی طرف دیکھا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں یہ طے ہو چکا تھا کہ وہ نڈر، بے باک اور جوشیلے ہیں۔ چنانچہ جب اس غرض کے لیے ان کی طرف دیکھا گیا تو انھوں نے خاموشی سے نظریں جھکالیں اِس پر غلام نبی گلکار نے کھڑے ہو کر اپنے آپ کو پیش کیا اور اسی وقت جاکر نہ صرف نوٹس کو اُتار پھینکا بلکہ اسے پاؤں تلے روند بھی ڈالا۔

اس طرح اس جیالے نوجوان نے "بغاوت" کا آغاز کیا۔



غلام نبی گلکار



تحریکِ حریت کے پہلے سپاہی مولوی عبداللہ وکیل

گلشن میں جوشِ گُل تو بگولہ ہیں دشت میں
اہلِ جنوں جہاں بھی رہے آن سے رہے

ینگ مینز ایسوسی ایشن جموں
منظر اور پس منظر

وادیٔ کشمیر کے ساتھ ساتھ جموں میں ڈوگرہ شاہی کے خلاف لاوا پک چکا تھا اور یہاں مقامی مسلم رہنما جدوجہد آزادی کی شروعات وادیٔ کشمیر سے پہلے ہی کر چکے تھے۔ سرینگر میں ریڈنگ روم کو تحریک دراصل جموں سے مل گئی تھی۔ کیونکہ جموں میں ینگ مینز ایسوسی ایشن پہلے ہی بن چکی تھی۔ اس ایسوسی ایشن نے ۱۹۰۹ء میں کام کرنا شروع کیا تھا ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۸ء تک یہ خالص دینی اور مذہبی ایسوسی ایشن تھی اس کا کام دین اسلام کا فروغ اور قرآنی تعلیم کے پھیلاؤ تک محدود تھا۔ ۱۹۲۸ء سے اس تنظیم نے سیاسی امور پر تبادلۂ خیال کرنا شروع کیا اور ڈوگرہ شاہی کے ظلم وستم کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند کیا۔

یہ الگ بات ہے کہ کشمیری مسلمانوں کی زبوں حالی اور ان کے تحفّظ کے لیے ڈوگرہ شاہی کے جوروستم اور ظلم کے خلاف جو سب سے پہلی انجمن وجود میں آئی تھی وہ ۱۸۹۶ء میں لاہور میں "مجلسِ کشمیری مسلمانان لاہور" کے نام سے قائم تھی اس کے بانیوں میں میاں کریم بخش رئیسِ اعظم لاہور، ان کے فرزند میاں شمس الدین، میاں نظام الدین اور میاں جلال الدین کے علاوہ مولوی احمد دین خواجہ رحیم بخش اور ڈاکٹر شیخ محمد اقبالؔ قابلِ ذکر ہیں۔

یکم دسمبر ۱۹۰۱ء میں "مسلم کشمیری کانفرنس" نامی تنظیم وجود میں آئی اس کے پریذیڈنٹ میاں کریم بخش اور جنرل سکریٹری میاں شمس الدین مقرر ہوئے اس کے بعد

ملک گیر پیمانے پر "آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس" کی بنیاد پڑی اور اس کی شاخیں لاہور، امرتسر، گجرانوالہ، سیالکوٹ، گجرات، جہلم اور راولپنڈی میں قائم ہوئیں اس کانفرنس کے بانیوں میں خان بہادر شیخ غلام صادق صاحب آنریری ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر امرتسر، خان بہادر خواجہ یوسف شاہ صاحب ممبر لیجسلیٹو اسمبلی پنجاب، نواب سربلند جنگ بہادر، حاجی مولوی حمید اللہ خاں صاحب سابق چیف جسٹس حیدر آباد دکن، خان بہادر نواب خواجہ محمد اعظم خاں صاحب رئیس اعظم ڈھاکہ، میاں فیروز الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس اعظم امرتسر، میاں نظام الدین اور شیخ محمد پبلک پراسیکیوٹر گجرات قابلِ ذکر ہیں۔ یہ سبھی حضرات کشمیری نسل سے تعلق رکھتے تھے اور کشمیری خون کے ناطے کشمیری مظلومین کے لیے آواز بلند کرتے رہتے تھے۔



مستری یعقوب علی چوہدری غلام عباس خان

۱۹۲۸ء کے دوران جموں کی ینگ مینز ایسوسی ایشن نے ڈوگرہ شاہی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ کئی جلسوں اور مظاہروں کا بھی اہتمام کیا، ۱۹۲۹ء میں جب سر ایلبین بنرجی نے وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہو کر لاہور میں ایسوسی ایٹڈ پریس کے سامنے کشمیر کے مسلمانوں کا ظلم و ستم اُجاگر کرتے ہوئے یہ بیان دیا کہ:

"ریاست میں مہاراجہ اور رعایا کے مابین کوئی رابطہ یا موافقت نہیں ہے اس ۸۵ ہزار مربع میل میں پھیلی ہوئی ریاست کی آبادی میں ۸۰ فیصد پر غیر مسلم چھائے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کو ڈنگروں کی طرح لاٹھیوں سے ہانکا جاتا ہے وہ نہایت ہی ذلت کی زندگی گزارتے ہیں......"

اس بیان سے نہ صرف ینگ مینز ایسوسی ایشن کے عہدیداران اور ممبران متأثر ہوئے بلکہ علاقہ جموں کے مسلمان بھی ششدر رہ گئے۔ چونکہ جموں کے مسلمانوں نے پہلے ہی ڈوگرہ شاہی کے خلاف جد و جہد کا آغاز کیا تھا۔ بنرجی کے بیان کے بعد اس احتجاج میں شدت آگئی۔

جموں میں ینگ مینز ایسوسی ایشن کی سرگرمیوں کے بارے میں اطلاعات ملنے پر سرینگر کے

بعض علماء نے اسی طرز کی ایک ایسوسی ایشن بنانے کا ارادہ کر لیا، چنانچہ مولوی عتیق اللہ سعد الدین شال غلام احمد عشائی اور مولوی عبد اللہ وکیل نے ریڈنگ روم بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

وادی کے مسلمان رہنماؤں نے ڈوگرہ راج کے خلاف جب منظم جد و جہد کا آغا کیا تو اس وقت جموں بہت آگے نکل چکا تھا۔

یہاں باضابطہ طور پر سنگینوں کا مقابلہ کیا جاتا تھا اور گرفتاریاں دی جا رہی تھیں علاقہ جموں کی جد و جہد آزادی میں قربانیاں وادی سے بہت زیادہ ہیں لیکن ان کی قربانیوں کو نظر انداز کر کے تاریخ اور تحریک کے ساتھ بہت زیادتی کی گئی ہے۔

بنرجی کے بیان نے جموں کے مسلمانوں کے احساسات میں گرمی پیدا کر دی انھوں نے اس بیان کو اپنی جد و جہد آزادی کے لیے احساس حریت قرار دیکر ریاست میں ذمہ دار نظام حکومت کے قیام کا مطالبہ کیا، جسے مسلم حکایات اور مسلم مطالبات کی پہلی شق قرار دیا گیا اور اس کے حصول کے لیے ہر ممکن کوششیں بروئے عمل لانے کا عہد کیا گیا۔ اس وقت ینگ مینز ایسوسی ایشن میں جو نوجوان شامل تھے ان میں چوہدری غلام عباس خان سردار گوہر رحمان، اللہ رکھا ساغر، غلام حیدر غوری کے علاوہ شیخ محمد سعید، بابو غلام علی، منشی رحمت اللہ، شیخ عبد الحمید، منشی طفیل احمد، بابو محمد صدیق، بابو علی محمد، یحییٰ خان، غلام قادر بٹ، محمد جمیل نظامی، مولانا عبد المجید قرشی، معراج الدین، سید گلزار حسین، شاہ قلندر، خلیفہ غلام پہلوان اور دیگر جوان شامل تھے۔

جموں کی ینگ مینز ایسوسی ایشن کی ڈوگرہ شاہی کے خلاف عملی جد و جہد کو دیکھ کر جموں کی غیر مسلم تنظیمیں تلملا اٹھیں، کئی ہندو لیڈر اور ہندو مہا سبھائیں حکومت پر زور دینے لگیں کہ ینگ مینز ایسوسی ایشن جموں باغیوں کی جماعت ہے۔ اسے خلاف قانون قرار دیکر اس کے وابستگان کو گرفتار کر لیا جائے ان پر بغاوت کے مقدمات چلائے جائیں۔

جموں کے ڈوگروں کی بیان بازی نے مسلمانوں کے جذبات اُبھارے چنانچہ ایک ٹکراؤ شروع ہو گیا۔ اسی ٹکراؤ نے وادئ کشمیر میں مسلم قیادت کو زبان کھولنے کے لیے اکسایا۔ سرینگر کی ریڈنگ روم کو ینگ مینز ایسوسی ایشن کی ایک برانچ کے طور پر قبول کرنے کی درخواست دیدی گئی، چنانچہ فتح کدل کے ریڈنگ روم کو ایسوسی ایشن کا ادارہ قرار دیا گیا۔ جب ۱۹۳۱ء کا سانحہ وادی میں پیش آیا تو جموں کے مسلمانوں نے ایک زبان ہو کر ڈوگرہ شاہی کے خلاف جد و جہد آزادی کی آبیاری کے لیئے اپنا خون پیش کیا، جموں کے علاوہ جہاں پر مسلمانوں نے آزادی کے لیے

اپنا لہو بہایا ان میں میر پور، کوٹلی بھمبر گلی، پونچھ، راجوری، ریاسی، اودھم پور، اکھنور، رنبیر سنگھ پورہ کٹھوعہ اور سانبہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان علاقہ جات میں مسلمانوں نے ڈوگرہ فوج کے سامنے گولیاں کھانے کے لیے پیٹھ کے بجائے سینہ پیش کیا۔

۱۳ اگست کی رات کو سارے جموں شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی اور اس دفعہ کی پروا کیے بغیر ینگ مینز ایسوسی ایشن نے مسلم ہال جموں میں جمع ہو کر ایک جلوس نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔ ڈوگرہ فوج نے ہال کو اپنے گھیرے میں لے لیا، مجاہدین نے جامع مسجد مست گڑھ کا رُخ کیا حکومت نے فوری طور پر فوج وہاں روانہ کر دی، شیخ غلام قادر جنرل سکریٹری ایسوسی ایشن نے مسجد کے گنبد پر چڑھ کر ڈوگرہ حکومت کے خلاف مرتب کردہ ریزولیوشن پڑھا جسے تمام حاضرین نے منظور کیا، جب وہاں سے مجاہدین باہر آئے تو ڈیوٹی مجسٹریٹ کے حکم سے پولیس اور فوج نے ان کو گھیرے میں لے لیا ان پر لاٹھی چارج کیا گیا اور ملٹری کے رسالہ سواروں نے ان پر نیزوں سے حملہ کیا، بہت سارے مجاہدین آزادی زخمی ہوئے یہاں سے مجاہدین نکل کر ڈھکی سراجاں میں جمع ہو گئے پولیس نے ان کا پیچھا کیا اور جگہ جگہ ان پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ کئی مجاہدین نیزوں سے لہولہان ہو گئے یہاں سے نکل کر جلوس چوک گھاس منڈی میں جمع ہو گئے فوج نے یہاں بھی ان کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک مجاہد بابو محمد صدیق نے آگے بڑھ کر ایک سپاہی کا نیزہ پکڑ کر کھینچ لیا۔ سپاہی گھوڑے سے سرنگوں ہو کر گر پڑا دوسرے سپاہی مشتعل ہو گئے۔ انھوں نے بندوقوں اور مشین گنوں سے مجمع کو ختم کرنے کی تیاری کی اسی وقت میجر محمد خاں گھوڑے پر سوار دوڑتے ہوئے آیا اور چلاتے ہوئے کہا، خبردار گولیاں مت چلاؤ، میں مہاراج کا نہیں بلکہ برٹش گورنمنٹ کا ملٹری آفیسر ہوں اس وقت تم میری کمان میں ہو، میجر محمد خاں کی مداخلت سے خون خرابہ رُک گیا۔ تمام لوگ زخمیوں کو ہاتھوں اور کندھوں پر لے کر ایک جلوس کی صورت میں یہاں سے روانہ ہو گئے۔

اُدھر جموں میں جلسے کی قیادت گوہر رحمان کر رہے تھے اور اُدھر اودھم پور میں اللہ رکھا ساغر کمان سنبھالے ہوئے تھے۔

اودھم پور میں احتجاجی جلوس پر فوج کے بجائے غیر مسلموں نے حملہ کیا جس سے ہندو مسلم فساد بھڑک اُٹھا بلوائیوں نے ملٹری کی موجودگی میں مسلمانوں کی دکانیں لوٹ لیں، ایک زبردست افراتفری مچ گئی، مسلم نوجوانوں نے بلوائیوں کا پیچھا کیا تو ان پر فائر کیے گئے، پانچ مسلم جوان، انکے ساتھ دو ہندو بھی گولیوں کا شکار ہو گئے۔ اودھمپور کے ساتھ ساتھ جموں کے دوسرے

علاقوں میں بھی جلسے اور جلوس کو تتر بتر کرنے کے لیے لاٹھی چارج کے علاوہ گولیوں کا آزادانہ استعمال کیا گیا، جگہ جگہ ٹکٹکی لگائی گئی اور مظاہرین کو پکڑ کر اُن کی کیننگ کی گئی۔

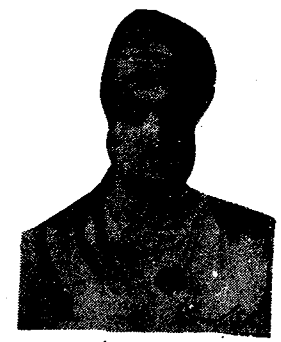
اودھمپور میں پانچ شہیدوں کو دفنانے کے لیے جلوس کی حفاظت عورتوں نے کرنے کا فیصلہ کر لیا اور مسلم خواتین نے جلوس کو اپنی تحویل میں نکال دیا ـــــ نواب خسرو جنگ کی ہدایت پر ڈوگرہ فوج کو چھاؤنی میں بھیجدیا گیا اور انگریز فوج نے سارے شہر کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا اودھم پور کی اس خونی واردات نے جموں کے مسلمانوں کو پھر مشتعل کر دیا۔ ایک بہت بڑا جلوس اُردو بازار جموں میں جمع ہو گیا۔ اور حکومت کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کرنے لگا یہ مظاہرے کئی دنوں تک جاری رہے۔ آہستہ آہستہ ان مظاہروں کا جوش ٹھنڈا پڑنے لگا، البتہ نومبر کے مہینے میں جب احراری لشکر جموں میں داخل ہو گیا تو یہاں سول نافرمانی کی تحریک شروع ہو گئی۔ سول نافرمانی کی تحریک کے سلسلے میں مسجد شیر شاہ میں ینگ مینز ایسوسی ایشن کی ہنگامی میٹنگ ہو رہی تھی کہ پولیس اور فوج کی نگرانی میں دس ہزار افراد پر مشتمل غیر مسلم ہجوم نے ان پر گھیرا ڈال دیا۔ شیخ عبدالحق نے صورت حال کا اندازہ کیا تو وہ مسجد کے گنبد پر چڑھ کر نقارے پر ضرب لگانے کے ساتھ ساتھ "جہاد، جہاد" پکارنے لگا۔

ینگ مینز ایسوسی ایشن کے ممبران باہر آئے تو انھوں نے دیکھا غیر مسلموں نے انھیں گھیر لیا ہے اور وہ حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ خلیفہ غلام پہلوان، سردار محمد سلیم خان اور انور خاں لاٹھیاں لے کر آگے بڑھے اور اندھا دھند لاٹھیاں برسا کر آگے بڑھے کئی لوگ اچانک اس وار سے زخمی ہو کر گر پڑے دوسرے لوگ ان واروں سے بچنے کے لیے پیچھے ہٹنے لگے ایک بھگدڑ سی مچ گئی جلوس درہم برہم ہوا، کسی کو بھی پتہ نہ چلا کہ کیا ہو رہا ہے بھاگ دوڑ میں کئی لوگ پاؤں تلے روندے گئے صرف تین آدمیوں نے دس ہزار کے قریب غیر مسلموں کو لاٹھیوں سے بھگا دیا۔ جموں کی تاریخ میں یہ ایک یادگار معرکہ تھا جس میں صرف تین مجاہدین نے دس ہزار لوگوں کو بھگا دیا۔ اتنے بڑے جمِّ غفیر کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر فوج مشتعل ہو گئی انھوں نے اندھا دھند فائرنگ کی پانچ آدمی موقع پر ڈھیر ہو گئے اور درجنوں زخمی ہو گئے اسی وقت شہر میں کرفیو نافذ کرنے کی منادی کرائی گئی جس کی وجہ سے مجاہدین کی نعشیں دو دن اور دو راتیں مسجد کے صحن میں بغیر کسی تجہیز و تکفین کے پڑی رہیں۔

اس معرکہ نے جہاں غیر مسلموں کو سخت بے دل و مایوس کر دیا اور وہ ہزیمت کھا کر

شرمسار ہوگئے وہاں مہاراجہ ہری سنگھ نے کسی ایسے دوسرے معرکے سے نپٹنے کے لئے برٹش سرکار سے فوجی مدد طلب کرلی، چنانچہ ۱۴ر نومبر کو فوج شہر میں داخل ہوگئی ڈوگرہ فوج واپس بارکوں میں چلی گئی۔

۱۵ر نومبر کو جنرل جنکنز کے حکم پر کرفیو دو گھنٹے کے لیے اُٹھا لیا گیا۔ مُسلمانوں نے تالاب کھٹیکاں سے پانچ شہیدوں کے جنازے اُٹھائے اور نمازِ جنازہ ادا کرکے انھیں قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔



مہاراجہ ہری سنگھ

پریشاں ہے ہر اک شاخِ سمن زنجیرِ سُنبل سے
چمن والو! چمن میں انقلاب ایسے بھی آتے ہیں

توہینِ مذہب اور توہینِ قرآن

جموں کی ینگ مینز ایسوسی ایشن نے جب مذہبی درسگاہ کو سیاسی پلیٹ فارم میں تبدیل کیا تو گورنر نے جموں کے بعض ڈوگروں کو استعمال میں لاکر یہاں کے مسلمانوں کو تنگ کرنے کا بیڑا اٹھایا اور ان کی دل آزاری کرنی شروع کی چنانچہ ۱۹ر اپریل ۱۹۳۱ء کو جو عید کا دن تھا میونسپل کمیٹی کی ایک پارک میں نمازِ عید ادا کی گئی —۔ نماز کے بعد امام صاحب نے خطبہ پڑھنا شروع کیا، امام منشی محمد اسحٰق خطبہ دے رہے تھے کہ ایک ڈوگرہ پولیس انسپکٹر باپو کھیم چند، ڈی، آئی، جی چوہدری رام چند کی ہدایت پر آگے بڑھا اور اس نے ترش لہجے میں امام صاحب سے تقریر بند کرنے کو کہا۔

پولیس آفیسر خطبہ کو عربی میں سیاسی تقریر سمجھ کر جو ناروا سلوک کر بیٹھا اسے دینی امور میں مداخلت قرار دیا گیا۔

مسلم حاضرین میں غیض وغضب کی لہر دوڑ گئی ۔ اس نامناسب اور نازیبا حرکت کے خلاف جموں شہر میں کئی اجتماعات ہوئے مذہبی امورات پر دخل اندازی پر حکومت کو آڑے ہاتھوں لیا گیا، اور اس حرکت کے خلاف جموں شہر میں کئی روز تک مظاہرے ہوتے رہے ۔ سرینگر میں جب اس کی اطلاع پہنچ گئی تو ریڈنگ روم کے عہدیداراور ممبران میں ایک اضطراب پیدا ہوگیا بعض احباب اس بارے میں غور وخوض کرنے لگے تاکہ اس کی آڑ میں ڈوگرہ راج کے خلاف عوام کے جذبات بھڑکائے جائیں، چونکہ جموں میں توہینِ مذہب کا معاملہ ٹھنڈا پڑچکا تھا اس لیے اس کو دوبارہ زندہ کرنا کچھ پیچیدہ لگ رہا تھا۔ البتہ جموں سے ایسا ہی کوئی دوسرا واقعہ وقوع پذیر کیئے جانے کا فیصلہ لیا گیا تاکہ اس واقعہ کو ہاتھوں ہاتھ لے کر ایجی ٹیشن شروع

کی جائے، کافی سوچ بچار کے بعد توہینِ قرآن کا واقعہ پھیلانے کا فیصلہ کر لیا گیا تاکہ مذہبی جذبات اُبھار کر لوگوں کو ڈوگرہ راج کے خلاف اُکسایا جا سکے۔

توہینِ مذہب کے بعد توہینِ قرآن کے بغیر اور کوئی واقعہ عوام کو بیدار کرنے کے لیے کارگر نہیں ہو سکتا تھا اس لیے توہینِ قرآن کا فیصلہ لیا گیا۔

چنانچہ محمد مقبول حکاک کو جموں روانہ کیا گیا۔ جس نے جموں میں عبدالمجید قرشی کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ ینگ مینز ایسوسی ایشن کے چند ارکان نے آپس میں مشورہ کر کے اس کام کے لیے ایک مسلمان کانسٹبل کو اعتماد میں لے لیا۔

توہینِ قرآن کے بارے میں جموں اور سرینگر میں پوسٹر چھپوا کر تیار کر کے رکھ لیے گئے جموں میں عبدالمجید قرشی نے اخبار "کرن" کے ایڈیٹر محمد شفیع چک کے پاس پوسٹر چھپوا کر رکھ دیئے اور ادھر سرینگر میں اس سلسلہ میں ہاتھ سے لکھ کر پوسٹر تیار کرائے جانے لگے۔

حسبِ پروگرام شیخ محمد اسماعیل کانسٹبل نے جموں کی پولیس لائن میں ہیڈ کانسٹبل لابھا رام کے ذریعے توہینِ قرآن کا واویلا کیا۔ جس روز توہینِ قرآن کا جموں شہر میں افشا ہوا، اس روز صبح سویرے محمد مقبول حکاک توہینِ قرآن سے متعلق پوسٹر لے کر سرینگر کی طرف روانہ ہو چکا تھا "اخبار کرن" کا ایک بنڈل بھی ان کے ساتھ تھا جس میں توہین قرآن کی تفصیل درج تھی۔

ڈوگرہ راج کے خلاف توہین قرآن کا یہ پری پلان بنانے اور اس کی آڑ میں تحریک شروع کرنے کے راز سے جموں اور سرینگر میں کل سات مسلم رہنما واقف تھے۔

توہینِ قرآن کے بارے میں ان حقایق کی تفصیل پروفیسر نورالدین کی ڈائری سے ملتی ہے۔ اس کے علاوہ شیخ عبداللہ نے مڈلٹن کمیشن کے سامنے مسلمانانِ کشمیر کی طرف سے شکایات کا جو دفتر کھولا۔ اس میں انھوں نے جموں میں عید کے خطبہ پر ایک ہندو پولیس آفیسر کے اعتراض کا ذکر کیا ہے جبکہ توہین قرآن کے بارے میں مکمل خاموشی سے کام لیا گیا۔ اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ جس وقت محمد مقبول حکاک جموں سے سرینگر کی طرف پوسٹر اور اخبارات لے کر آ رہا تھا اس وقت سرینگر میں غلام محمد گلکار نر پرستان کے گھر میں ہاتھ سے لکھ کر پوسٹر تیار کیے جا رہے تھے ان پوسٹروں کی تیاری میں غلام نبی گلکار۔ پیر یحیٰی رفیقی، مولوی عبدالرحیم، بشیر احمد اور نذیر احمد خاں لگے ہوئے تھے، جموں سے آئے ہوئے پوسٹر اور اخبار "کرن" کے پرچے ریڈنگ روم پہنچائے گئے اور سرینگر میں ہاتھ سے لکھے گئے پوسٹر لگوانے کے لیے غلام محمد گلکار اور نذیر احمد خاں

مقرر ہوئے۔

اسی دوران پوسٹروں کے بارے میں منشی اسداللہ وکیل نے راز افشا کیا جس کی وجہ سے ہاتھ سے لکھے گئے یہ پوسٹر لگتے ہی ہٹا دیئے۔ صرف چند پوسٹر گاؤکدل اور کرکر بازار میں بچ سکے۔

جموّں کے پوسٹر اور اخبارات لوگوں تک پہنچانے کے لیے صلاح مشورہ کیا گیا تاکہ انہیں ضبط ہونے سے بچایا جا سکے، پوسٹروں اور اخبارات کو چند آدمیوں میں بانٹ دیا گیا۔

شیخ عبدالصمد سکنہ فتحکدل نے حبہ کدل کے پاس ریشی صاحب کے آستانے سے گھنٹی اٹھالی اور ایک تانگہ کرایہ پر لیا، جس کو چھتہ بل کا نگہ شاہ چلا رہا تھا۔ تانگے پر بیٹھ کر اور گھنٹے پر ضرب لگا کر شیخ عبدالصمد لوگوں میں منادی (اعلان) کرا رہا تھا کہ توہین قرآن کے سلسلے میں ایک ہنگامی جلسے میں شرکت کے لیے لوگ جامع مسجد تشریف لے آئیں۔ اعلان کرنے کے دوران شیخ عبدالصمد پوسٹر اور اخبارات مجمع میں پھینکتا جا رہا تھا۔

اِدھر یہ اعلان ہو رہا تھا اور اُدھر مولوی عبداللہ وکیل کا گھریلو نوکر محمد اسماعیل دیواروں پر پوسٹر چسپاں کر رہا تھا۔ ڈوگرہ سپاہیوں نے ایک جگہ انھیں پوسٹر چسپاں کرتے دیکھا تو ان کی مار پیٹ کی گئی لیکن وہ مار کھاتا گیا اور پوسٹر لگاتا گیا۔ محمد اسماعیل کو ہتھکڑیاں پہنا کر زینہ کدل تھانے کی طرف لیا گیا راستے میں ان کے پیچھے پیچھے ایک جمّ غفیر جمع ہو گیا اور اس طرح وہ ایک جلوس کی صورت میں تھانہ زینہ کدل لایا گیا۔

جمّ غفیر کو دیکھ کر تھانیدار نے محمد اسماعیل کو سرزنش کر کے چھوڑ دیا۔ محمد اسماعیل کو لوگ جلوس کی صورت میں جامع مسجد لے آئے۔ محمد اسماعیل تحریک آزادی کا پہلا قیدی بن گیا۔ اُدھر عبدمنصور کے پاس "اخبار کرن" کے پرچے تانگے سے پھینک کر توہین قرآن کا واقعہ افشا کیا گیا۔ سارے شہر میں اضطراب اور سنسنی پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق جامع مسجد آنے لگے۔

اس وقت جبکہ لوگ جامع مسجد میں جمع ہو رہے تھے، شیخ محمد عبداللہ کو ریڈنگ روم میں پہلی بار عوام سے متعارف کرانے کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ قاری نورالدین شیخ محمد عبداللہ کو وہ قرآنی آیت یاد کرا رہے تھے جو وہ توہینِ قرآن کے سلسلے میں بلائے گئے اجتماع میں پڑھنے والے تھے قرآنی آیت یاد کرنے کے ساتھ ساتھ شیخ عبداللہ سے تقریر کرنے کی مشق بھی کرائی گئی۔

شیخ عبداللہ نے اسٹیج پر آ کر "اِنَّآ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ.." کی تلاوت کی

اور پھر رِقّت آمیز لہجے میں فرمایا:

"جب تک حکومت قرآن کریم کی توہین کرنے والوں کو سزا نہیں دے گی ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے اور جب تک مسلمانوں کو حقوق نہیں دیے جائیں گے تعلیم یافتہ مسلمان ایجی ٹیشن سے باز نہیں آئیں گے۔"

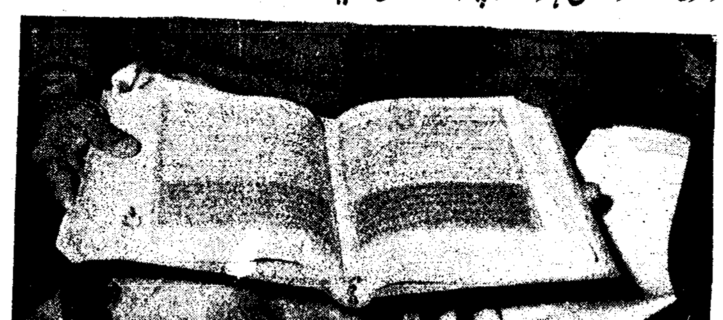
یہی وہ الفاظ تھے جن سے شیخ عبداللہ نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا اور وہ بہت جلد کشمیر کی سیاست پر حاوی ہو گئے ڈوگرہ شاہی کے خلاف یہ الزام سراسر جھوٹ پر مبنی تھا۔

شیخ عبداللہ کے اس فرمان پر لوگوں نے زور زور سے تالیاں بجا کر اُن کا استقبال کیا مولوی عبداللہ وکیل نے توہینِ قرآن کی پاداش میں ڈوگرہ شاہی سے ٹکر لینے، ہڑتال کرنے جلسے کرنے اور جلوس نکالنے کے لیے لوگوں کو اُکسایا۔

جلسہ ختم ہونے پر لوگوں کا جمّ غفیر نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، اسلام زندہ باد کے نعرے بلند کرتا ہوا آگے بڑھا۔

توہینِ قرآن کا یہ پلان بڑا کارگر ثابت ہوا، کیونکہ جموں اور سرینگر میں بیک وقت اسکے خلاف آواز اُٹھ گئی۔ جموں اور کشمیر میں لوگ ڈوگرہ راج کے خلاف میدانِ کارزار میں کود پڑے۔

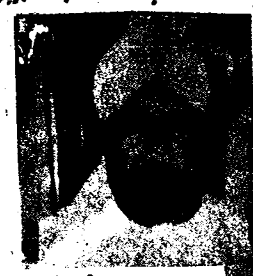
توہینِ قرآن کے اس واقعہ کے بارے میں تمام دستاویزات میں کسی جگہ بھی اس حقیقت کو آشکارا نہیں کیا گیا کہ یہ ڈوگرہ حکومت کے خلاف لوگوں کو اُکسانے کا ایک بنا بنایا پلان تھا اور اس کو بھی کسی کی طرف سے ضبطِ تحریر میں نہیں لایا گیا کہ، ویکفیلڈ کمیشن کے سامنے جب شیخ محمد اسماعیل کانسٹبل کو قرآن پر ہاتھ رکھ کر صاف صاف واقعہ بتانے کو کہا گیا تو انھوں نے اصل واقعہ بتا کر اپنے لیے نوکری سے ڈسمس ہونے کا پروانہ حاصل کر لیا۔



اس دہر میں اک چشمِ معتبر کی کمی ہے
ورنہ ہے کیا جو تیرے سراپا میں نہیں ہے

مولوی یوسف شاہ کا سیاست میں ورود اور عبدالقدیر کی شمولیت

مولوی محمد یوسف شاہ دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر واپس آئے تھے۔ ان کے ساتھ مولوی مبارک شاہ اندرابی، مولانا عبدالکبیر، مولوی محمدؐ یوسف وترھیلی بھی آئے تھے۔



مولوی یوسف شاہ

لوگ مولوی خاندان کے ایک زمانے سے گرویدہ تھے، وہ جہاں بھی جاتے لوگ انھیں سرآنکھوں پر بٹھاتے، مولوی خاندان عزّت و احترام کا ایک گہوارہ تھا۔

مولوی رسول صاحب، مولوی احمداللہ صاحب، مولوی عتیق اللہ صاحب اور مولوی یوسف صاحب کے لوگ گرویدہ تھے۔ مولوی خاندان وعظ خوانی کے ساتھ ساتھ لوگوں کو سیاسی طور پر بیدار کرنے میں پیش پیش رہا۔ چنانچہ جب مولوی یوسف شاہ دیوبند سے واپس آگئے انھوں نے مذہبی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ سیاسی سرگرمیاں شروع کیں، مولوی محمد یوسف شاہ نے شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں سُنا تو مفتی جلال الدین کے گھر میں ان دونوں کی مُلاقات ہو گئی یہیں پر مولوی صاحب نے شیخ عبداللہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر انہیں شاباشی دی۔

توہین قرآن کے سلسلے میں بُلائے گئے جلسے کے بعد جامع مسجد سرینگر سیاسی سرگرمیوں کا اہم مرکز بن گئی۔ مگر اس مسجد پر میرواعظ خاندان کا تسلّط تھا چنانچہ ان کا تعاون ضروری

سمجھا گیا۔ میر واعظ عتیق اللہ ان دنوں مشن ہسپتال درگجن میں زیرِ علاج تھے اور ان کی جگہ مولوی یوسف شاہ نائب میر واعظ کی حیثیت سے جامع مسجد میں وعظ فرماتے تھے۔ کئی مجاہدین نے جب مولوی یوسف شاہ سے رابطہ قائم کر کے انہیں جامع مسجد کو سیاسی پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرنے اور خود بھی اس معرکے میں کودنے کی درخواست کی تو مولوی یوسف شاہ نے انھیں اس سلسلے میں مولوی عتیق اللہ سے ملنے اور اُن کی اجازت حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ ان دنوں اسی ہسپتال میں غلام احمد عشائی صاحب اور دوسرے لوگ امیر شاہ کی خبر پرسی کے لیے جاتے تو وہ مولوی عتیق اللہ سے بھی ملاقات کرتے اور مولوی عتیق اللہ سے ملنے والے عشائی صاحبان سے بھی مل لیتے اس طرح مشن ہسپتال درگجن مذہب اور سیاست کا ایک رابطہ بن گیا، چنانچہ مولوی عتیق اللہ سے ان کی غیر موجودگی میں مولوی یوسف شاہ کو ڈوگرہ شاہی کے خلاف میدان جہاد میں اُترنے کی اجازت مانگی گئی۔

مولوی عتیق اللہ اس مسئلہ پر ابھی غور ہی کر رہے تھے کہ نوجوانوں کی ایک ٹولی جس کی قیادت شیخ عبدالصمد کر رہے تھے۔ مولوی عتیق اللہ سے ملاقاتی ہوئی اور انھوں نے مولوی یوسف شاہ کے میدان سیاست میں اُتر آنے کی اجازت حاصل کر لی۔

مولوی یوسف شاہ کے میدانِ سیاست میں اُترنے کا چرچا ہوا تو گورنر نے اپنے مشیروں سے مشورہ کر کے مولوی یوسف شاہ کو اس جماعت سے دور رکھنے کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ مرزا غلام مصطفیٰ، منشی اسد اللہ وکیل اور عبدالرحیم بانڈے کو مولوی عتیق اللہ اور مولوی یوسف شاہ کے پاس بھیج دیا گیا تاکہ وہ ان سیاسی لوگوں سے دور رہیں جو حکومت کی نظروں میں گمراہ ہو گئے تھے۔

ان تینوں اشخاص نے مولوی یوسف شاہ کو اپنے ساتھ مولوی عتیق اللہ کے پاس درگجن ہسپتال لیا اور جب مولوی عتیق اللہ کو ان اشخاص کی غرض وغایت معلوم ہوئی تو انھوں نے ان تینوں کو دوبارہ ان کے پاس نہ آنے کے لیے کہا اور ان کے سامنے مولوی محمد یوسف شاہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔

" خدا تمہیں قوم کی خدمت کرنے کی توفیق دے " دونوں مولوی صاحبان نے یک زبان ہو کر کہا، "آمین"۔— مولوی عتیق اللہ سے دُعا لے کر مولوی یوسف شاہ ریڈنگ روم گئے انھوں نے وہاں حاضرین کو مشورہ دیا کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کو اپنا لیڈر تسلیم کریں، چنانچہ جامع مسجد کے ایک اجتماع میں مولوی یوسف شاہ نے شیخ محمد عبداللہ کو لوگوں سے متعارف کرایا اور ان سے تاکید کی کہ وہ آج سے انھیں اپنا لیڈر تسلیم کریں اور ان کے نقش قدم پر چلیں۔

توہین قرآن کے سلسلے میں بلائے گئے جلسے کے بعد تقریروں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا ان کا

اہتمام مولوی عبدالرحیم غلام نبی گلکار، منشی نصیرالدین اور بشیر احمد کر رہے تھے۔ تقریروں کے ساتھ ساتھ تحریریں بھی منظرِ عام پر آنے لگیں، ڈوگرہ شاہی کے خلاف بیرونی اخبارات میں آئے دن آرٹیکل چھپنے لگے۔ اور اس کام میں کشمیری مسلم رہنماؤں کی مدد محمد دین فوق، غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک کر رہے تھے۔ ان حضرات نے کئی اخبارات کے ساتھ رابطہ قائم کر رکھا تھا اور وہ سرینگر و جموں سے ڈوگرہ راج کے خلاف جدّوجہد کی خبریں نمایاں طور پر شائع کرتے اور کرواتے تھے۔ اس سلسلے میں اخبار "الفضل" 'انقلاب' 'زمیندار' 'کشمیر' 'پاسبان'، 'کرن'، 'سیاست'، اور دوسرے اخبارات قابلِ ذکر ہیں۔

حکومت کے خلاف عوامی تحریک کا میجرایبٹ اور عبدالقدیر بغور مشاہدہ کر رہے تھے عبدالقدیر مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف اجتماعات میں برابر شریک ہو رہا تھا اور ان اجتماعات کی ساری رپورٹ میجرایبٹ کو پیش کیا کرتا تھا۔

ایک تپتی دوپہر میں میجرایبٹ اور سابقہ ریذیڈنٹ کشمیر مسن فلوز نامی شکارے جسے عزیز وانگنو اور اُس کا چھوٹا بھائی چلا رہا تھا۔ اس میں سوار ہو کر جھیل ڈل کی سیر کو نکلے ان کے ہمراہ عبدالقدیر بھی تھا۔ اتّفاق سے یہ جمعہ کا دن تھا اور حضرت بل میں مسلمانوں کا اجتماع ہو رہا تھا۔ عبدالقدیر نے میجرایبٹ سے کہا۔

"مجھے گھاٹ پر چھوڑا جائے تاکہ میں عبادت میں شامل ہو جاؤں"

میجرایبٹ نے انہیں عبادت کرنے کی اجازت دیدی اور جب عبدالقدیر درگاہ کے گھاٹ پر اُترا تو انھوں نے ہاتھ کھڑا کر کے عبدالقدیر سے کہا۔

" عبادت میں اپنے گاڈ سے دعا کرنا کہ وہ مظلوم کشمیریوں کو ظالم حکمرانوں سے نجات دے"۔ یہ ایک طرح کا اشارہ تھا اور اس بات نے عبدالقدیر کے دل میں احساس بیداری جگایا۔ عبدالقدیر ویسے بھی بڑا دردمند اور رحم دل کے ساتھ بڑا جوشیلا جوان تھا۔ میجرایبٹ کے مشن کی تکمیل میں انہوں نے نماز جمعہ کے بعد ایک مختصر سی تقریر کی لیکن جو پُر اثر اور جوشیلی تھی اس تقریر کے ساتھ ہی سارے شہر میں ان کا چرچا ہوا۔

حضرت بل کی اس تقریر کے بعد عبدالقدیر نے گرفتاری سے بچنے کے لیے اپنے کپڑے محمد امین فاروقی صاحب کے گھر میں بدل دیئے چنانچہ اُن کا کوٹ اب بھی یہاں موجود ہے۔ محمد امین فاروقی اور عبدالقدیر ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور اُن سے مشورے لینے لگے۔

اس نئی صورت حال کو دیکھ کر حکومت حرکت میں آگئی۔ ڈوگرہ حکمرانوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور اس نے اس کا تدارک کرنا شروع کیا۔

کشمیر کے گورنر رائے زادہ ترلوک چند نے معززین شہر جن میں مولوی عبداللہ وکیل مولوی مصطفےٰ خواجہ سعدالدین شال، منشی اسداللہ وکیل، غلام محی الدین کاؤسہ مولوی یوسف شاہ، میر مقبول گیلانی، عبدالرحیم بانڈے، مفتی شریف الدین اور غلام محی الدین گنگو شامل تھے۔ ان کو اپنے ہاں بلایا اور تنبیہہ کی کہ وہ تقریروں کا سلسلہ فوری طور پر بند کروائیں، انھوں نے حاضرین کو بتایا مہاراجہ بہادر نے توہین قرآن کے سلسلے میں ایک کمیشن مقرر کیا ہے جو واقعات کی انکوائری کر کے عنقریب اپنی رپورٹ پیش کرے گا اور اس کے بعد اس پر مناسب کارروائی کی جائے گی۔

گورنر کی اس تنبیہہ سے چند افراد ضرور گھبرا گئے اور انھوں نے ان جلسے جلوسوں سے نہ صرف لاتعلقی کا اظہار کیا بلکہ گورنر کو مشورہ دیا کہ جو کوئی آئندہ ایسا کرے گا ان کو گرفتار کر وا کر اس کی سزا دی جائے۔

حکومت نے توہین قرآن کی تحقیقات کرانے کے لیے مسٹر ویکفیلڈ کو جموں روانہ کیا، انھوں نے واپسی پر جو رپورٹ دی اس میں انھوں نے پولیس آفیسر کو توہین قرآن کے الزام سے بری کر دیا البتہ ان کی تیز مزاجی کے باعث ملازمت سے ریٹائر کرنے کی سفارش کی مسلم کانسٹبل کو جھوٹ کا اعتراف کرنے کی پاداش میں ملازمت سے برخاست کیا گیا۔

جموں میں توہین قرآن کی تحقیقات کرانے کے لیے مسٹر ویکفیلڈ نے جموں کے مسلم نمائندگان کے ساتھ مختلف امور پر تبادلۂ خیال کیا اور ان کو ہدایات دیں کہ وہ اپنی شکایات مہاراجہ بہادر کی خدمت میں پیش کریں چنانچہ مطالبات کا چارٹر مکمل کرنے کے لیے چار ممبر نامزد کیے گئے۔

(۱) چودھری عباس خاں (۲) مستری یعقوب علی (۳) سردار گوہر رحمان (۴) شیخ عبدالحمید۔ یہ چاروں ممبران سرینگر روانہ ہوگئے۔

جموں کے ان ممبران نے سرینگر آکر یہاں کے مسلم رہنماؤں کے ساتھ کئی ملاقاتیں کیں۔ اور فیصلہ لیا گیا کہ تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے مل جل کر کام کیا جائے۔

اسی دوران خانقاہ معلیٰ میں ایک جلسۂ عام کا اہتمام کیا گیا۔ اپنی نوعیت کا یہ پہلا عظیم الشان جلسہ تھا۔ اس میں مسلمانوں کے تمام فرقوں نے حصہ لیا، مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی خاصی تعداد میں شریک ہوئیں۔

اس اجتماع کے انتظام میں نوجوان سن رسیدہ بوڑھوں کے ساتھ کام کر رہے تھے۔

خانقاہ معلیٰ میں مولوی یوسف شاہ کی پہلی حاضری تھی۔ جب تمام ذی عزت اور سربرآوردہ مسلمان جلسہ میں پہنچ گئے۔ میرواعظ احمداللہ ہمدانی کے ساتھ مولوی عبداللہ وکیل اسٹیج پر آگئے تو شیخ محمد عبداللہ، مولوی یوسف شاہ کو ڈیوڑھی تک خوش آمدید کہنے آگئے۔ جب میرواعظ تشریف لائے تو حاضرین نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی مختصر تقریر میں فرمایا:۔

"مسلمان قوم بیدار ہو رہی ہے اور اپنے پیدائشی حقوق ڈھونڈ رہی ہے اس وقت موقع ہے کہ ہم آپس میں مل بیٹھ کر ایک دوسرے کی اعانت کریں یہی وجہ ہے کہ اس وقت نہ ہم حنفی، شیعہ، سُنّی، مرزائی، وہابی وغیرہ ہیں بلکہ ہم سب مسلمان ہیں ہم نے نفرت کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اس پاک زیارت میں حاضر ہوئے ہیں، میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کشمیری پنڈتوں سے کہتا ہوں کہ وہ بھی قوم کے حقوق حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے ہاتھ بٹائیں۔ وہ تعلیم یافتہ ہیں بیدار مغز ہیں اور وہ مسلمانوں کی بہتر رہبری کر سکتے ہیں۔"

شیخ عبداللہ کی تقریر کے بعد مولوی یوسف شاہ اپنے حریف مولوی عبداللہ وکیل کے ساتھ گلے مل گئے اور اعلان کر دیا کہ:

"چاہے آج تک ہم آپس میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان کچھ بھی رشتہ رہا ہو، اب آئندہ اسلام کا ننگ و ناموس بچانے اور اسلامیانِ کشمیر کو حقوق دلانے کی خاطر ہم آپس میں ایک ہو رہے ہیں اور مرتے دم تک ایک رہیں گے، وہ کافر اور بے ایمان ہے جو اس میں رخنہ ڈالے۔"

میرواعظ یوسف شاہ کے اس فرمان سے متفق ہو کر میرواعظ احمداللہ ہمدانی اور مولوی عبداللہ وکیل نے کھڑے ہو کر مولوی یوسف شاہ سے وفاداری اور خلوصِ دل کا اظہار کیا، اس کے بعد سات نمائندوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو آپس میں صلاح مشورہ سے مطالبات کا ایک چارٹر بنائے گی اور اسے مہاراجہ کی خدمت میں پیش کرے گی۔ وفد میں شامل اصحاب کے نام غلام احمد عشائی نے کھڑے ہو کر عوام کے سامنے پڑھ کر سنائے۔

(۱) خواجہ سعدالدین شال (۲) میرواعظ مولوی یوسف شاہ (۳) میرواعظ احمداللہ ہمدانی

(۴) آغا سید حسین جلالی (۵) خواجہ غلام احمد عشائی (۶) شیخ محمد اللہ (۷) منشی شہاب الدین جلسہ کے برخاست ہونے کے بعد معززین شہر، مولوی حضرات اور دوسرے اکابرین جب روانہ ہو گئے تو حاضرین میں سے ایک جوان کھڑا ہو گیا اور اسٹیج پر آکر ہندوؤں کے ساتھ ساتھ حکومت کے خلاف زہر اگلنے لگا۔

اس جوان نے حکومت کی غفلت شعاری اور فرقہ پرستی پر کڑی تنقید کی ان کی تقریر کا موضوع

" اسلام ظالم کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرنے کو کہتا ہے "

انھوں نے اجتماع سے مخاطب ہو کر فرمایا:

" لوگو -! وقت آگیا ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے، یادداشتوں اور گذارشوں سے ظلم وستم میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور نہ ہی توہینِ قرآن کا مسئلہ حل ہوگا۔ تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ اور ظالم کے خلاف لڑو ..... "

انھوں نے راج محل کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

" اس کی اینٹ، اینٹ سے بجا دو "

یہ جوان عبدالقدیر تھا۔ انھوں نے اس سے قبل کتنی بار شیخ عبداللہ سے ملاقات کر کے ان کے سامنے یہ تجویز رکھدی تھی کہ مسلمانوں کو اپنے حقوق دلانے کے لیے میں آپ لوگوں کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہتا ہوں مگر شیخ عبداللہ نے ان کی اس تجویز کے ساتھ اتفاق نہیں کیا تھا اور نہ ہی عوام کے سامنے انھیں تقریر کرنے کی اجازت دی تھی۔ شیخ صاحب کا کہنا تھا ایک غیر ریاستی باشندے کو اپنی تحریک میں شامل کرنا مناسب نہیں ہے۔

لیکن آج عبدالقدیر نے اپنے دل کی بھڑاس نکال ہی دی اور تحریک کو ایک ایسا موڑ دیا، جس کو رہتی دنیا تک دہرایا جائے گا۔

باب (۲)

ریاست کے خونین واقعات

بیکسوں کی آہیں مظلوموں کی چیخیں دردناک
ہر طرف سے سن رہے ہیں آج بھی ہم زیرِ خاک

جُز

صفحہ



میرواعظ مولوی محمد یوسف شاہ
جنہوں نے تحریک کو ایک نیا موڑ دیا



شیخ محمد عبداللہ
میدانِ سیاست میں اُترنے کے وقت

جن کو پالا خونِ دل سے ہم نے اے چرخِ کہن
خون کے دریا میں تو نے اُن کو غلطاں کر دیا

ریاست کے خونی واقعات

۱۹۳۱ء کا سانحہ

عبدالقدیر کے خلاف رنبیر پینل کوڈ کی دفعہ ۱۲۴ (الف) اور ۱۳۵ کے تحت بغاوت اور غداری کا مقدمہ دائر کیا گیا۔ سیشن جج کشن لال کچلو کی عدالت میں ان کا مقدمہ زیر سماعت تھا اور ان کی طرف سے مقدمہ کی پیروی مولوی عبداللہ وکیل پیر قمر الدین اور غلام محمد ایل ایل بی کرنے لگے۔

ابتدا میں مسلم رہنماؤں نے عبدالقدیر کے اس مقدمے سے لاتعلق رہنے کا فیصلہ کر لیا لیکن عام لوگوں کے جوش وجذبہ کو دیکھ کر انھوں نے اسے تحریک کے حق میں موڑنا شروع کیا۔ عبدالقدیر کی طرف سے ڈوگرہ شاہی کے خلاف جو چنگاری بھڑکی تھی غلام نبی گلکار نے اسے آگ میں بدلنے کی تجویز پیش کی جسے شیخ عبداللہ نے نامنظور کیا، اس مقدمہ بازی میں عوام کی دلچسپی کو مدِ نظر رکھ کر حکومت نے فیصلہ کر لیا کہ مقدمہ کی سماعت سینٹرل جیل کے احاطے میں ہوگی اس فیصلے سے لوگوں میں سخت تشویش بڑھ گئی۔

۱۲ر جولائی ۱۹۳۱ء کو گاؤکدل میں ایک بڑے عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے غلام نبی گلکار اور مولوی عبدالرحیم نے اس مقدمہ کو سینٹرل جیل میں منتقل کرنے پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور حکومت کو یہ فیصلہ واپس لینے کی وارننگ دی، اس جلسہ میں آخیر پر شیخ عبداللہ نے بھی لوگوں سے خطاب فرمایا، لیکن انھوں نے عبدالقدیر اور اس کے مقدمے کے بارے میں خاموشی اختیار کر لی۔

دوسرے روز ۱۳ر جولائی کو مقدمہ کی پیروی کے سلسلے میں مولوی عبداللہ وکیل پیر قمر الدین

اور غلام محمد احاطہ سینٹرل جیل پہنچے تو یہاں جیل سے باہر لوگوں کی خاصی بھیڑ جمع ہو گئی تھی۔ جو "نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، انصاف زندہ باد، عبدالقدیر زندہ باد" کے فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے۔ سیشن جج کشن لال کچلو کی کار جب سڑک سے آکر پھاٹک کے اندر داخل ہوئی تو قریباً ڈھائی سو اشخاص نعرے لگاتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ سیشن جج کے اصرار پر مولوی عبداللہ وکیل نے لوگوں کو احاطۂ عدالت سے باہر رہنے کی تلقین کی۔ لوگ بڑی مشکل سے باہر آئے۔ کئی معزز شہریوں نے یہاں پر نماز پڑھنے کے بعد پُرامن طور پر واپس اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے کا اقرار کر لیا۔ کوئی ایک بجے کے قریب نماز کے لیے صفیں درست ہونے لگیں، دوسری طرف ہنگامہ ہو گیا۔ کئی لوگ بضد تھے کہ انھیں مقدمے کی کارروائی سننے کے لیے اندر جانے کی اجازت دی جائے، آخر کافی لے دے کے بعد چند آدمیوں کو اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ اتنی بڑی بھیڑ میں چند لوگوں کا انتخاب افراتفری میں بدل گیا۔ اسی اثناء میں گورنر رائے زادہ ترلوک چند آگئے۔ جیل حکام نے ان سے پبلک کی مداخلت کی شکایت کی۔ گورنر نے پبلک پر ایک اُچٹتی نظر ڈال کر ان کا موڈ دیکھ لیا۔ تو انہیں غصہ آیا، انھوں نے سپاہیوں کو جیل کے گیٹ پر کھڑے لوگوں کو ہٹانے کو کہا، پولیس نے اندھا دھند طریقے سے لوگوں کو ہٹانا شروع کیا، بعض لوگوں نے گورنر سے اندر جانے کی اجازت مانگی، گورنر نے ان اشخاص کو گرفتار کرنے کا حکم دیا، سپاہی ان کو پکڑنے لگے تو ایک بھگدڑ مچ گئی۔ گورنر ترلوک چند نے جنرل ڈائر بن کر ہجوم پر گولی چلانے کا حکم دیدیا۔

پولیس جو گھات لگا کر بیٹھی تھی۔ اندھا دھند گولیاں برسانے لگی۔ آن کی آن میں گولیوں کی بارش ہو گئی، جیل کے گیٹ سے باہر سترہ آدمی ڈھیر ہو گئے۔ پانچ شدید زخمی ہو گئے جو فوری طور پر طبّی امداد نہ ملنے کی وجہ سے شہیدوں میں شامل ہو گئے۔ بیشتر شہداء کے سینوں کے بجائے ان کی کمر میں گولیاں لگی تھیں، جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اجتماع سے بھاگ رہے تھے۔

اس ساری صورت حال سے شیخ محمد عبداللہ بالکل بے خبر تھے، وہ اُس وقت نواب بازار پُل کے پاس ایک گھر میں بیٹھے تھے۔ وہ عبدالقدیر کے اس مسئلے میں اپنے آپ کو علیحدہ رکھے ہوئے تھے۔ انھوں نے لوگوں سے بھی تاکید کی تھی کہ وہ سینٹرل جیل نہ جائیں لیکن ان کی کسی نے ایک نہ سُنی۔ عبدالقدیر کا ساتھ دینے اور اسے اپنی تحریک کے لیے استعمال کرنے پر وہ اپنے چند ساتھیوں سے ناراض بھی تھے۔ جیل کے احاطے میں ۲۲ شہیدوں کے ساتھ درجنوں کی تعداد میں لوگ زخمی ہوئے، کشمیر کے اس جنرل ڈائر کی سفّاکی سے مشتعل ہو کر لوگ آپے سے

باہر ہو گئے انھوں نے دھاوا بول کر کئی سپاہیوں کو پکڑ کر پاؤں تلے روند ڈالا اور پولیس لائن کے گردوں سے ان لوگوں نے چارپائیاں اُٹھا لیں اور ان پر شہیدوں کے ساتھ زخمیوں کو بھی رکھ دیا، کئی لوگوں نے جا کر پولیس کوارٹر میں آگ لگا دی۔

شہیدوں اور زخمیوں کو لیکر ایک ماتمی جلوس شہر کی طرف روانہ ہو گیا، سارا شہر یہ خبر سنکر ماتم کدہ بن گیا۔ دوکانیں بند ہوئیں، کاروبار معطل ہو گیا۔ ٹریفک رُک گیا۔ لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ لوگوں کا ایک ہجوم شہیدوں کو جامع مسجد کی طرف لے جا رہا تھا کہ ملہ کھاہ کے پاس فوجیوں نے اس ہجوم کو روکا اور ان سے لاشوں کو چھین لینا چاہا، اس طرح ایک اور تصادم ہوا، اس تصادم میں فوجی کمانڈر نے دوراندیشی سے کام لے کر پیچھے ہٹنے میں ہی مصلحت سمجھی، جب جمِّ غفیر جامع مسجد پہنچا تو یہاں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ زخمیوں کو چارپائیوں پر لٹا کر لوگ انہیں مہاراج گنج ہسپتال لے جانے لگے۔ جب جلوس زینہ کدل اور مہاراج گنج کے بیچ پہنچ گیا تو مشتعل ہجوم نے دکانداروں کو دُکانیں بند کرنے کو کہا، مسلمانوں کی بیشتر دُکانیں پہلے ہی بند ہو چکی تھیں، باقی دُکانیں جلدی جلدی بند ہونے لگیں۔ اس علاقے میں پنجابی کھتریوں نے دُکانیں بند کرنے میں ہچکچاہٹ اور تساہل سے کام لیا۔ تو ان دکانوں پر دھاوا بول کر مال و اسباب باہر پھینک دیا گیا۔ کچھ مال لوٹ بھی لیا گیا کئی ہندوؤں کو پکڑ کر زدوکوب کیا گیا۔

اس لوٹ مار اور نامعقول حرکت کا جواز یہ پیش کیا گیا کہ ان ہندوؤں نے ماتمی جلوس کا تمسخر اُڑایا تھا۔

نواب بازار کے مکان پر جب شیخ عبداللہ کو اس ساری صورت حال سے آگاہ کیا گیا تو انھوں نے اس کی تصدیق کے لیے مولوی عبدالرحیم کو بھیجدیا۔ مولوی عبدالرحیم جب ہانپتے کانپتے آیا تو انھوں نے شیخ صاحب کو زینہ کدل مہاراج گنج اور بحبوری کدل کی لوٹ مار سے واقفیت کرائی دونوں فوراً زینہ کدل کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس دوران پولیس اور ملٹری زینہ کدل کے علاقے میں پہنچ چکی تھی اور بدلے کی کارروائی میں وہ مسلمانوں کو پکڑ کر مار پیٹ کر رہی تھی۔ مسلمانوں میں جو بھی ہاتھ لگا اسے گرفتار کر لیا گیا اور لوٹ کا مال برآمد کرنے کے لیے گھر گھر کی تلاشی لی گئی اس تلاشی کے دوران بہت سارے گھرانوں کا ان کا اپنا اثاثہ چھین لیا گیا۔ اس کارروائی میں کئی عورتوں کی آبرو ریزی بھی کی گئی۔

اُدھر شہیدوں کو جامع مسجد پہنچا یا گیا، خواجہ غلام احمد عشائی، سعدالدین شال اور مولوی یوسف شاہ لوگوں سے صبر کرنے کی تلقین کر رہے تھے۔ جامع مسجد کے اندر چاروں طرف آہ و زاری کا شور تھا۔ شہیدوں اور زخمیوں کے عزیز و اقارب ان کے اردگرد سینہ کوبی کر رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد شیخ عبداللہ اور دوسرے لیڈر جامع مسجد پہنچے تو یہاں کی صورت حال نے انہیں دم بخود کر دیا وہ دیوانہ وار آگے بڑھ کر ان شہیدوں کو دیکھ رہے تھے۔ شیخ عبداللہ اور ان کے دوسرے ساتھی جب ایک کے بعد ایک شہید کا معائنہ کرنے لگے تو ان کے عزیز و اقارب گریہ زاری سے ماحول کو ماتم زدہ بنا رہے تھے۔

بقول شیخ عبداللہ ایک شہید جو جانکنی کی حالت میں تھا، مجھ کو دیکھ کر نحیف آواز میں بولا:

"شیخ صاحب۔ ہم نے اپنا فرض ادا کیا، اب آپ کی ذمّہ داری ہے کہ آپ اپنا فرض پورا کریں ......"

یہ کہہ کر اس نے آخری ہچکی لی اور اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

شیخ صاحب نے اپنی سوانح حیات "آتش چنار" کو اسی شہید کے نام پر منسوب کیا ہے۔ اور اپنی اس کتاب میں شہید کے الفاظ بطور انتساب کے کچھ اس طرح پیش کئے ہیں گویا انھوں نے اس شہید کی وصیت کو ملیامیٹ کرنے کے بجائے اس کی لاج رکھ لی تھی۔

جامع مسجد میں آہ و بکا جاری تھی۔ شہیدوں کو دفنانے کے بارے میں صلاح مشورہ ہو رہا تھا کہ فوجی وردی میں ملبوس نواب خسرو جنگ آ گئے۔ یہاں کا ماحول دیکھ کر نواب صاحب سخت مغموم ہوئے اور حاضرین کو دلاسہ دینے لگے، اس وقت کسی نے بھی ان کی طرف خاص توجہ نہ دی، وہ واپس چلے گئے۔ رات گئے تک شہیدوں کو دفنانے کا کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا تو جامع مسجد کے چاروں دروازے بند کر دیتے گئے، تاکہ ڈوگرہ فوج رات کی تاریکی میں ان لاشوں کو اُٹھا نہ لے جائے۔ جوانوں کی ایک ایک ٹولی چاروں دروازوں پر پہرہ دینے کے لیے متعین کی گئی اور ایک جماعت کو لاشوں پر پہرہ دینے کی ذمّہ داری سونپی گئی۔

باہر ٹھاکر کرتار سنگھ نے پولیس کا پہرہ بٹھا دیا تھا اور اندر ان لاشوں کی نگرانی شیخ عبدالصمد، محمد مقبول حکاک، مولوی بشیر احمد اور علی محمد کے ساتھ دوسرے جوان کر رہے تھے۔ چاروں گیٹوں کی نگرانی میں راجہ محمد اکبر خاں، مفتی جلال الدین، غلام حیدر غوری، پیر حسام الدین گیلانی، منشی عبدالعزیز، سید محمد مقبول بیہقی، شیخ محمد اکبر، جلال الدین قریشی، ڈاکٹر عبدالواحد، عبدالعزیز شال

اور شیخ محمد امین وغیرہ کر رہے تھے۔

صبح سویرے علی محمد (بک سیلر) نے اذان دی تو لوگ جامع مسجد کی طرف آنے لگے لیکن اس مسجد کے سبھی دروازے بند تھے۔

اِس رات شہر کے بیشتر علاقوں میں صفِ ماتم بچھ گئی تھی، اکثر گھرانوں نے چولھا تک نہ جلایا تھا رات بھر جامع مسجد کے علاقے کے لوگ گھروں میں بیدار رہے۔

صبح کی نماز کی اذان ہوتے ہی ڈوگرہ فوج نے جامع مسجد کے چاروں طرف گھیرا ڈال دیا، جگہ جگہ مشین گنیں نصب کر دی گئیں۔

اس وقت ان سپاہیوں کی کمان ایک انگریز بریگیڈیر سدر لینڈ کر رہا تھا وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس گوپال تھاپا کے ہمراہ یہاں آیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ کئی سیاسی لیڈروں کے وارنٹ بھی تھے، پولیس آفیسر حکیم حبیب اللہ نے شیخ عبداللہ اور اُن کے دوسرے ساتھیوں کو پوشیدہ رہنے کی اطلاع پہنچا دی تھی، لیکن وہ گرفتاری سے نہیں بچ سکے۔

شیخ صاحب گرفتار کر کے بادامی باغ چھاؤنی کے کوارٹر گارڈ پہنچائے گئے تو اُن سے قبل ہی غلام نبی گلکار اور مولوی عبدالرّحیم کو لایا گیا تھا۔

رات کے دوران صوفی محمد اکبر بھی گرفتار کر لیئے گئے تھے۔ لیکن انہیں کہاں لے جا کر بند رکھا گیا تھا، اس کے بارے میں کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ ان کے علاوہ جموں کے نمائندے جو سرینگر میں موجود تھے، ان میں سے چوہدری غلام عباس خان، مستری یعقوب علی اور رگوہر رحمان کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔ شیخ صاحب کے سوا یہ سب کے سب ۱۳ جولائی کی رات کو ہی گرفتار کر لیے گئے تھے۔ ان اصحاب کی گرفتاری کے بعد غلام احمد عشائی، مولوی یوسف شاہ، سعدالدین شال، نور شاہ نقشبندی، ایم اے صابر، خواجہ غلام محی الدین ٹنکی، عبدالرّزاق کنگ، خواجہ سیف الدین گنائی، غلام احمد خان زورہ، محمد خلیل بانڈے، خواجہ امیر الدین، مختار احمد، محمد مقبول وٹالی، محمد یوسف کونٹل، عبدالغنی دلنہ، عبدالرحمان طوری، غلام نبی شال، علی محمد (بک سیلر) عبدالعزیز شورہ، حکیم عبدالحیٔ اور ماسٹر ولی محمد ملک اور دوسرے رہنماؤں نے شہیدوں کی تجہیز و تدفین کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ چنانچہ غور و خوض کے بعد ان کو درگاہ نقشبندیہ کے صحن میں دفن کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔ اور اس کی اجازت نواب خسرو جنگ سے لے لی گئی۔

مولوی یوسف شاہ نے فتویٰ دیا کہ ان شہیدوں کو جنگِ اُحد کے شہیدوں کی طرح سپردِ خاک

کیا جانا چاہیے، اس طرح خانقاہ نقشبندیہ کے صحن پاک کی طرف شہیدوں کو ایک جلوس کی صورت میں لیجایا گیا جلوس میں حاضرین نے ان کے خراج عقیدت میں یہ شعر نذرانہ کیے :

آج تو نے اے فلک کیا حشر ساماں کر دیا
اُمّتِ مرحوم کو بے جسم و جاں کر دیا
یہ اچانک حادثہ ظلم و ستم توڑا ہے کیوں
ملک کو ماتم کدہ اور اشک ریزاں کر دیا
جن کو پالا خونِ دل سے ہم نے اے چرخِ کہن
خون کے دریا میں تو نے ان کو غلطاں کر دیا
یورشِ ظلم و تعدّی کی نہیں تھی انتہا
تب کے آگے محشرِ اسلام قرباں کر دیا
گلشنِ کشمیر کے رنگین گلوں کو بے گناہ
آج کس بیدرد نے مٹی میں پنہاں کر دیا
مومنوں کی عورتیں بے آبرو کر دی گئیں
دشمنِ اسلام نے برپا یہ طوفاں کر دیا
خونِ مسلم سے ہوئے رنگین گلزارِ ارم
قوم کو نوحہ کناں اور چشم گریاں کر دیا
خونِ ناحق رنگ لائے گا شہیدوں کا ایک دن
حق نے بخشش سے تمہیں تو اہلِ رضواں کر دیا

شہدائے کشمیر کو مزار نقشبندیہ پہنچایا گیا تو یہاں پہلے ہی لوگوں کا ایک اژدھام جمع ہو چکا تھا۔ نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، اسلام زندہ باد، شہدائے کشمیر زندہ باد کے نعروں کے درمیان انہیں سپردِ خاک کیا گیا، شہیدوں کو قبروں میں اُتارا جا رہا تھا تو یہ المناک منظر واقعی مستقبل کی نشاندہی کر رہا تھا۔

سارا شہر ماتم کدہ بن گیا تھا لوگ جلوس کی صورت میں گریہ زاری کر رہے تھے۔ عورتیں سینہ کوبی کر رہی تھی، شیعہ طبقہ کے ساتھ وابستہ لوگ مرثیہ خوانی کر رہے تھے۔ ہر طرف اضطراب و انتشار کا عالم تھا۔ سارے شہر میں ایسا دردناک منظر تھا جیسا شہر باشوں کے ہر گھر

سے جنازہ نکلا تھا۔

حکومت کے ایوانوں میں سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی، فوج اور پولیس تمام اہم سڑکوں پر گشت کر رہی تھی، زینہ کدل مہاراج گنج اور بھوری کدل جہاں کئی ہندو دکانیں اور گھرانے لوٹ کا شکار ہو گئے تھے پولیس اور ملٹری جوانوں کی جوابی کارروائی سے مسلمان گھرانے روپوشی کے عالم میں تھے۔

لوٹ مار کی ان وارداتوں سے جو فرقہ وارانہ کشیدگی پھیل گئی تھی اس نے گمبھیر صورت اختیار کر لی، ہندوؤں کے علاقوں سے مسلمان جانے سے کترا رہے تھے اور مسلمان علاقوں میں ہندو جانے سے احتراز کرنے لگے۔ کئی علاقوں میں ان فسادات نے شدت اختیار کر لی اس دوران کئی ہندو اور مسلمان زخمی ہوئے۔

آثار تباہی و بربادی کی نشاندہی کر رہے تھے۔ ایک طرف شہیدوں کا ماتم دوسری طرف قومی لیڈروں کی گرفتاریاں اور اس پر ملٹری اور پولیس کا جور و ظلم بغاوت کا پیش خیمہ بن رہا تھا۔ چاروں طرف اس بغاوت کی چنگاریاں پھیل رہی تھیں۔

ڈوگرہ شاہی کی اس بربریت اس خون ناحق کی گونج جب دُور دُور تک پھیل گئی تو وادی کے قصبہ جات اور دیہات میں لوگ میدانِ جہاد میں کود پڑے۔

حالات آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگے تو سیاسی قیدیوں کی رہائی کا سلسلہ شروع ہو گیا ۱۴ر اگست ۱۹۳۱ء کو جولائی کا سانحہ "کشمیر ڈے" کے طور پر منایا گیا۔ اس روز لاہور، سیالکوٹ، امرتسر، پنجاب، دہلی، لکھنو کے ساتھ رنگون میں بھی جلوس نکالے گئے اور جلسے کئے گئے۔

سرینگر میں اس روز خانقاہ نقشبندیہ کے مزار پر عورتوں کا ایک ماتمی جلسہ ہوا۔ اس جلسے سے شیخ محمد عبداللہ، چودھری غلام عباس خان اور مستری یعقوب علی نے خطاب فرمایا۔ اس کے بعد جامع مسجد میں ایک اور جلسہ ہوا۔ شیخ صاحب نے تلاوت قرآن پاک کے بعد شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اس جلسے میں شہیدانِ کشمیر کے وارثین خاص طور پر ان کے بچے اور بچیاں لائی گئی تھیں۔ اسٹیج پر لاکر ان وارثین کو عوام سے متعارف کرانے کے دوران شہداء کے خونی کپڑے لہرائے گئے تو تمام مجمع زار و قطار رونے لگا، معصوم بچوں اور شہیدوں کے خونی کپڑے دیکھ کر جب اجتماع کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تو ایک کہرام سا مچ گیا۔

۱۲ر ستمبر کو شیخ محمد عبداللہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا تو سارا شہر احتجاج میں اُٹھ کھڑا ہوا، لوگ جوق در جوق جامع مسجد میں جمع ہونے لگے۔ لوگوں کے جمع ہوتے ہی ڈوگرہ فوج

دندناتی ہوئی یہاں آگئی، دیکھتے ہی دیکھتے ملٹری اور پولیس نے مسجد کے چاروں دروازوں پر پہرہ بٹھایا اس کے باوجود لوگوں کا تانتا بندھا رہا کوئی ۲۵ ہزار مسلمان یہاں جمع ہوگئے۔ لوگوں کے ہجوم پر رسالہ فوج نے گھوڑے دوڑائے تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک زبردست کھلبلی مچ گئی اور شور وغوغا بپا ہوگیا۔ مسجد کے اندر لوگ دروازوں کی طرف دوڑنے لگے یکایک فوج نے ڈنڈوں کے ساتھ گولیاں برسائیں، بھاگتا ہوا ہجوم ایک دوسرے پر گرنے لگا، مشرقی دروازے پر خون بہنے لگا تو ایک کہرام مچ گیا، اس معرکہ میں چار آدمی نصیرالدین چنکرال محلہ، رسول جو درگجن، اسد گلکار نرپرستان اور علی وانی چھتہ بل شہید ہوئے۔ کوئی ۱۹ آدمی زخمی ہوئے جن میں چند کی حالت تشویشناک تھی۔ اس خونی ڈرامہ کی کمان ٹھاکر کرتار سنگھ گورنر کشمیر کر رہا تھا اور مسٹر سدرلینڈ اڈ وائزر موقع کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس خونریزی کی اطلاع دور دور تک پھیل گئی تو کئی علاقے دنگا فساد کی زد میں آگئے۔ درگجن خانیار سونہ وار، مائسمہ، امیرا کدل اور سرائے بالا میں مظاہرین پر پولیس نے خوب ڈنڈے برسائے۔ مائسمہ میں عورتوں اور بچوں نے ایک علیحدہ جلوس نکالا تو رسالہ فوج نے اس جلوس پر گھوڑے دوڑائے جس سے کئی عورتیں اور بچے زخمی ہوگئے۔ بسنت باغ کے جلوس پر ملٹری نے فائرنگ کی جس سے تین آدمی موقع پر ہی ڈھیر ہوگئے۔ تین میں سے صرف ایک کی لاش حاصل کی جاسکی دو لاشیں ملٹری اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئی۔ مقتولین کو واپس کرنے کے لیے زوردار مطالبے ہوئے۔ مطالبے زور پکڑنے لگے تو ملٹری اور پولیس کے آفیسر جائے واردات پر آگئے۔

سارے شہر میں ہڑتال ہوگئی، مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں نے بھی ہڑتال میں بھرپور حصہ لیا۔ جلسے جلوس اور مظاہرے ہونے لگے۔



سنٹرل جیل سرینگر جہاں پر گولیاں چلائی گئیں۔



۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کے شہدائے کشمیر



۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو سری نگر سنٹرل جیل کے دروازے پر شخصی حکومت کی گولیوں کے شکار



بیکسوں کی آہیں مظلوموں کی چیخیں دردناک
ہر طرف سے سن رہے ہیں آج بھی ہم زیرِ خاک



یہ ہماری جاودانی زندگانی کے نشاں
چاند تاروں کی طرح روشن ہیں زیرِ آسماں

طومارِ حکایات سے آئے ہیں میرے ساتھ
جو خونِ شہیداں سے شفق رنگ تھے اوراق

ریاست کے اندرونی واقعات اور بیرونی پریس

وادیٔ کشمیر کے اطراف واکناف میں خونی واقعات کا بیرونی دُنیا میں خوب چرچا ہوا اور ہندوستان سے باہر انگلستان اور افریقہ میں بھی ڈوگرہ راج کے اس جور وستم کے خلاف آوازاُٹھنے لگی اور ہندوستان کے مسلم اور ہندو پریس نے اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے ان خونی واقعات پر تبصرے کیے، جہاں مسلم پریس نے کشمیر کی مسلم آبادی کے خلاف ڈوگرہ شاہی کے سخت ہاتھ کو روکنے اور قتل وغارت سے باز آنے کا مشورہ دیا، وہاں ہندو پریس نے ڈوگرہ حکمرانوں کو مسلمانوں کی شورش پر قابو پانے کے لیے سخت ہاتھ اٹھانے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا مشورہ دیا۔ مسلم پریس اور ہندو پریس ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی ایسے اداریئے لکھنے لگے جس سے ان کی ذہانت کا ثبوت آسانی سے فراہم ہوا اس سلسلے میں جو اخبارات پیش پیش رہے ان میں اخبار" انقلاب"، "مظلوم کشمیر" اور" زمیندار" مسلمانوں کی طرف داری کرنے لگے جبکہ" ملاپ" اور" پرتاپ" غیر مسلموں کے ساتھ ڈوگرہ حکمرانوں کی پیٹھ تھپتھپانے لگے۔ ملاحظہ ہو:۔

" ڈوگرہ شاہی کشمیری مظلومین پر جو ظلم وستم ڈھا رہی ہے اس سے مسلمانوں کی آنکھیں کُھل جانی چاہئیں، ارضِ گیتی کے اس خطّے پر رہنے والوں کی بے بسی اور مظلومیت کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا شاہی خاندان کے افراد اپنے راج محل میں عیش کوشی میں مصروف ہیں اور اُن کی بھولی اور بیمار رعایا بیکاری اور زمانے کے ظالمانہ پنجوں میں مَسل کر تڑپ تڑپ کر جان دے رہی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ان بے زبان انسانوں کی، جن کے ساتھ حیوانوں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے اُنہیں ظالم ڈوگروں سے نجات دلائی جائے۔"
(زمیندار ۲۳ جولائی ۱۹۳۱ء)

"کشمیری مسلمانوں کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کن ٹھگوں کے پنجے (مسلم رہنماؤں) میں پھنس گئے ہیں اور کس طرح اپنے مہاراجہ کے خلاف ایک بھاری سازش کے پُرزے بنے ہیں۔ حالات ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں، کشمیری مسلمانوں کو اب پرائشچت (کفارہ) کے طور پر اعلان کرنا چاہیے کہ وہ کسی قسم کے حقوق کا مطالبہ فی الحال نہیں کرتے، جن حالات میں وہ ہیں اسی حالت میں رہیں۔"

(ملاپ، ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء)

"مسلمانوں کے اکثر مطالبات دیگر ریاستوں کی مانند جائز اور شکایات بجا ہیں، وہاں جہالت عام ہے جگہ جگہ افلاس اور ناداری عام ہے حصولِ تعلیم اور اقتصادی ترقی کی سہولتیں محدود بلکہ مفقود ہیں کشمیریوں کو سیاسی حقوق حاصل نہیں مسلمانوں کا ایک بڑا مطالبہ یہ ہے کہ انھیں ملازمتوں میں کوئی حصّہ نہیں دیا جاتا، ہندوؤں کا ہر جگہ غلبہ ہے، ایسی شکایات اور ایسے مطالبات میں کسی کو بھی شک و شبہ نہیں ہوسکتا۔

(انقلاب، ۱۲ مارچ ۱۹۳۲ء)

"باغیوں کو ایسی سزائیں دی جائیں جو دوسروں کے لیے تازیانۂ عبرت ہو

حکومت نے گرفتاریوں کے سلسلے میں اس قدر فراخدلی سے کیوں کام لیا ہے سات ہزار حملہ آوروں میں سے صرف دو سو مسلمانوں کو پکڑا جانا کوئی خاص اثر نہیں کر سکتا، چاہیے تو یہ تھا کہ حکومت ان سات ہزار مسلمانوں کو گرفتار کر لیتی اور ان کے خلاف مقدمہ چلایا جاتا مگر ایسا نہیں کیا گیا جس کا مطلب ہے، ۶۸ سو مسلمان قانون کے ڈنڈے کی زد سے بچ جائیں گے اور مستقبل میں اسی قسم کی جرأت کر سکیں گے۔ ریاست میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں اس حالت میں مسلمانوں کو بغاوت کے لیے تیار ہو جانا ایک سازش کا نتیجہ ہے ضرورت ہے کہ اس سازش کا قلع قمع کیا جائے اور اس کے جو بیج اس وقت کشمیر میں پھوٹ رہے ہیں انہیں اُکھاڑ باہر پھینکا جائے۔"

("ملاپ" ۱۷ جولائی ۱۹۳۱ء)

"کشمیری مسلمانوں پر ڈوگرہ حکومت ظلم ڈھا رہی ہے، ضرورت اس بات کی ہے

کہ اس نازک وقت پر ان کی مدد کی جائے۔"

(انقلاب، ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

"کشمیر اس وقت سنکٹ میں ہے اس پر غلاموں نے شورش کر رکھی ہے۔"

(ملاپ، یکم اگست ۱۹۳۱ء)

"ہندوستان کے ہندو اگر ہندو ریاست کو بچانا چاہتے ہیں تو انہیں آرام طلبی کو چھوڑ کر جدوجہد کرنی ہوگی ورنہ بعد میں جمّوں و کشمیر کے ہندوؤں کے لیے آنسو بہانا بے سود ہوگا۔ وقت سے جاگو سنبھلو اور راکھشسوں کے جنگل میں پھنسی ہوئی سلطنت کو بچاؤ۔"

(ملاپ، یکم نومبر ۱۹۳۱ء)

"کشمیری پنڈتوں ڈوگروں اور دوسرے ہندوؤں کو اس وقت مل کر ایک راستہ اختیار کرنا چاہیے اور باہر کے ہندو لیڈروں سے مشورہ کر کے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنی ریاست کو محفوظ کر لینا چاہیے۔"

(ملاپ، ۴ نومبر ۱۹۳۱ء)

کٹّر مسلم اور ہندو پریس سے اس قسم کے تبصرے برسوں تک جاری رہے۔ ان تبصروں پر اگر تبصرہ کیا جائے تو صاف پتہ چلے گا جہاں مسلم پریس کشمیری مسلمانوں کو مظلوم سمجھتی تھی وہاں ہندو پریس انہیں غلام جانتا تھا، اور غلام قوم کا اپنے حقوق کے لیے لڑنا وہ نامناسب اور معیوب سمجھتے تھے۔ مسلم پریس کشمیری مسلمانوں کو انسان سمجھ کر انسانیت کے نام پر ان کی مدد کرنے کی اپیل کر رہا تھا۔ اس کے برعکس ہندو پریس انھیں راکھشس سمجھ کر تمام ہندوؤں کو ان راکھشسوں سے ڈوگرہ راج کو بچانے کے لیے اُکسا رہے تھے۔

مسلم کٹّر پریس مسلمان رہنماؤں کو مجاہدین کا درجہ دے کر ان کا حوصلہ بڑھا رہا تھا اور کٹّر ہندو پریس ان رہنماؤں کو ٹھگ سمجھ رہا تھا، اور ان ٹھگوں کے پنجوں سے ڈوگرہ راج کو بچانے کی تدابیر پر زور دے رہے تھے۔

مسلم پریس رہنماؤں کی گرفتاری پر احتجاج کر رہا تھا اور ہندو پریس اس بات پر نالاں تھا کہ سب کے سب مسلمانوں کو قیدی کیوں نہیں بنایا جا رہا ہے۔ ان کو ایسی سزائیں کیوں نہ دی جا رہی ہیں جس سے دوسرے عبرت لیں۔ مسلمانوں نے ڈوگرہ راج کے ظلم و ستم سے

تنگ آکر اپنے حقوق کے لیے جو آواز اٹھائی تھی وہ ہندوؤں کی نظر میں ایک بڑی غلطی، ایک بڑا قصور اور سب سے بڑا گناہ تھا اور وہ مسلمانوں کو اس کا کفارہ ادا کرنے کے لیے ڈوگرہ حکمرانوں سے معافی مانگنے کا سجھاؤ دے رہے تھے۔

مسلمان روٹی روزی مانگ رہے تھے اور ہندو ان سے کہہ رہے تھے تم جس حالت میں صدیوں سے رہتے آئے ہو اسی حالت میں رہو، یعنی تم جنم جنم کے غلام ہو اور تمہیں ہمیشہ غلام ہی رہنا ہے۔

کٹر مسلمان لیڈر کشمیری مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر اعلان کر رہے تھے کہ وقت آگیا ہے کہ ان بے زبان انسانوں جن کے ساتھ حیوانوں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے انہیں ظالم حکمرانوں سے نجات دلائی جائے۔

اس کے برعکس کٹر ہندو برملا کہہ رہے تھے، ڈوگرہ حکمراں اس وقت سنکٹ یعنی مشکلات میں گھری ہوئی ہے اس پر غلاموں نے شورش کر رکھی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ریاست سے باہر کے ہندو کشمیری مسلمانوں کو انسان نہیں بلکہ حیوان سمجھ رہے تھے وہ یہاں کے مسلمانوں کو پشتینی غلام سمجھ رہے تھے ان کی نظروں میں ریاست کے مسلمان راکھشس تھے۔ وہ ہندوستان بھر کے ہندوؤں کے ساتھ ساتھ کشمیری پنڈتوں اور جموں کے ڈوگروں کو انتباہ کر رہے تھے کہ وہ بیدار ہو کر اُٹھ جائیں اور ان غلاموں، حیوانوں اور راکھشسوں سے ڈوگرہ حکمران کو بچالیں کیوں کہ انھوں نے اس حکومت کے خلاف شورش بپا کر رکھی ہے۔

بیرونِ ریاست کے کٹر ہندو ریاست جموں و کشمیر میں بسنے والے پشتینی مسلمانوں کو بالکل غیر سمجھتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کشمیر، کشمیر میں بسنے والے مسلمانوں کی نہیں بلکہ ہماری جاگیر ہے جبھی تو وہ برملا کہہ رہے تھے:

"کشمیری پنڈتوں ڈوگروں اور دوسرے ہندوؤں کو اس وقت مل کر ایک راستہ اختیار کرنا چاہیے اور باہر کے ہندو لیڈروں سے مشورہ کر کے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنی ریاست کو محفوظ کر لینا چاہیئے"

بعض کٹر ہندوؤں کی اس ذہانت اور ان کے خیالات و نظریات کو ایک طرف رکھ کر دیکھا جائے تو ہندوستان بھر کے ہندوؤں کے نام جو اپیل کی گئی ——— اس اپیل کا خاطر خواہ نتیجہ ضرور برآمد ہوا۔ آج اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ انھوں نے جو کچھ بھی کہا وہ کر کے دکھایا، انھوں نے کشمیری مسلمانوں کو جو سمجھ رکھا تھا اس سے بڑھ کر اور کوئی رتبہ

نہیں دیا۔ انھوں نے کشمیری مسلمانوں کو غلام کہا تو کبھی اس دائرے سے ان کو نکلنے بھی نہیں دیا، انھوں نے اس ریاست کو یہاں کے باشندوں کے بجائے اپنی ریاست سمجھا تو اس پر بھی مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

انھوں نے کشمیر کے مسلم رہنماؤں کو ٹھگ سمجھا تو اس کو بھی حقیقت کے روپ میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔

انھوں نے یہاں کے مسلمانوں اور ان کے رہنماؤں کو راکھشس کہا تو اس کو بھی سچ ثابت کر کے دکھایا، تاریخ گواہ ہے کہ یہاں کے لوگوں نے اپنے لیڈروں کے ساتھ جو طور طریقہ اپنایا اور ان لیڈروں نے عوام کے ساتھ جو برتاؤ کیا ایسا تو راکھشس ہی کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔

ریاست میں مسلمانوں کی طرف سے تحریکِ حریت کا آغاز ہوا تو اس تحریک کے ساتھ بیرونِ ریاست کے مسلمانوں اور ہندوؤں نے خود کو وابستہ کیا۔ بیرونِ ریاست کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیڈر تحریکِ حریت کشمیر پر جن خیالات کا اظہار کر رہے تھے، ان کی اطلاعات یہاں کے مسلم رہنماؤں کو اخبارات کے ذریعے برابر مل رہی تھیں۔ ان اطلاعات سے یہ رہنما سیاہ اور سفید، سچ اور جھوٹ، کھرا اور کھوٹے کی پہچان کر کے اپنی منزل کا لائحہ عمل متعین کر سکتے تھے، وہ اپنے عمل سے ثابت کر کے دے سکتے تھے کہ نہ ہم ٹھگ ہیں اور نہ ہی راکھشس ہیں، وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کشمیر کشمیریوں کا ہے تمہارا نہیں وہ برملا اس کا اظہار بھی کر سکتے تھے کہ ہم غلام ضرور تھے لیکن اب غلام نہیں رہیں گے۔

مگر ہوا اس کے برعکس۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہم ٹھگ بھی بنے اور راکھشس بھی رہے ہم غلام تھے اور غلام ہی رہے ہاں اتنا ضرور ہوا کہ ہمیں ڈوگرہ حکمرانوں نے غلامی کی جو زنجیر پہنا دی تھی وہ زنجیر بدل دی گئی اور اس نئی غلامی کی زنجیر پر آزادی نام کا لیبل چپکا دیا گیا۔

اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ کبھی تحریک کی بارش سے ہم بھیگ جاتے ہیں تو گوند سے چپکا ہوا یہ لیبل اتر جاتا ہے، پھر دوسرا لیبل لگا دیا جاتا ہے۔ جب یہ بھی اتر جاتا ہے تو پھر نیا لگا دیا جاتا ہے۔

یہ سلسلہ تب سے اب تک برابر جاری ہے۔

ڈوگرہ پولیس



(ON CHAIRS LEFT-H.RITE) (1) MR. SAROP ANAND AS.P (2) MR. SHALAL (3) WAZIR MOHAMMAD KHAN S.P. (4) E.G.B. PEEL ESQR I.G.POLICE (5) W.H. ARCHBOLD ESQR. I.R (7) HAKIM HABIBULLAH. A.S.P. (BEHIND) INSPECTORS, SUBINSPECTORS

پابندِ سلاسل ہی سہی صاحبِ زنداں
ہے میری نظر تیز ابھی قلب و جگر چاک!

رہنمایانِ قوم کی گرفتاری اور اُس کی حشر سامانی

شہیدوں کو خراجِ عقیدت ادا کرنے کے لیے نواب بازار میں لوگ جمع ہوگئے۔ کسی نے فوجی ٹولی پر پتھر مارا۔ سپاہی مشتعل ہوگئے اور اجتماع پر ٹوٹ پڑے۔ گولی چلتے ہی پانچ آدمی موقع پر ڈھیر ہوگئے۔ کئی لوگ زخمی ہوئے اسی دوران شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کیے جانے کا اعلان کیا گیا۔ لوگوں کو منتشر کرنے کے لیے رسالہ فوج نے شہر میں پکٹنگ شروع کی، اس پکٹنگ سے خوف و ہراس پھیل گیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے تمام اسکول و کالج حتیٰ کہ پوسٹ آفس بھی بند ہوگئے۔

وِچار ناگ کے پاس لوگوں نے پولیس کے ساتھ دو بدو لڑائی کی، چند سپاہیوں سے بندوقیں چھین لی گئیں، سپاہیوں سے بندوقیں چھین لینا حکومت سے اقتدار چھین لینے کے برابر تھا چنانچہ گھر گھر کی تلاشی میں قہر کا سماں بندھ گیا۔ حساس علاقے کرفیو کی زد میں لے لیئے گئے۔ جہاں لوگوں کو کھڑکیوں سے بھی جھانکنے کی اجازت نہ تھی، شہر کے ساتھ ساتھ کئی دیہات اور قصبہ جات بھی ان حالات سے دوچار تھے۔ قصبات اور دیہات سے شہر آنا یا شہر سے ان علاقوں میں جانا ایک مشکل مسئلہ بن گیا۔

شہر اور دیہات میں کئی روز تک ہڑتال رہی۔

ہڑتال کھولنے کے لیئے حکومت کے تمام حربے ناکام بنا دیئے گئے، حکومت کی طرف سے زبردستی دکانیں کھولنے کی دھمکی بھی کام نہ آسکی۔

۱۳ جولائی سے ۲۶ جولائی تک سرینگر سے راولپنڈی اور سرینگر سے جموں کا ٹریفک بالکل معطل رہا۔ حکومت نے فسادات سے نمٹنے میں اگرچہ طاقت کا بھرپور استعمال کیا لیکن اسے کامیابی نہ مل سکی، سب سے زیادہ خطرناک صورتِ حال جو ہندو مسلم فسادات کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی اس نے حکومت کو لرزہ براندام کر دیا۔ کیونکہ دونوں فرقے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے لگ رہے تھے۔

جہاں مسلمانوں کو اپنی اکثریت کا زعم تھا وہاں غیر مسلموں کو اپنی حکومت کا گھمنڈ تھا۔ حکومت نے فسادات سے پیدا شدہ صورت حال کا جائزہ لے کر اس کا سدّ باب کرنے کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا جس کے لیے تین سرکاری ججوں کے ساتھ دو غیر سرکاری ممبر بھی نامزد کیے گئے۔ مسلم ممبران میں سے مولوی عبد اللہ وکیل کو نامزد کیا گیا انھوں نے ممبر بننے سے انکار کیا، اس کے بعد غلام احمد عشائی اور سعد الدین شال نامزد کیے گئے لیکن انھوں نے بھی تحقیقاتی کمیٹی میں شامل ہونے سے صاف انکار کیا، انھوں نے سیاسی قیدیوں کی رہائی تک حکومت کو کسی بھی قسم کا تعاون دینے کے بجائے حکومت کے خلاف منظم جد وجہد کرنے کا اعلان کر دیا۔

حکومت روز بروز کے مظاہروں ہڑتالوں اور جلسے جلوس سے تنگ آگئی تو زبردستی دوکانیں کھولنے، گاڑیاں چلانے اور کاروبار کو بحال کرنے کا فیصلہ کر کے احکامات جاری کیے گئے لیکن لوگوں نے مزاحمت جاری رکھی، اس کی پاداش میں کئی جگہوں پر تصادم ہوئے لاٹھی چارج ہوا لیکن ہڑتالیں نہ کھلنی تھیں نہ کھلیں۔

مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں اور بچے بھی جلوس نکال کر سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کر رہے تھے، حکومت کو شہ مل گئی کہ لوگ ہجوم کی صورت میں جیلوں پر یلغار کر کے سیاسی قیدیوں کو چھڑا لائیں گے چنانچہ پیش بندی کے طور پر ان قیدیوں کو بادامی باغ چھاؤنی سے نکال کر قلعہ ہاری پربت لے جا کر قید کر دیا گیا۔

ان قیدیوں کو رات کی تاریکی میں قلعہ ہاری پربت پہنچایا گیا تو یہاں کا ماحول دیکھ کر لگا شاید انھیں یہاں جان سے مارنے کے لیے لایا گیا۔ تنگ و تاریک کوٹھری میں جانے کے لیے شیخ صاحب سے کہا گیا تو وہ ہچکچائے ان کی ٹانگیں لرزنے لگیں اس موقع پر غلام نبی گلکار نے آگے بڑھ کر فرمایا۔

"پہلے میں جاؤں گا اگر مرنا ہی ہے تو پہلے میں جام شہادت نوش کروں گا۔"

غلام نبی گلکار اندر تاریک کوٹھری میں گھس گئے تو شیخ عبد اللہ کو ان کے پیچھے پیچھے آنے میں کوئی چارہ نہ لگا۔

اس قید تنہائی میں غلام نبی گلکار، سردار گوہر رحمان، مستری یعقوب علی، چودھری غلام عباس خاں، مولوی عبد الرحیم کو رکھا گیا۔

مسلم قائدین کی گرفتاری کا دور دور تک چرچا ہوا تو انڈین نیشنل کانگریس نے مولانا ابو الکلام آزاد اور کرنل ہکسر کو سرینگر روانہ کیا تاکہ وہ ان قومی لیڈروں کی رہائی کا انتظام کر سکیں، اس

دوران بیرونی ہندو پریس کی شدید مخالفت اور مسٹر پی، کے دائل کی چغلی کے کارن مسٹر ویکفیلڈ سے مہاراجہ ہری سنگھ نے استعفیٰ طلب کیا تھا اور ان کی جگہ راجہ ہری کرشن کول کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا تھا۔

مولانا آزاد اور مسٹر ہکسر دہلی سے سرینگر تشریف لائے تو وزیر اعظم کے ساتھ ملاقات کے دوران مسلم رہنماؤں کی رہائی کا مسئلہ زیر بحث آیا وزیر اعظم نے ان دونوں کانگریسی لیڈروں کے سامنے واضح کر دیا کہ اگر یہ لوگ اپنی حرکات سے باز آنے کا وعدہ کریں گے تو ان کو رہا کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

مولانا آزاد اور کرنل ہکسر انہیں بلا شرط رہا کرانا چاہتے تھے لیکن اس پر وزیر اعظم راضی نہ ہوئے ان ایّام کے بعض اخبارات اور دستاویزات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے، شیخ محمد عبد اللہ نے وزیر اعظم کو دو ٹوک جواب دیا کہ ہم نے کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا اور ہم آئندہ بھی تقریریں کرنے سے گریز نہیں کریں گے لہٰذا حکومت کی مرضی ہے کہ وہ ہمیں رہا کرے یا قید میں رکھے، خود شیخ عبد اللہ نے بھی کئی بار اس کا تذکرہ کرتے ہوئے واضح کر دیا ہے کہ ہم نے حکومت کا مطالبہ نامنظور کیا، جو کہ حقیقت سے بعید ہے۔

اصل میں وزیر اعظم کی شرائطِ رہائی سخت تھیں جن کا ماننا ان لیڈروں کی سیاسی خودکشی کے مترادف تھا، چنانچہ مولانا آزاد اور مسٹر ہکسر کی مداخلت سے شرائط نرم کر دی گئیں اور سیاسی قیدیوں کی طرف سے معافی نامہ مرتّب کیا گیا۔

۱۵ اگست کو ان لیڈرانِ قوم کو رہا کیا گیا تو شرائط اور پابندیوں سے بھرپور ایک سمجھوتہ حکومت کے ساتھ کیا گیا۔ سمجھوتہ کی دفعات حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) جو ایجی ٹیشن آج تک جاری تھی بالکل بند کر دی جائے گی، یعنی مساجد یا کسی مذہبی مقام پر عام جلسہ میں ایسی تقریر نہ کی جائے گی جس سے حکومت یا مہاراجہ بہادر کی رعایا کے کسی فرقہ کے خلاف جذبۂ نفرت پھیل جائے۔

(۲) جامع مسجد اور دیگر مساجد اور زیارتوں کے اندر یہ اعلان کیا جائے گا کہ ریاست کشمیر کی مسلم رعایا بیرونی عنصر سے اپنے کاموں کے متعلق اثر پذیر نہیں ہوگی اور وہ وفاداری میں اپنے حکمران ہز ہائینس کے لیے ثابت قدم ہے جس سے وہ اپنے جائز مطالبات پر ہمدردانہ غور کرنے کی پوری توقع رکھتی ہے۔

(۳) مسلم فرقہ کے ساتھ ہمدردی رکھنے والوں سے اپیل کی جائے گی کہ جب تک ان مطالبات کا جو وہ پیش کرنے والے ہیں فیصلہ نہیں ہوتا کوئی ایسی کارروائی نہ کی جائے جو اس پُرامن فضا کو خراب کرے جو مطالبات پر غور کرنے کے لیے ضروری ہے۔

(۴) اس سمجھوتہ سے عام قانون میں جو اس وقت تک نافذ ہے کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

(۵) اس سمجھوتے کے لیے ہم وزیر اعظم کی دریادلی کی قدر کرتے ہیں جو انھوں نے ہماری معروضات سننے میں دکھائی ہے۔ ہم ان کی ہمدردی کے مشکور ہیں۔"

اِس سمجھوتے پر جموں و کشمیر کے گیارہ نمائندگان کے دستخط ہوئے۔ صاف ظاہر ہے جو قید تنہائی میں وزیر اعظم ہری کرشن کول کو دو ٹوک جواب دینے اور اُن کی گیدڑ بھبکیوں سے نہ ڈرتے کا بڑی ڈھٹائی سے "تذکرہ کریں اور" آتشِ چنار" میں بڑے فخر سے تحریر کریں کہ ہم نے وزیر اعظم راجہ ہری کرشن کول کی بولتی بند کر کے ان کے سامنے تحریک زندہ رکھنے کے لیے اپنی طرف سے قربانیاں دینے کا اعلان کیا وہ اس قسم کا سمجھوتہ ہرگز نہیں کر سکتے اگر دیکھا جائے تو یہ سمجھوتہ کبھی نہیں بلکہ ڈوگرہ حکمرانوں کے سامنے سجدۂ سہو ہے۔ یہ ایک ایسا معافی نامہ ہے جس میں کان پکڑی کا عکس صاف دکھائی دیتا ہے۔

اس معافی نامہ کے مشتہر ہوتے ہی جب مسلم رہنماؤں کو عوام کی طرف سے پھٹکار پڑ گئی۔ تو انھوں نے حکومت کے خلاف پھر بولنا شروع کیا چنانچہ وزیر اعظم راجہ ہری کرشن کول کی طرف سے ۲۱ ستمبر کو شیخ عبداللہ کے نام وارنٹ گرفتاری جاری ہوا۔ اس گرفتاری سے لوگوں میں غم و غصّہ پیدا ہوا، لوگ جوق در جوق جامع مسجد میں جمع ہوئے اور یہاں سے جلوس کی صورت میں نکل کھڑے ہوئے۔ پولیس نے انھیں روکنے کے لیے لاٹھی چارج کیا، جب ہجوم لاٹھی چارج سے مشتعل ہوا تو ان پر گولیاں چلائی گئیں، تین آدمی موقع پر ہی ہلاک ہوگئے اور ایک درجن کے قریب زخمی ہوئے۔

اس خونِ ناحق کی اطلاع دور دور تک پھیل گئی، مائسیمہ میں لوگ سڑکوں پر نکل آئے مَردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں نے بھی مظاہرہ کیا۔ یہاں بھی لوگوں کو منتشر کرنے کے لیے گولی چلائی گئی ۲ دو آدمی موقع پر ہی مر گئے اور دو عورتوں سمیت کئی لوگ زخمی ہو گئے۔ اگلے روز ۲۲ ستمبر کو جامع مسجد میں ایک بہت بڑا اجتماع ہوا، یہ لوگ حکومت کے خلاف مظاہرہ کرنے کے لیے جلوس کی صورت میں نکلے، جلوس میں پچھلے ۲ دو دنوں کے شہیدوں کے جنازے لے کر حکومت کے خلاف زبردست احتجاج کیا گیا۔ بعد میں شہداء کو مزارِ شہداء پر لے جا کر دفنایا گیا۔

شہداء کو دفنانے کے بعد اجتماع سے مولانا محمد یوسف شاہ نے ڈوگرہ راج کے خلاف جہاد کا فتوی دیا۔

محمد امین فاروقی اور مولوی عبدالرحیم نے وار کونسل کا اعلان کیا۔

"ڈوگرہ شاہی کے خلاف اس جہاد کی تعمیل میں ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء کو مسلمانانِ سرینگر اور آس پاس کے علاقوں سے لوگ ٹولیوں کی صورت میں کلہاڑیاں، بیلچے، ٹنگرو، اور لاٹھیاں لے کر خانیار کی طرف روانہ ہو گئے۔ بعض لوگوں کے ہاتھوں میں شکاری بندوقیں بھی تھیں۔

شالیمار سے سید میرک شاہ کاشانی گھوڑے پر سوار اور ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔ بٹہ مالنہ سے خواجہ احمداللہ قرّہ ہزاروں افراد جو ہلکے پھلکے ہتھیاروں سے لیس تھے۔ اِن کی قیادت کرتے ہوئے خانیار کی طرف چل پڑے۔ چند گھنٹوں میں خانیار کے آستانے کے گرد پچاس ہزار افراد جمع ہو گئے۔ ان میں ہانجیوں کی وہ پلٹن بھی تھی۔ جن کے ہاتھوں میں" نارژ" تھے (نارژ پانی میں مچھلیوں کو درندگی سے مارنے کا آلہ ہے) بعد میں اس پلٹن کو نارژ پلٹن کے نام سے یاد کیا گیا۔

یہاں خانیار کے آستانے پر لوگ جوق در جوق آکر جمع ہو رہے تھے اور اُدھر ایک درجن جیالے جوانوں کو سعدالدین شال کے باغیچے میں سپاہیوں سے رائفلیں چھین لینے کی تربیت دی جا رہی تھی۔

سرکاری عہدیدار مہاراجہ ہری سنگھ اور وزیر اعظم راجہ ہری کرشن کول کو تمام حالات سے باخبر رکھنے میں لگے ہوئے تھے۔ جوشیلے مظاہرین کی تصویریں اُتار کر مہاراجہ کو دکھائی جا رہی تھیں۔ چنانچہ ایک ہنگامی کیبنٹ میٹنگ بلائی گئی اور فیصلہ کیا گیا کہ فوجوں کو واپس بارکوں میں بلایا جائے۔ نواب خسرو جنگ، صاحبزادہ نورالدین، خواجہ سلام شاہ کو برگیڈیر سدر لینڈ کے ہمراہ مسلم رہنماؤں کے ساتھ بات چیت کے لئے روانہ کیا گیا تاکہ امن کا ماحول پیدا کیا جا سکے۔

ان اصحاب نے مسلم رہنماؤں کو مہاراجہ بہادر کے پاس شکایات پیش کرنے پر آمادہ کیا چنانچہ مولوی محمد یوسف شاہ، سعدالدین شال اور مولوی عبداللہ وکیل مہاراجہ کے پاس پیش ہوئے۔ یہاں ۲ دو گھنٹے تک انتظار کرانے کے بعد مہاراجہ ننگے سر ہاتھ میں بھری پستول لئے غضبناک ہو کر حاضر ہوئے اور بڑی بدسلوکی کے ساتھ ان رہنماؤں سے پیش آئے۔

جب یہ نمائندے مشتعل عوام کے سامنے حاضر ہوئے تو انھوں نے اپنی بے عزتی اور مہاراجہ

کی دھمکیوں کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ مہاراجہ عوام کی شکایات دور کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے انھیں امن کے ماحول کی ضرورت ہے۔

ایسا سُنکر لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ بعد میں ان اصحاب نے غلط بیانی کا اعتراف کیا تاکہ عوام مشتعل ہوکر تصادم پر اُتر نہ آئیں اور تین سو مسلح فوجوں کے ساتھ مقابلہ آرائی میں لوگ مارے نہ جائیں۔

مُسلم رہنماؤں کو اپنے محل سے بے عزّت کر کے جانے کے ساتھ ہی مہاراجہ کے حکم سے تمام شہر میں فوج پھیلا دی گئی۔ عام شاہراہوں اور چوکوں پر مشین گنیں نصب کی گئیں۔ سڑکوں پر گشت کرنے والی فوج کے ہاتھ میں لال اور پیلے رنگ کے جھنڈے تھے۔

شہر میں ایسی راہوں پر کوئی مسلمان گزرتا اسے جھنڈے کو سلام کرنے اور " مہاراجہ بہادر کی جے " کا نعرہ دینے پر مجبور کیا جاتا۔ جو ایسا نہ کرتا اُسے کوڑے لگائے جاتے اور قید کر لیا جاتا۔ سرینگر میں کوڑے لگانے کے چار سینٹر قائم کئے گئے۔

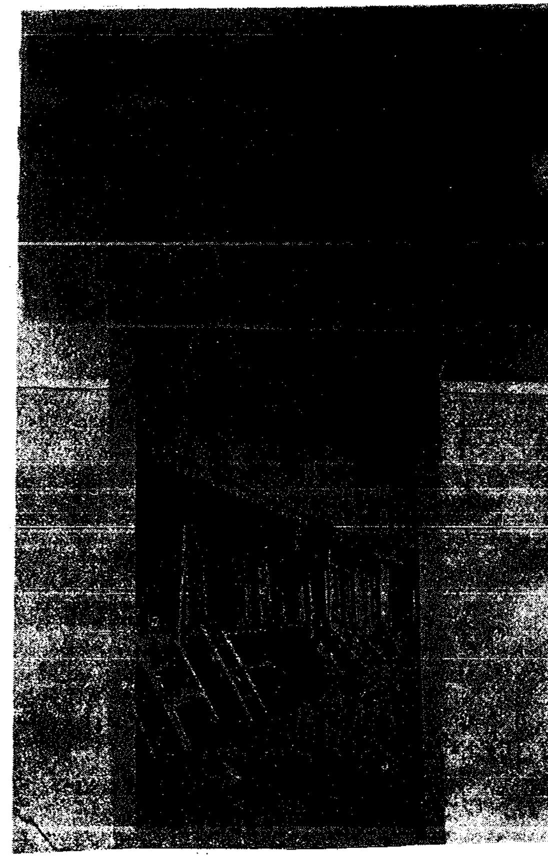
ایک سینٹرل جیل میں، دوسرا مہاراج گنج پولیس اسٹیشن پر، تیسرا کوٹھی باغ پولیس اسٹیشن اور چوتھا نمائش گاہ میں لگایا گیا۔

سب سے پہلے کھلے عام جن اشخاص کو کوڑے لگائے گئے ان میں خواجہ غلام محی الدین ہمدانی حاجی محمد سبحان، صدرالدین بٹرھ (مجاہد) محمد یوسف قریشی اور غلام محمد بانڈے، للّہ جان، مفتی قوام الدین، محمد سکندر خان، عبداللہ لون، حبیب اللہ زرگر، غلام قادر کپرہ، عبدالعزیز نقاش، غلام رسول راتھر، غلام احمد تیلی، محمد یاسین، غلام مصطفٰے بانڈے، غلام حسن بٹرھ، غلام نبی وانی اور محمد امین قریشی قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ دراز ہو گیا۔



تحریکِ حُریّتِ کشمیر کے اولین مجاہد اور اسیرانِ قلعہٴ ہاری پربت (١٤ رجولائی ١٩٣١ء)
(دائیں سے بائیں) سردار گوہر رحمٰن (جموّں) مستری یعقوب علی (جموں) شیخ محمد عبداللہ، چودھری غلام عباس خان

(اِستادہ) مولوی عبدالرحیم، خواجہ غلام نبی گلکار۔



اوپر : جولائی ۱۹۳۱ء کے حادثہ کے موقع پر جامع مسجد پر ڈوگرہ سپاہیوں کا گھیراؤ

نیچے : جولائی ۱۹۳۱ء کے حادثہ پر ہڑتال کا ایک منظر

گلشنِ کشمیر کے رنگیں گلوں کو بے گناہ
آج کس بے درد نے مٹی میں پنہاں کر دیا

سرینگر میں مارشل لاء کا نفاذ
بیرونِ شہر فسادات

سرینگر میں شورش کو دبانے کے لئے مارشل لاء نافذ کیا گیا۔ برما آرڈی نینس آف ۱۸۱۸ء کے مطابق نوٹیفکیشن ۱۹، ایل کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔ ملٹری اور پولیس کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ کسی اطلاع یا وارنٹ کے بغیر کسی بھی ایسے شخص کو گرفتار کر سکتے ہیں جو امن میں خلل پیدا کرتا ہو۔ گورنمنٹ کو یہ اختیار حاصل ہو گیا۔ وہ کسی بھی عمارت یا زمین کو اپنی تحویل میں لے سکتی ہے۔ کسی بھی قسم کی شورش کرنے والوں کے لئے کڑی سے کڑی سزا دینے کا اختیار حاصل کر لیا گیا۔ اس آرڈر کے نافذ ہوتے ہی بے شمار لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ مارشل لاء کے نفاذ سے شہر سرینگر میں دہشت پھیل گئی لیکن قصبہ جات اور دیہات میں ایجی ٹیشن برابر جاری رہی۔

قصبہ اسلام آباد میں ہڑتال کھولنے کے لئے پولیس اور ملٹری نے بڑی زور زبردستی کی لیکن اس میں اُسے ناکامی ہوئی۔ مظاہرین پر قابو پانے کیلئے لاٹھی سے کام نہ چلا تو روکناتھ مٹو کے حکم سے گولی چلانے کا حکم دیا گیا۔ آڈر پاتے ہی ملٹری نے فائرنگ شروع کی اور ۲۵، آدمی دیکھتے ہی دیکھتے ڈھیر ہو گئے۔ ان میں سے تین آدمیوں کی شناخت نہ ہو سکی۔

۲۳ ستمبر کو شوپیان میں ایک مسلمان فقیر کو نعرے لگانے کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا۔ ۲۶ ستمبر کو جمعہ کے روز جامع مسجد کے احاطے میں اس فقیر کی رہائی کے لئے احتجاجی جلسہ ہوا، نماز کے بعد لوگ جلوس کی صورت میں سڑکوں پر نکل آئے۔ پولیس نے ان پر ڈنڈے برسائے۔ جب اس سے ہجوم منتشر نہ ہوا تو گولیاں چلائی گئیں۔ فائرنگ سے چند افراد ہلاک ہوئے اور دیگر کئی زخمی ہوئے۔ اجتماع منتشر ہوا لیکن کچھ دیر بعد لوگ جمع ہو کر پھر مظاہرہ کرنے لگے اور ان مظاہرین نے تھانے پر حملہ کیا۔ پکڑ دھکڑ میں ایک سپاہی پاؤں تلے روندھا گیا کہ

وہ دم توڑ گیا۔ سپاہی کو اس طرح بے رحمی سے مارنے کے لئے لوگوں کی گرفتاری شروع ہو گئی۔ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر قاتلوں کی شناخت کرائی گئی۔ جب اس طرح مقصد پورا نہ ہوا تو لوگوں کو گھروں سے گھسیٹتے ہوئے نکالا گیا۔ گھروں میں گھس کر سپاہیوں نے نہ صرف قیمتی اثاثہ لوٹا بلکہ کئی عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ کئی جوان لڑکیوں کی عصمت بھی لوٹی گئی۔

شوپیان کی آگ پلوامہ پہنچ گئی تو یہاں بھی ملٹری اور پولیس کے ساتھ لوگوں کی دوبدو لڑائی ہوئی۔ مظاہرین پر لاٹھیوں کا بے دردانہ استعمال ہوا۔ اس کے بعد گولیوں سے کئی لوگوں کو بھون ڈالا گیا۔ پلوامہ میں لوگوں کے ہجوم نے بہت سارے سپاہیوں کو پتھراؤ سے لہولہان کر دیا۔ اس کی پاداش میں اس علاقہ میں گرفتار شدہ افراد کے ساتھ تھانوں میں وحشیانہ سلوک کیا گیا۔ پلوامہ میں بھی کئی عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔

پلوامہ میں کشیدگی کئی دنوں تک جاری رہی۔

بجبہاڑہ میں فسادات کی نوعیت اگرچہ زیادہ نہیں رہی لیکن یہاں کے لوگوں نے ڈوگرہ فوج کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

بارہمولہ میں پولیس اور عوام کے درمیان باضابطہ لڑائی ہوئی۔ یہاں ہجوم پر قابو پانے کے لئے پولیس نے بے تحاشا لاٹھی چارج کیا لیکن جب حالات قابو سے باہر ہو گئے تو سپاہیوں نے گولیاں چلائیں، تین آدمی موقع پر ہی ہلاک ہوئے۔

ایک جوان خوبرو عورت فرشئری بیوہ رزاق بہرو جو یہاں زنانہ تحریک کی سرکردہ رہنما تھیں۔ اس نے پولیس انسپکٹر کے منہ پر نزدیک سے کانگڑی دے ماری۔ جس سے نہ صرف اس کا چہرہ زخمی ہوا بلکہ آگ سے جھلس بھی گیا۔ انسپکٹر نے اپنے ہی پستول سے گولی چلا کر فرشئری کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔

بارہمولہ کی یہ آگ سوپور پہنچ گئی تو لوگ چوک میں جمع ہو گئے اور حکومت کے خلاف مظاہرہ کرنے لگے۔ لوگوں کا ہجوم مظاہرہ کرتا ہوا جلوس کی صورت میں نکل پڑا تو ڈوگرہ فوج نے ان کا راستہ روک دیا۔ مشتعل ہجوم نے سپاہیوں پر پتھراؤ کیا۔ اس کے جواب میں سپاہیوں نے اندھا دھند گولیاں چلائیں، موقع پر ہی پانچ آدمی ہلاک ہوئے اور زخمیوں کی تعداد ۱۵' تک پہنچ گئی۔

سوپور سے نکل کر یہ خونی آندھی ہندوارہ جا پہنچی۔ یہاں بھی لوگوں نے سپاہیوں

پر پتھراؤ کیا اور بدلے میں گولیاں کھائیں، ہندوارہ کے متصل علاقے بھی فسادات کے دوران خونی واقعات کے شکار ہو گئے۔

فسادات کی یہ آگ کم و بیش ساری وادی میں پھیل گئی۔ ان فسادات میں بے شمار لوگ مارے گئے اور ان گنت لوگ زخمی کر دئے گئے۔ ہزاروں روپے کا مال و جائیداد لوٹ لیا گیا اور ضائع کر دیا گیا۔ درجنوں عورتوں کی بے حرمتی کی گئی اور کتنی ہی کنواری لڑکیوں کی عصمت داغدار کی گئی۔ جیلوں اور زندانوں میں بھرنے والوں کی تعداد تو ہزاروں تک جا پہنچی۔

۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء سے وادی کشمیر میں لوگوں نے جام شہادت نوش کرنا شروع کیا جو ڈوگرہ شاہی کے خاتمہ تک برابر جاری رہا۔ ان جام شہادت نوش کرنے والوں کی صحیح تعداد معلوم کرنا قدرے دشوار مرحلہ ہے۔ اپنے پرانے ریکارڈ کے ساتھ ساتھ شہدائے کشمیر کا نام و پتہ دریافت کرنے میں مجھے گلینسی کمیشن کی رپورٹ، محمد یوسف صراف کی کتاب " فریڈم مومنٹ اِن کشمیر"، عبدالصمد وانی کے اخبار "کشمیر" اور "تحریک حریت کشمیر" مصنف رشید تاثیر نے جو میری رہنمائی کی اس کی بدولت میں بیشتر شہدائے کشمیر کے نام و پتہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ مجھے یہ کہنے میں ہرگز کوئی عار نہیں کہ اسلام آباد، پلوامہ، بارہمولہ سرینگر ہندوارہ میں کئی ایسے لوگ بھی شہیدوں میں شامل ہو گئے جن کا کردار دغدار تھا۔ جو لوٹ مار کے دوران گولیوں کے نشانہ بن گئے اور شہیدوں میں شامل ہو گئے۔ بہرحال جو نام ہمیں دستیاب ہوئے حسب ذیل ہیں :-

نام	ولدیت	عمر	سکونت
غلام محمد حلوائی	رحمان حلوائی	۳۲ سال	ملک صاحب
عبدالخالق شورہ	سلام شورہ	۵۰ "	اندیمر خانیار
محمد اکبر	فقیر محمد	۴۸ "	ذالڈگر
امیر جو جندہ گرو	صمد جو جندہ گرو	۳۶ "	گوجوارہ
غلام نبی کلوال	عبداللہ کلوال	۳۰ "	نوہٹہ
غلام محمد صوفی	رزاق صوفی	۲۱ "	خانیار
غلام قادر خان	عبداللہ خان	۲۶ "	بہاولدین صاحب
غلام احمد نقاش	سلطان نقاش	۳۲ "	کادی کدل

نام	ولدیت	عمر	سکونت
۹۔ نصیرالدین خان	عبدالصمد خان	۲۲ سال	چنکرال محلہ
۱۰۔ غلام احمد بٹ	قادر بٹ	۳۰ ″	جامع مسجد
۱۱۔ محمد رمضان چولہ	رحمان چولہ	۳۶ ″	خانیار
۱۲۔ محمد عثمان مسگر	خانہ داماد صدیق لون	۳۰ ″	نالہ بل
۱۳۔ غلام رسول دوار	علی دوار	۲۸ ″	نرپرستان
۱۵۔ فقیر علی	نصیرالدین	۳۴ ″	کرایہ دار بٹہ مالنہ
۱۶۔ امیرالدین مکائی	رسول جو مکائی	۳۵ ″	نواکدل
۱۷۔ محمد شعبان مکائی	رحمان مکائی	۶۰ ″	نواکدل
۱۸۔ احمد راتھر	سبحان راتھر	۳۰ ″	نوشہرہ
۱۹۔ احمد ڈار	اکبر ڈار	۳۰ ″	نوشہرہ
۲۰۔ غلام رسول ککرو	عمہ ککرو	۲۸ ″	چنار باغ
۲۱۔ محمد عبداللہ آہنگر	کریم جو آہنگر	۴۰ ″	فتنہ پکھری
۲۲۔ احد بٹ	قادر بٹ	۳۰ ″	گاؤ کدل
۲۳۔ غلام محمد تیلی	رسول جو تیلی	۴۵ ″	اونتہ بھون
۲۴۔ غلام محمد کالباف	—	۳۶ ″	فتح کدل
۲۵۔ محمد اکبر	عبدالغنی	۳۳ ″	کرایہ دار مائیمہ
۲۶۔ سبحان خان	عبلی خان	۳۲	نواب بازار
۲۷۔ عبدالخالق	نامعلوم	۳۰ ″	وانل کدل
۲۸۔ عبدالقادر	عبدالسلام	۲۶ ″	مہمان عالی کدل
۲۹۔ غلام رسول درزی	غفّار درزی	۲۶ ″	امداکدل
۳۰۔ جانہ بیگم	بیوہ عبلی لون	۳۵ ″	نوشہرہ
۳۱۔ صمد بٹ	امیر بٹ	۵۰ ″	نامعلوم
۳۲۔ رمضان بٹ	صمد بٹ	۳۵ ″	گنڈا ہلمر
۳۳۔ عبدالکبیر شیخ	محمد شیخ	۳۵ ″	آبی گزر

نام	ولدیت	عمر	سکونت
۳۴۔ محمد اسماعیل نجّار	عبدالصمد نجّار	۲۰ سال	مخدوم صاحب
۳۵۔ نبر خان	امیر خان	۳۲ ″	عید گاہ
۳۶۔ ولی وانی	عبلی وانی	۵۰ ″	بٹہ پورہ
۳۷۔ محمد ڈار	ریشی ڈار	۶۲ ″	بٹہ پورہ

بٹہ پورہ کے یہ دونوں آدمی سنٹرل جیل میں قید کی سزا کاٹ رہے تھے کہ انھیں بارک میں آگ لگانے کے الزام میں گولی کا شکار بنا یا گیا۔

سرینگر سینٹرل جیل کے علاوہ جو شہداء سرینگر کے مختلف مقامات پر جامِ شہادت نوش فرما چکے ان شہیدوں کے ساتھ جو لوگ شدید زخمی ہوئے اور ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ اگرچہ شہیدوں کے بعد ان کا دوسرا درجہ ہے مگر کشمیر کی تحریکِ حریت مرتب کرنے والوں نے انھیں یکسر نظر انداز کیا ہے۔

سرینگر میں خون آشام کے دوران شدید زخمیوں کی فہرست اگرچہ بہت لمبی ہے لیکن یہاں اُن کے نام دیئے جاتے ہیں جو کسی حد تک ناکارہ ہو گئے تھے:۔

نام	ولدیت	عمر	سکونت
۱۔ احد بٹ	قادر بٹ	۳۳ سال	فتح کدل
۲۔ محمد اکبر	فقیر محمد	۲۱ ″	نواب بازار
۳۔ احد میر	محمد میر	۳۳ ″	گوجوارہ
۴۔ ولی وانی	غنی وانی	۴۰ ″	بٹہ پورہ
۵۔ سبحان مکائی	علی مکائی	۳۵ ″	متصل جامع مسجد
۶۔ خالق شورہ	صمد شورہ	۳۲ ″	سونہ مسجد
۷۔ غلام نبی کوتوال	نامعلوم	۳۰ ″	وزیر باغ

۱۳ر جولائی کو سنٹرل جیل سے باہر گولی چلنے کے بعد پولیس کوارٹر پر حملہ کیا گیا اور ایک بارک کو نذرِ آتش کیا گیا۔ اس بارک کو نذرِ آتش کرنے اور شہیدوں کے لئے پولیس کوارٹر سے چارپائیاں نکال کر جان پر کھیلنے والوں کے نام دریافت تو ہو سکے لیکن ان کی ولدیت اور سکونت کا پتہ نہ چل سکا۔

(۱) احد موچی (۲) صادق گورو (۳) رمضان ڈوم (۴) شعبان وگے (۵) رمضان گنائی (۶) سبحان لون (۷) قادر بیلا۔

سرینگر سے باہر قصبہ جات اور دیہات میں جام شہادت نوش کرنے والے جیالے مردوں کا نام و پتہ حسب ذیل ہے :۔

نام	ولدیت	عمر	سکونت
۱۔ رزاق آہنگر	رحیم آہنگر	۵۵ سال	حضرت بل اسلام آباد
۲۔ غلام احمد ملک	حبیب ملک	۵۰ ″	قاضی محلہ ″
۳۔ غنی کاوہ	رحمان کاوہ	۳۵ ″	گاہ رنگ ″
۴۔ غنی درزی	رحمان درزی	۳۵ ″	سرنل ″
۵۔ رحمان ملک	محمد ملک	۶۰ ″	گاڑی بازار ″
۶۔ محمد مقبول شاہ	ولی محمد شاہ	۴۰ ″	قاضی محلہ ″
۷۔ عزیز صوفی (دوازہ)	صدیق صوفی (دوازہ)	۵۰ ″	ملک ناگ ″
۸۔ کبیر شاہ	غنی شاہ	۵۵ ″	محلہ تکیہ شاہ ″
۹۔ حبیب وانی	عبدالصمد وانی	۳۲ ″	گوگجی ناگ ″
۱۰۔ غنی شاہ	حسن شاہ	۴۰ ″	درگا پورہ ″
۱۱۔ محمد پوش	عزیز پوش	۲۲ ″	قاضی محلہ ″
۱۲۔ غلام حسین ملک	غلام احمد ملک	۱۳ ″	قاضی محلہ ″
۱۳۔ غلام احمد زیبو	لسہ زیبو	۳۶ ″	محلہ شاہ صاحب ″
۱۴۔ جمال وگے	کریم وگے	۲۵ ″	محلہ شاہ صاحب ″
۱۵۔ رسول شیخ	قادر شیخ	۲۸ ″	کھاتہ بازار ″
۱۶۔ جمہ وانی	صمد وانی	۱۹ ″	گاندہ ناگ ″
۱۷۔ سبحان وانی	وہاب وانی	۳۰ ″	ریشی محلہ ″
۱۸۔ محمد چکن	احد چکن	۳۰ ″	سرنل ″
۱۹۔ رمضان بٹ	رحمان بٹ	۳۰ ″	سرنل ″
۲۰۔ علی محمد ریشی	ولی محمد ریشی	۲۵ ″	محلہ شاہ صاحب ″

نام	ولدیت	عمر	سکونت
۲۱۔ احد میر	غفار میر	۶۰ سال	محلہ شاہ صاحب اسلام آباد
۲۲۔ علی ملک	رسول ملک	۳۰ ″	وانی پورہ پلوامہ
۲۳۔ حبیب بٹ	متبنیٰ خضر بٹ	۲۵ ″	پلوامہ
۲۴۔ محمد خان	امیر خان	۲۸ ″	پلوامہ
۲۵۔ سلہ تولہ	رحمان تولہ	۳۲ ″	(چرار شریف) پلوامہ
۲۶۔ رحمان ڈار	رمضان ڈار	۴۰ ″	سونا سامل ″
۲۷۔ امیر ڈار	عزیز ڈار	۲۶ ″	آورہ ٹزار شو ″
۲۸۔ منور ماگرے	لسہ ماگرے	۳۰ ″	آورہ ٹزار شو ″
۲۹۔ سلطان ملک	نور ملک	۳۲ ″	زاڈورہ ″
۳۰۔ امیر شیخ	محمد شیخ	۳۵ ″	ٹراول کھائن ″
۳۱۔ قاسم میر	اکبر میر	۳۰ ″	ہائنز کھل ″
۳۲۔ قادر شیخ	صمد شیخ	۲۳ ″	بڈو باغ ″
۳۳۔ وہاب ڈار	قادر ڈار	۳۴ ″	قاضی پورہ ″
۳۴۔ مسماۃ فریژی	بیوہ رزاق پہرہ	۳۶ ″	بارہمولہ ″
۳۵۔ جلال الدین	احمد دین	۳۳ ″	(اوڑی) بارہمولہ
۳۶۔ حبیب اللہ صراف	مہدہ جو صراف	۳۵ ″	قاضی حمام ″
۳۷۔ غلام رسول ناظر	عبدالعزیز ناظر	۳۵ ″	خوجہ باغ ″
۳۸۔ شیخ احمد اللہ	شیخ عبدالغفار	۳۲ ″	میر محلہ ″
۳۹۔ علی بٹ	صدیق بٹ	۲۷ ″	جلال صاحب ″
۴۰۔ غلام قادر گنائی	غلام محمد گنائی	۳۵ ″	میر صاحب ″
۴۱۔ احد لون	سلطان لون	۳۸ ″	لنگیٹ ہندوارہ
۴۲۔ احد حجام	سلام حجام	۳۹ ″	ہندوارہ
۴۳۔ رسول وانی	مقبول وانی	۶۰ ″	ہندوارہ
۴۴۔ جبّار خان	رمضان خان	۳۰ ″	میدان چم گل۔

نام	ولدیت	عمر	سکونت
۴۵۔ کمال ڈار	قادر ڈار	۴۰ سال	میدان چوگل ہندوارہ
۴۶۔ رستم خان	احد خان	۳۵ "	ژیرہ پاوہ "
۴۷۔ اسد وانی	منور وانی	۳۰ "	اشکن پور "
۴۸۔ احد شیخ	سبحان شیخ	۳۰ "	وار پورہ "
۴۹۔ وہاب ڈار	لسہ ڈار	۴۰ "	گورہ گھر "
۵۰۔ رحمان میر	سبحان میر	۳۵ "	نیتہ نوس "
۵۱۔ رستم وار	رحیم وار	۲۸ "	زینہ رشی "
۵۲۔ جبار میر	عزیز میر	۳۵ "	ریشی گنڈ "
۵۳۔ احد شوشہ	تورہ شوشہ	۲۹ "	سوپور
۵۴۔ عزیز ماشکی	سبحان ماشکی	۳۵ "	سوپور
۵۵۔ محمد خان	قادر خان	۲۰ "	سوپور
۵۶۔ محمد شیخ	اعظم شیخ	۲۵ "	سوپور
۵۷۔ عبدالقدوس ٹاک	عبدالخالق ٹاک	۵۰ "	شوپیان
۵۸۔ عزیز شاہ	صدیق شاہ	۵۰ "	شوپیان
۵۹۔ محمد ڈار	رشید ڈار	۴۰ "	کلروک گنڈ
۶۰۔ خضر بٹ	لسہ بٹ	۵۰ "	شوپیان
۶۱۔ ساجدہ بانو	زوجہ احسن شاہ	۳۵ "	شوپیان
۶۲۔ سبحان ڈار	جمہ ڈار	۳۳ "	بجبہاڑہ
۶۳۔ حبیب مرازی	سلطان مرازی	۳۵ "	بجبہاڑہ
۶۴۔ حبیب ڈار	شعبان ڈار	۳۲ "	کتری تن
۶۵۔ رحمان آہنگر	سلطان آہنگر	۵۰ "	بونہ گام
۶۶۔ جبار گنائی	قادر گنائی	۳۳ "	وٹلب
۶۷۔ قادر بیگ	اقبال	۶۰ "	اوڑی
۶۸۔ عبلی نجار	لسہ نجار	۳۴ "	اوم پورہ بڈگام

نام	ولدیت	عمر	سکونت
۶۹۔ عبدالرحیم ڈار	سبحان	۳۰ سال	ہائے گام۔

شہدائے کشمیر کی یہ لسٹ نامکمّل ہے۔ اس لئے کہ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق تحریک میں مرنے والوں کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب ہے جبکہ غیر سرکاری اطلاع اس سے کہیں زیادہ ہے۔ بہرحال جتنے نام دریافت ہو سکے ہیں۔ اُن کو تاریخ میں زندہ جاوید کرتے ہیں ہم نے اپنی طرف سے حتی المقدور کوشش کی ہے۔ یہ جان کر بھی کہ اکثر شہداء کے سینوں کے بجائے کمر پر گولیاں لگی تھیں اور بعض اچھی شہرت نہیں رکھتے۔ کئی تو نامور مجرم بھی تھے۔



مولوی یوسف شاہ شہدائے کشمیر کا جنازہ پڑھوا رہے ہیں



مجاہدینِ آزادی کے جسموں پر کوڑوں کے نشانات

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی تھا

مہاراجہ ہری سنگھ اور کشمیر ایکارڈ

جولائی ۱۹۳۱ء کے خونی واقعات کے بعد ریاست جموں وکشمیر میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک خونریزی، بدامنی، تصادم، ٹکٹکی، پتھراؤ، جلسے جلوس، ہڑتالیں اور گرفتاریوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ حکومت کے خلاف لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور مُسلم رہنماؤں کی طرف سے باضابطہ بغاوت شروع کی گئی۔ حالات روز بروز بگڑتے گئے۔ حکومت کی طرف سے اس شورش کو دبانے کے لئے مختلف حربے آزمائے گئے جو ایک ایک کر کے سب ہی ناکام ہو گئے۔

اِن حالات پر قابو پانے کے لئے ڈوگرہ فوج کی طرف سے چوراہوں پر لوگوں کو عبرتناک سزائیں دینے کے لئے ٹکٹکی لگائی گئی۔ انھیں ہاتھ کھڑا کر کے چلنے، گھٹنوں کے بل رینگنے اور پیٹ کے بل چلنے کو کہا گیا۔ اس بربریت کے خلاف مُلک کے کئی اطراف سے مہاراجہ کو ملامت کا شکار ہونا پڑا۔

برٹش سرکار نے اس ننگی جارحیت کی شدید مذمت کی۔

ہندوستان کی کئی مسلم اور غیر مسلم تنظیموں نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔

برگزیدہ مسلم علماء، روساء اور دیگر اکابرین نے کشمیری مظلومین پر ڈوگرہ راج کی اِس کاروائی پر سخت احتجاج کیا۔ علامہ ڈاکٹر اقبالؔ کی تجویز پر "کشمیر کمیٹی" بنائی گئی جس کی سربراہی مرزا البشیر الدین محمود کے سپرد کی گئی۔ اس طرح مرزائیوں کی ایک جمعیت کشمیر کمیٹی میں شامل ہوگئی۔ مرزائیوں کے ساتھ ساتھ احراریوں نے بھی کشمیری مظلومین کے خلاف ڈوگرہ شاہی کی کاروائی پر نہ صرف صدائے احتجاج بلند کیا بلکہ ڈوگرہ راج سے اس خونِ ناحق کا بدلہ لینے کے

لئے انھوں نے محاذِ جنگ پر اپنے رضا کار بھیجدئے۔

اِسی دوران احمدیہ فرقہ کے امام مرزا بشیرالدین محمود احمد کے ساتھ شیخ عبداللہ کا ایک خفیہ معاہدہ ہوا۔

ڈوگرہ فوج کی طرف سے قید و بند، مار پیٹ اور بید زنی کے باوجود جب شورش دب نہ سکی۔ تو وزیراعظم کی طرف سے مسلم رہنماؤں کو دھمکیوں سے مرعوب کرنا شروع کیا گیا۔ اس کے لئے حکومت کے حامی اسداللہ وکیل، سلام شاہ اور آغا حسین جیسے افراد کی خدمات حاصل کر کے انھیں مسلم اتحاد میں رخنہ ڈالنے پر معمور کیا گیا۔

جولائی ۱۹۳۱ء کے خونی واقعات کے ساتھ ہی ریاست میں جو فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوئے تھے اور جن فسادات میں زینہ کدل، مہاراج گنج اور بہوری کدل میں کئی غیرمسلموں پر حملے کر کے یہاں کے دکانداروں کا مال لوٹا گیا تھا۔ کشمیری پنڈتوں نے اس کی ذمہ داری وزیراعظم ویکفیلڈ پر ڈالدی چنانچہ پنڈتوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ویکفیلڈ سے استعفیٰ طلب کیا گیا اور ان کی جگہ راجہ ہری کرشن کول کو بحیثیت وزیراعظم مقرر کیا گیا تھا۔ اس نئی تقرری سے مہاراجہ کا خیال تھا کہ شورش دب جائے گی لیکن شورش دبنے کے بجائے بڑھ گئی۔

راجہ ہری کرشن کول نے امن بحال کرنے کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ اُنھوں نے مُسلم نمائندوں سے امن بحال کرنے کے لئے صلح مشورہ کرنا شروع کیا۔ لیکن ان مسلم رہنماؤں نے دوٹوک جواب دیا کہ جب تک سیاسی قیدیوں کو رہا نہیں کیا جا تا تب تک امن بحال ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی، سیاسی قیدیوں کے ساتھ شہر سرینگر کے علاوہ قصبہ جات سے فوج واپس بلانے کی بھی تجویز رکھدی گئی۔ لیکن یہ پیش کش اس لئے نامنظور کی گئی تاکہ فوجوں کے بارکوں میں واپس جاتے ہی دنگا فساد بھڑک نہ اُٹھے۔

راجہ ہری کرشن کول نے مسلم رہنماؤں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے لئے خواجہ نور شاہ نقشبندی، خواجہ غلام احمد عشائی، میرواعظ مولوی یوسف شاہ اور مولوی عبداللہ وکیل سے بذریعہ روگناتھ مٹو تحصیلدار سرینگر سے رابطہ رکھوایا تاکہ سیاسی قیدیوں کی رہائی کا تصفیہ ہو سکے۔ وزیراعظم چاہتا تھا کہ سیاسی قیدی رہا ہونے کے بعد حکومت کے خلاف تقریریں نہ کرنے کی گارنٹی دیں۔

چنانچہ جب مسلم رہنماؤں کے سامنے یہ شرط رکھدی گئی تو انھوں نے یہ شرط ماننے سے انکار کیا اور اس بات کو واضح کیا کہ مسلمانوں سے انصاف کیا جائے اور بحیثیت شہری کے جو ان کے حقوق ہیں وہ بحال ہونے چاہئیں۔

چنانچہ اس طرح صلح صفائی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ البتہ بیرون ریاست سے ان قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ زور پکڑنے لگا۔ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی نے راجہ ہری کرشن کول کو خط لکھ کر سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ دہرایا۔ اس خط کا جواب وزیراعظم نے خواجہ حسن نظامی کو لکھا۔ اس کی کاپی روگناتھ مٹو کے ذریعے شیخ عبداللہ کو جیل میں پیش کی گئی۔ اس خط کی کاپی کو دیکھ کر شیخ صاحب حواس باختہ ہو گئے۔ کافی سوچ بچار کے بعد وہ حکومت کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے لئے راضی ہو گئے۔

یکم اگست کو تجربہ کے طور پر سیاسی قیدیوں کو رہا کیا گیا۔ اسی دوران مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے وزیراعظم نے ایک فرمان جاری کیا:

"چونکہ چند گمراہ ہوئے بدمعاشوں نے لوٹ مار اور غارت گری و قتل کر کے سرینگر میں فسادات بپا کئے ہیں اور شہر کے امن کو درہم و برہم کر دیا حتیٰ کہ فسادات کو روکنے کے لئے فوج کی امداد حاصل کرنا پڑی اور چونکہ دیہات میں بھی ایسے بدمعاشوں کی حرکات کی اِطلاع موصول ہوئی ہے۔ اِس لئے مہاراجہ بہادر نے اعلان فرمایا کہ ان کی رعایا جو فطرت سے امن پسند ہے ان اثراتِ بد سے محفوظ رہے۔ گناہ کو ترک کردے اور پُرامن شہریوں کی طرح رہے جس طرح وہ آج تک رہتے آئے ہیں۔ اُن کو تنبیہہ کی جاتی ہے کہ مہاراجہ بہادر کی حکومت ایسے ذرائع استعمال میں لارہی ہے جس سے واقعات کا سدباب ہو سکے اور مستقبل میں بھی کوئی حادثہ پیش نہ آئے تمام قانون شکنی کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے گی۔"

اس دھمکی نے مسلم رہنماؤں کو کسی حد تک لرزہ براندام کیا۔ اسی دوران سر تیج بہادر سپرو دہلی سے ایک خاص مشن پر سرینگر آئے اور اُن کا قیام سرینگر میں نیڈوز ہوٹل میں رہا۔ یہاں مسٹر سپرو کے ساتھ شیخ عبداللہ کی کئی ملاقاتیں ہوئیں اور ہر ملاقات کے بعد اُن کا وزیراعظم کے ساتھ ایسا رابطہ رہا جس سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ اندر ہی اندر کوئی کھچڑی پک رہی ہے۔ اس کے بعد شیخ صاحب نے مسلم نمائندوں کی ایک میٹنگ طلب کی جس میں مہاراجہ بہادر کے ساتھ ایک صلح نامہ یا کشمیر ایکارڈ ترتیب دیا گیا۔

(۱) موجودہ ایجی ٹیشن بند کر دی جائے گی، مساجد یا دوسرے مذہبی مقامات میں ایسے پبلک جلسے منعقد نہ کئے جائیں گے جن سے حکومت کے خلاف یا فرقہ وارانہ منافرت پیدا ہوتی ہو۔

(۲) مساجد اور زیارت گاہوں میں عام اعلان کر دیا جائے گا کہ مسلمان بیرونی شورش سے متاثر نہ ہوں اور ہز ہائینس کے جن سے انھیں اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کی اُمید ہے۔ وفادار رہیں گے۔

(۳) بیرونی ہمدردوں سے درخواست کی جائے گی کہ مطالبات کے متعلق آخری تصفیہ تک کوئی ایسی کاروائی نہ کریں جس سے اس فضا میں جس کے مطالبات پر غور کرنے کے لئے ضرورت ہے کسی قسم کا تکدر پیدا ہو۔

(۴) اس سمجھوتہ سے رائج الوقت قوانین میں کوئی مداخلت نہ ہوگی۔

(۵) اس سمجھوتہ کے لئے راجہ ہری کرشن کول کے مشفقانہ اور ہمدردانہ امداد کے لئے ہم اُن کے ممنون ہیں۔

مطالبات کے متعلق اُن سے پوری توجہ کی اُمید رکھتے ہیں۔

نوٹ: باوجود ہز ہائینس کی طرف سے ہماری اگست ۱۹۳۱ء کی عرضداشت کا جواب اطمینان بخش نہیں۔ ہم ان کا احترام کرتے ہیں اور ہز ہائینس سے وفاداری کی وجہ سے مشروط صلح کے لئے تیار ہیں۔

دستخط کنندگان :-

مولوی محمد یوسف شاہ، سید حسین جلالی، ایس۔ ایم عبداللہ، غلام احمد عشائی، منشی شہاب الدین، مستری یعقوب علی، خواجہ غلام عباس خاں، سردار گوہر رحمان۔

اس وفا نامہ کے جواب میں حکومت نے ایک سرکلر جاری کیا جس کا متن یہ ہے :-

(۱) قصبات اور دیہات میں مسلمان رہنماؤں کی طرف سے اس اعلان کے بعد کہ ایجی ٹیشن بند کر دی گئی ہے وہ تمام ذرائع ترک کر دے گی جو گذشتہ دو ماہ سے اس کی طرف سے اختیار کئے گئے ہیں۔

(۲) وہ ملزم جن کا فسادات کے الزام میں عدالت میں چالان کیا جا چکا ہے۔ ضمانت پر رہا کئے جائیں گے اور تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ شائع ہونے تک اُن کے مقدمات کی سماعت ملتوی رہے گی۔

(۳) ان سرکاری ملازمین کے متعلق جنھیں ایجی ٹیشن میں حصّہ لینے کے الزامات میں معتوب یا معطل کر دیا گیا ہے۔ اس وعدہ پر کہ وہ آئندہ ایسی باتوں میں حصّہ

نہیں لیں گے ان کے معاملہ میں دوبارہ غور کیا جائے گا اور انھیں پھر وہی حقوق دئے جائیں گے۔

اِس معاہدہ کا اعلان ۱۸ اگست ۱۹۳۱ء بروز جمعہ جامع مسجد سرینگر میں ہونا تھا کہ شیخ عبداللہ پر مہاراجہ ہری سنگھ کو معافی نامہ دینے کی پاداش میں حملہ کر دیا گیا۔ اِس حملہ میں وہ بال بال تو بچ گئے لیکن وزیر اعظم ہری کرشن کول کی خوشی کو اخباروں نے اُجاگر کیا۔ جو شروع ہی سے ان مسلمان جوانوں کو آوارہ مزاج کہہ کر پکارتے تھے۔

اِس صلح نامہ پر اگرچہ بعض دوسرے مسلم رہنماؤں نے بھی دستخط کئے تھے لیکن صرف شیخ عبداللہ پر اس کی پاداش میں حملہ کیا گیا۔

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ سر تیج بہادر سپرو سے ملنے کے بعد اس صلح نامہ کی ترتیب میں انھوں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔ لیکن دوسرے لیڈر ہرگز بری الزمہ نہیں تھے۔

شیخ عبداللہ پر حملہ ایک حادثہ سے کم نہ تھا۔ چنانچہ اس کی تفصیلات جو چوہدری عصمت اللہ ایڈوکیٹ نے "کشمیر کمیٹی" کے صدر کو بھیجدی۔ اس طرح ہے :-

"یہ صلح یا عارضی صلح ایک عجیب ہیجان پیدا کرنے کا باعث ہوئی ہے۔ شہر میں ہر ایک کشمیری حیران اور پریشان نظر آتا تھا۔ بعض کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اس کے متعلق واقف ہونے پر رونے لگے۔ بعض نے صدمہ کی وجہ سے کھانا نہ کھایا اور زیادہ آپے سے باہر ہونے والے یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہم ان نمائندوں کو قتل کر دیں گے اور اس کے بعد خود بھی خودکشی کر یں گے۔ یہاں تک تو ہوا کہ بعض نے شیخ عبداللہ کو گریبان سے پکڑ کر مارا، بعض نے ان پر پتھر مارے اور بعض نے فحش گالیاں دیں اور ہر ایک نظر آ رہا تھا کہ وہ اپنی قسمت کو رو رہا ہے۔ اس تمام کیفیت کی وجہ کیا تھی وہ صرف یہی تھی کہ شہر میں یہ مشہور ہو گیا کہ اس عارضی صلح میں نمائندوں نے کشمیری مسلمانوں کو فروخت کر دیا ہے۔ بعض لوگ میرے پاس آ کر کہنے لگے کہ آج تک تو ہم کشمیری پنڈتوں سے شیخ عبداللہ کے لئے لڑ پڑتے تھے اور کل اگر ہم ہی انھیں بے عزت کریں گے تو پنڈت لوگ ہمیں طعنہ دیں گے کہ ہم جو کہتے تھے عبداللہ تم کو دھوکہ دے گا سو وہ درست نکلا۔

شہر کے ایک حصّے میں نمائندوں کے خلاف غیض و غضب نظر آتا تھا اور ہر ایک

کہنا تھا ہم انھیں بے عزّت کرکے اسٹیج پر آنے نہیں دیں گے۔"

ان تفصیلات کے ملتے ہی "کشمیر کمیٹی" کے صدر مرزا بشیرالدین محمود احمد فوری طور پر شیخ عبداللہ کے دفاع میں سامنے آ گئے۔ چونکہ حال ہی میں ان دونوں نے گڑھی حبیب اللہ سرحد کے ڈاک بنگلے میں ایک خفیہ معاہدہ کیا تھا۔ لہٰذا انھوں نے شیخ عبداللہ کے بچاؤ میں ایک پوسٹر چھپوا کر سرینگر بھیجدیا۔ جس میں صلح نامہ کے خطرناک نقائص کی نشاندہی کرکے اس سے چھٹکارا پانے کا نسخہ تحریر کیا گیا۔

اپیل

"مسلمانوں کے نمائندوں نے یہ معاہدہ کیا ہے اور مسلمانوں کا فرض ہے اس کا پوری طرح اتباع کریں کیونکہ مسلمان دھوکہ باز نہیں ہوتا اور جو قوم اپنے لیڈروں کی خود تذلیل کرتی ہے۔ وہ کبھی عزّت نہیں پاتی، نیز مسلمانوں میں قحط الرجال ہے اور کام کرنے کے قابل آدمی تھوڑے ہیں۔ پس انہی سے کام لیا جاسکتا ہے اور لینا چاہیے۔ پس یہ نہ ہونا چاہیے کہ اس مضمون کو پڑھ کر کوئی جوشیلا شخص جموں و کشمیر کے لیڈروں کی مخالفت شروع کردے۔ انھوں نے دیانتداری سے کام کیا ہے اور ہمیں اُن کی قربانیوں کا احترام کرنا چاہیے اور ہنستے ہوئے ان کی غلطیوں کو قبول کرنا چاہیے۔ پھر اس کے ضرر سے بچنے کا بہترین طریقہ سوچنا چاہیے۔ وہ طریق میرے نزدیک یہ ہے کہ وقت کے تعیّن سے اس معاہدہ کے ضرر کو محدود کردیا جائے اور آئندہ کے لئے اپنے آپ کو آزاد کردیا جائے۔

دستخط کرنے والے نمائندگانِ ریاست کو ایک دوسری یادداشت یہ بھجوائیں کہ چونکہ عارضی صلح کا وقت کوئی مقرر نہیں اور یہ اصول کے خلاف ہے۔ اس فروگزاشت کا علاج ہونا چاہیے۔ پس اس کی میعاد ایک ماہ تک رکھی جائے۔ ایک ماہ تک مسلمانوں کے حقوق کے متعلق ریاست نے کوئی فیصلہ کردیا تو اس کو مستقل صلح کی شکل میں بدل دیا جائے گا لیکن اگر ایک ماہ کے عرصہ میں ریاست نے رعایا کو ابتدائی انسانی حقوق نہ دیئے یا اُن کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کیا تو صلح ختم سمجھی جائے گی اور دونوں اپنی اپنی جگہ آزاد ہوں گے۔"

مرزا صاحب کی اس اپیل جس میں انھوں نے ایکارڈ کو توڑنے کی دلیل دی تھی۔ اس پر مسلم

رہنماؤں کی طرف سے غور و خوض تو ہوا لیکن عام لوگوں نے اس ایکارڈ کو اپنی شکست سے تعبیر کیا اور اس شکست کا ذمہ دار مسلم رہنماؤں کو ٹھہرانے لگے۔

چوہدری عصمت اللہ نے شیخ عبداللہ پر حملہ کی جو رپورٹ "کشمیر کمیٹی" کو بھیجدی اس میں مسلمانوں کے خدشات کا ذکر کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا گیا کہ کشمیری پنڈت یہاں کے مسلمانوں کو شیخ عبداللہ کے بارے میں پہلے ہی خبردار کر رہے تھے کہ یہ شخص تمھیں دھوکہ دے گا۔

بقول چوہدری صاحب "بعض لوگ میرے پاس آکر یہ کہنے لگے کہ آج تک تو ہم کشمیری پنڈتوں سے شیخ عبداللہ کے لئے لڑتے تھے اور اگر کل ہم ہی انھیں بے عزّت کریں گے تو پنڈت ہمیں طعنہ دیں گے ہم جو کہتے تھے شیخ عبداللہ تم کو دھوکہ دے گا۔ سو وہ درست نکلا۔"

اِس انکشاف سے صاف ظاہر ہے کہ کشمیری پنڈت رہنما ابتداء ہی سے شیخ عبداللہ کی فطرت سے واقفیت حاصل کر چکے تھے اور وہ یہاں کے مسلمانوں کو ان سے خبردار کرنے کا اپنا فرض ادا کر چکے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مسلمان پنڈتوں پر اعتبار کرنے کے بجائے شیخ عبداللہ پر کر رہے تھے۔

"سید مبارک علی شاہین" نے شیخ عبداللہ اور دوسرے مسلم رہنماؤں کو اس قسم کی حرکات جن سے تحریک کو زک پہنچنے کا احتمال ہو۔ اس سے باز آنے کا مشورہ دیا۔

کے۔ ایچ۔ خورشید، شیخ منظر مسعود، عبدالحمید خان، مرزا محمد حسین خان، سردار محمد عالم خان اور مولانا عبدالعزیز راجوروی نے اس قسم کی حرکات پر سخت غم و غصہ کا اظہار کرکے اسے تحریک کے ساتھ غدّاری کرنے کا مترادف ٹھہرایا۔

مسلم لیڈران کو آئندہ اِن حرکات سے باز آنے کے ساتھ انھوں نے ڈوگرہ حکمرانوں کو متنبہ کیا، جس کی پاداش میں ان کے نام گرفتاری کے وارنٹ جاری کئے گئے۔ کئی حضرات گرفتار کرکے جیل میں معتوب کیا گیا۔

تحریکِ حرّیت کے جانباز سپاہی



(۱) چوہدری غلام عباس خاں (۲) مفتی شہاب الدین (۳) پیر مقبول گیلانی (۴) مفتی جلال الدین (۵) ایم اے صابر (۶) راجہ محمد اکبر خاں (۷) مولوی بشیر احمد (۸) غلام احمد عشائی (۹) مولوی عبدالرحیم ۔

یہ عجب ہے رسم دنیا کہ بروزِ عیدِ قرباں
وہی قتل بھی کریں اور وہی لے ثواب اس کا

کشمیر ایکارڈ اور اس کے اثرات

مسلم رہنماؤں کا مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ذلت آمیز سمجھوتہ کرنے پر لوگوں نے سخت ناراضگی اور برہمی کا اظہار کیا۔ مسلم رہنماؤں کے اس معاہدے کو لوگ شہیدوں کے خون کے ساتھ سودا بازی سے تعبیر کر کے سخت مشتعل ہو گئے اور انھوں نے کھلم کھلا ان مسلم رہنماؤں کو غدارانِ قوم کہنا شروع کیا۔ اس طرح مسلم رہنماؤں کے تئیں لوگوں کی نفرت زور پکڑنے لگی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس وقت جبکہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو رہی تھی۔ ڈوگرہ حکومت کے ساتھ اس قسم کا ایکارڈ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور جن احباب نے ایکارڈ پر دستخط کئے۔ انھیں چاہیے تھا کہ پہلے اس ایکارڈ کو عوام کے سامنے رکھتے اور اس کے بارے میں عوام کی تائید حاصل کرتے لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ لہٰذا مسلم رہنما قصوروار ہیں اور عوام کی طرف سے انھیں اس قصور کی پوری سزا ملے گی۔

مسلم رہنماؤں کو اس سزا کے طور پر پہلے تو زبانی خوب بُرا بھلا کہا گیا لیکن جب اس سے جوش و جذبہ ٹھنڈا نہیں ہوا تو قصوروار مسلم رہنماؤں کو جان سے ختم کرنے کا ارادہ کیا گیا اور باضابطہ طور پر لاٹھیوں اور چھریوں سے لیس ہو کر ان رہنماؤں کا پیچھا کیا گیا۔

ایکارڈ پر دستخط کرنے والے اگرچہ سبھی مسلم رہنما قصوروار تھے لیکن سب سے زیادہ موردِ الزام شیخ عبداللہ کو ٹھہرایا گیا اور لوگ انھیں جان سے ختم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ غلام احمد عشائی، مفتی شہاب الدین اور مولوی یوسف شاہ کہیں چھپ گئے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کو مفتی ضیاء الدین کی طرف سے صرف دس منٹ قبل اطلاع مل گئی کہ کئی مشتعل لوگ لاٹھیوں اور چھریوں سے لیس ہو کر یہاں آ رہے ہیں اور آپ کو قوم سے غداری کی سزا

دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ شیخ صاحب یہ اطلاع پاکر سٹپٹا گئے۔ پھر غصّہ کا اظہار کرکے کمرے میں ٹہلنے لگے۔ وہ مرزا باغ کے اس کمرے سے جانے نہ جانے کے بارے میں فیصلہ کر ہی رہے تھے کہ دور سے ایک شور سا سنائی دیا۔ مفتی ضیاالدین نے خدا کا واسطہ دے کر انھیں یہاں سے بھاگنے کے لئے کہا۔ اسی دوران بخشی غلام محمد ہانپتے کانپتے یہاں آگئے اور انھوں نے شیخ صاحب کا بازو پکڑ کر انھیں جلدی جلدی باہر نکال لایا۔

باہر آکر شیخ عبداللہ بھاگتے بھاگتے جمالٹہ پہنچ گئے۔ جہاں انھوں نے عبدالغنی ورانی کے گھر میں پناہ لی۔

شیخ عبداللہ کو غداری کی سزا دینے کے لئے کوئی بیس۲۰ آدمی لاٹھیوں اور چھریوں سے لیس یہاں مرزا باغ آئے جہاں شیخ صاحب ان دنوں قیام پذیر تھے۔ بلوائیوں کی قیادت گوجوارہ کے پیر امیرالدین اور نعلبند پورہ کے عبدالرزاق کبو کر رہے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں قصائیوں کی چھریاں تھیں اور وہ اپنے لیڈر کو قتل کرنے کے ارادے سے آگے بڑھ رہے تھے۔ جب انھوں نے زور سے شیخ عبداللہ کا کمرہ کھول دیا تو یہاں کسی کو نہ پاکر انھیں مایوسی ہوئی۔ کہا جاتا ہے اس موقع پر عبدالرزاق کبو نے قصائی کی چھری سے اس کمرے کے در و دیوار اور کھڑکیوں پر وار کئے اور چلا چلا کر کہا۔

”غدّار میرے وار سے بچ نکلا، لیکن‘ بچ کر کہاں جائے گا۔“

دوسری رات کو ان میں سے سات آٹھ افراد نے گھات لگا کر اس کمرے پر دوبارہ حملہ کیا۔ لیکن شیخ صاحب آج بھی یہاں موجود نہیں تھے۔

(جولائی ۱۹۴۸ء کو جب شیخ عبداللہ ریاست کے ایڈمنسٹریٹر تھے تو انھوں نے عبدالرزاق کبو اور امیرالدین کو گرفتار کروا کر غلام قادر گاندربلی کے ہاتھوں ان کا جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میں کچومر نکلوادیا اور ان کی نشاندہی پر کم از کم ان سبھی افراد کو پکڑوایا گیا جو انھیں جان سے مارنے کی غرض سے اُن کی قیام گاہ پر آئے تھے)

شیخ عبداللہ نے اس سارے واقعہ کا اپنی کتاب ”آتشِ چنار“ میں گول مول ساذکر کیا ہے۔

کشمیر ایکارڈ کی صورت حال سے پریشان اور خوفزدہ ہوکر مسلم رہنما اپنے اپنے گھروں میں رہنے سے کترائے۔ آخر بخشی غلام محمد، مفتی ضیاالدین احمد اللہ قرّہ اور پیر افضل مخدومی کی کوششوں سے انھیں پوشیدہ ٹھکانوں سے نکال کر آپس میں ملایا گیا اور گناہ کا کفّارہ ادا کرنے کے لئے میر واعظ منزل لایا گیا۔ اگرچہ یہ رہنما ایک ایک کرکے خفیہ طور پر یہاں آگئے لیکن کسی طرح ان رہنماؤں کا میر واعظ

منزل میں آنے کا انکشاف ہوا۔ لوگ یہاں جمع ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک جم غفیر جمع ہوگیا۔ لوگوں نے ان غدّاروں کے خلاف نعرے لگائے۔ مشتعل ہجوم نے اِن غدارانِ قوم کو باہر آنے کے لئے للکارا تو اندر سراسیمگی پھیل گئی۔ ان کی جان کے لالے پڑ گئے اور انھوں نے اپنی جان کی خیر منانی چھوڑ دی۔

مشتعل ہجوم کی طرف سے ان رہنماؤں کے خلاف گالیوں کی بوچھاڑ نے انھیں حواس باختہ کر دیا۔ ایسی عالم میں وہ اس ایکارڈ کی ذمہ داری ایک دوسرے پر عاید کرنے لگے۔ مولوی یوسف شاہ نے اِس ایکارڈ کو مسلم رہنماؤں کے خلاف ایک سازش سے تعبیر کیا اور اس کی ذمہ داری خواجہ غلام احمد عشائی پر ڈال دی، شیخ صاحب نے عشائی صاحب کی طرفداری کی تو پیر یحییٰ سخت برہم ہوئے اور انھوں نے شیخ عبداللہ کو جلی کٹی سنائی، دیکھتے دیکھتے ایک دوسرے پر الزامات عاید کرکے تو تو میں میں کے بعد ہاتھا پائی تک کی نوبت پہنچ گئی۔

اندر یہ صورت حال تھی اور باہر سے قومی غداروں کو باہر نکل آنے کے لئے للکارا جارہا تھا۔ میر واعظ منزل پر جب پتھر برسنے لگے تو شیخ صاحب نے کمالِ جرأت سے کام لے کر کھڑکی پر آکر اِس مشتعل ہجوم کو عاجزی سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن ہجوم نہ سمجھنا تھا نہ سمجھا۔ چنانچہ اندر سے ان کے نام ایک پرچہ لکھ کر بھیجوا دیا گیا۔ جس میں کل جامع مسجد میں لوگوں کو تمام حالات سے روشناس کرانے کی اطلاع درج تھی۔

ہجوم ان پر صلواتیں بھیجکر آہستہ آہستہ منتشر ہوگیا۔

باہر شور رُک جانے کے بعد اندر پھر میٹنگ کا آغاز ہوا۔ ایکبار پھر ایک دوسرے پر الزامات اور جوابی الزمات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ کمرے میں شور غل تھم جانے کے بعد سعدالدین شال نے مسلم رہنماؤں کو ہوش کے ناخن لینے کا مشورہ دیا تاکہ یہ پھوٹ سر راہ آشکارا نہ ہوجائے اور ہم لوگوں کے عتاب کے ساتھ ساتھ حکومت کے ہاتھوں رُسوا نہ ہوجائیں۔

شال صاحب نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ ”یہ سمجھوتہ غلط تھا اور ہم سب اس غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں اور اس غلطی کو ہمیں قبول کرکے حالات کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے اور کوئی ایسی تجویز زیر غور لائیں جس سے سیخ کے ساتھ کباب بھی بچ جائے۔“

پیر یحییٰ شاہ نے اس موقع پر اپنی رائے دیتے ہوئے کہا:

”ہمیں اپنی غلطی تسلیم کرکے لوگوں کے سامنے معافی مانگ لینی چاہیے۔“

شیخ صاحب نے اس کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ انھوں نے لوگوں کے سامنے غلطی تسلیم کرنے اور اس کی معافی مانگنے کے بجائے یہ رائے دی کہ لوگوں کو اس ایکارڈ کے مثبت پہلو سمجھا دیئے جائیں اور ان کے سامنے یہ بات واضح کر دی جائے کہ اس ایکارڈ سے عوام کی نہ کوئی ہار ہوئی ہے اور نہ ہم نے قوم کے ساتھ کوئی غدّاری کی ہے بلکہ اس ایکارڈ سے ہم سرکار کی لیول تک آگئے ہیں۔ سرکار نے ہماری حیثیت تسلیم کر لی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم وزیر اعظم کو وقت مقرر تک مطالبات پورا کرنے کا الٹی میٹم دیں گے۔ جیسا کہ کشمیر کمیٹی کے صدر نے تجویز کیا ہے۔

شیخ صاحب کی اس تجویز کے ساتھ اتفاق کر کے سعد الدین شال نے مشورہ دیا کہ لوگوں کا اعتماد دوبارہ بحال کرنے کے لئے اس ایکارڈ کو توڑ دیا جانا چاہیے اور اس کے لئے ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ ایکارڈ توڑنے کا الزام گورنمنٹ پر عاید ہو۔ یہی ایک صورت ہے جس سے ہم لوگوں کے عتاب سے بچ سکتے ہیں۔"

شال صاحب کی اس تجویز کے ساتھ قریب قریب ہر ایک نے اتفاق کیا۔

اگلے روز جامع مسجد میں ایک عوامی جلسہ ہوا، مولوی یوسف شاہ نے معاہدے کی شرائط پڑھ کر سنا دیں اور اس کا پس منظر سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اس بات میں کوئی صداقت نہیں کہ ہم حکومت سے مل گئے ہیں۔ دراصل حکومت نے ہم سے درخواست کی کہ کچھ عرصہ تک ہم تحریک کو ملتوی کریں اور اس اثناء میں غور و فکر کے بعد وہ ہمارے مطالبات تسلیم کرے گی، میں خدا کے گھر میں کھڑے ہو کر عہد کرتا ہوں کہ مرتے دم تک قوم سے غدّاری نہیں کروں گا۔ بعض لوگوں کو خدشہ ہے کہ حکومت ہم کو دھوکہ دے رہی ہے اگر ایسا ہوا تو ہم اپنی جانوں پر کھیل کر اپنا ایک ایک مطالبہ پورا کر کے ہی دم لیں گے اور دنیا پر ظاہر کریں گے کہ کشمیری بزدل نہیں۔"

اس موقع پر شیخ عبد اللہ کلام پاک ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوئے اور اس پر ہاتھ رکھ کر قوم سے وفادار رہنے کا عہد کیا۔

انھوں نے فرمایا "صلح کی شرائط صرف دو ماہ کے لئے ہیں۔ اس کے بعد پتہ چلے گا کون کیا کہہ رہا ہے۔"

قرآن ہاتھ میں لے کر شیخ صاحب نے سراسر جھوٹ بولا۔ کیونکہ صلح کی شرائط میں کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ بلکہ یہ بشیر الدین محمود کی تجویز تھی۔

شیخ صاحب نے اس سمجھوتے کے فوائد بتانے کی کوشش کی اور واضح الفاظ میں کہا۔

"ہم دیکھ رہے ہیں گورنمنٹ کا طریقۂ کار کیا ہوگا۔ اگر ہمیں دکھائی دیا کہ گورنمنٹ اس معاہدے پر پوری نہیں اتری تو میں پہلا شخص ہوں گا جو کفن بر دوش ہو کر صدائے احتجاج بلند کرے گا۔"

انھوں نے عوام سے مخاطب ہو کر کہا "آپ ہم پر اعتبار کریں۔"

اس اجتماع کے بعد مسلم رہنماؤں نے کسی قدر اطمینان کا سانس لیا لیکن جب اس سلسلے میں انھوں نے سوپور میں جلسہ کیا تو یہاں پر نہ صرف انھیں گالیاں دی گئیں اور ہوٹنگ کی گئی بلکہ ان پر جوتے بھی پھینکے گئے۔ آدم پورہ سوپور کے عبد الغنی ملک نے قریب سے جوتا پھینکا جو شیخ عبد اللہ کے سینے پر لگا۔ ایک جوتا عشائی صاحب کے دائیں کندھے پر لگا۔ سعد الدین شال کمال جرأت سے کام لے کر لوگوں کو سمجھانے کی کوشش نہ کرتے تو جلسہ درہم برہم ہو جاتا۔ سوپور کے کئی مقامی لوگوں جن میں صوفی محمد اکبر قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے مسلم رہنماؤں کو بچانے میں اہم رول ادا کیا۔ سوپور کے بعد اگرچہ اسلام آباد میں ان پر جوتے نہیں برسے لیکن غدارانِ قوم مردہ باد کے نعروں سے ان کا سواگت کیا گیا۔

ایکارڈ کی مخالفت میں آہستہ آہستہ لوگوں کا جوش و جذبہ ٹھنڈا ہونے لگا تو مسلم رہنماؤں نے اس ایکارڈ کو توڑنے کا پلان بنایا تاکہ وہ دوبارہ لوگوں کا اعتماد حاصل کر سکیں۔ چنانچہ انھوں نے چھوٹے چھوٹے اجتماعات میں حکومت کے خلاف تقریریں کرنی شروع کیں۔

۱۷ر ستمبر کو شیخ صاحب نے جمالٹہ میں تقریر کے دوران لوگوں کو سمجھایا کہ بعض لوگ نمائندگان پر شک کرنے لگے ہیں۔ میں ان کو بتانا چاہتا ہوں شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو یقین رکھنا چاہیے نمائندگان میں سے جو کوئی غلطی کرے گا اس کو عوام کے سامنے ننگا کیا جائے گا تم لوگوں کو مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے۔

اس طرح جب نئے سرے سے رہنما حکومت کے خلاف بولنے لگے اور دنگا فساد کرنے لگے تو حکومت حرکت میں آگئی چنانچہ ۲۱ر ستمبر ۱۹۳۱ء کو شیخ عبد اللہ ایک اشتعال انگیز تقریر کی پاداش میں گرفتار کر لئے گئے۔ اس گرفتاری کے لئے انھوں نے خود ہی ماحول سازگار بنا دیا کیونکہ اس طرح اُن پر لگا غداری کا داغ مٹ گیا۔

شیخ عبد اللہ کی اس گرفتاری سے لوگ مشتعل ہوئے، مظاہرے، ہڑتالیں، جلسے اور جلوس دوبارہ شروع ہو گئے اور تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے وار کونسل کے قیام کا اعلان کیا گیا اس کونسل کے بارے میں ہاتھ سے لکھے گئے پوسٹروں کے ذریعے تشہیر کی گئی۔ اسی دوران خانقاہ معلی

کے اسٹیج پر ایک جم غفیر کے سامنے مفتی جلال الدین تقریر کر رہے تھے کہ رسالہ فوج نے آکر مجمع پر چڑھائی کی۔ اس سے ایک بھگدڑ مچ گئی، ایک زبردست شور و شر ہوا۔ ڈوگرہ فوج نے لوگوں پر سنگینوں سے حملہ کیا اور پھر فائرنگ کی جس سے تین آدمی رسول ہاگرو ساکنہ درگجن حسن میر ساکنہ چنکرال محلہ اور اسد کمار ساکنہ نرپرستان موقعہ پر ہلاک ہوئے اور ایک عورت سمیت درجنوں کی تعداد میں لوگ زخمی ہوئے۔ زخمی لوگ مولوی یوسف شاہ کی ہدایت پر جامع مسجد میں جمع ہو گئے۔ لوگوں کو ہسپتال لیجایا گیا اور زخمی عورت کے ساتھ تین شہیدوں کو جامع مسجد لایا گیا۔

اُدھر گاؤکدل کے پاس ایک لڑکا نیزہ کی زد سے زخمی ہو گیا۔ سارے علاقے میں انتشار پھیل گیا عورتیں اور بچے جلوس کی صورت میں آگے بڑھنے لگے۔ ڈوگرہ سپاہیوں نے اُن کو منتشر کرنے کے لئے گھوڑے دوڑائے۔ بسنت باغ کے قریب عورتوں کے ایک جلوس کے ساتھ ڈوگرہ فوج کا تصادم ہوا یہاں پر فائرنگ سے چار مرد اور ایک عورت مر گئی۔

جامع مسجد میں لوگ کثیر تعداد میں جمع ہو گئے جہاں پر مولوی یوسف شاہ نے حکومت کے ساتھ عارضی صلح توڑنے کا اعلان کیا۔ کیونکہ اس کا فیصلہ پہلے ہی میر واعظ منزل کی میٹنگ میں کیا گیا تھا اس طرح کئی لوگوں کو قربان اور درجنوں کو زخمی کرواکر اس خونِ ناحق سے اپنی غداری کے داغ دھوڈالے گئے، ان خونی فسادات سے مسلم رہنماؤں کا وہ مقصد پورا ہوا جو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔

مشتعل ہجوم خانقاہ کے تین اور بسنت باغ کے چار میں سے دو شہیدوں کا جلوس نکالنے لگے تو حکومت نے فوری طور پر حرکت میں آکر شہر میں کرفیو نافذ کرا دیا۔

اگلے روز ان قربانی کے بکروں کو دفنانے سے پہلے ان کا جلوس نکالنے کے لئے نواب خسرو جنگ اور صاحبزادہ نور محمد کے ساتھ مسلم رہنماؤں کی بات چیت کامیاب رہی چنانچہ جامع مسجد سے ماتمی جلوس ترتیب دیا گیا۔ جلوس کے آگے آگے چھوٹے بچے رکھے گئے۔ ان کے بعد جوان لڑکے لڑکوں کے بعد جوان مرد اور پھر بوڑھے رکھے گئے۔ آخر میں عورتیں رکھی گئیں۔ سبھی مرثیہ پڑھ رہے تھے۔

جلوس مزار شہداء پر اختتام پذیر ہوا۔

خانقاہ معلی اور بسنت باغ کے ان خونی واردات کی اطلاع دور دراز علاقوں تک پہنچ گئی تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک زبردست ہلچل مچ گئی۔ دنگا فساد شروع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلام آباد میں فائرنگ کی گئی۔ اسلام آباد میں جلوس پر شام کے وقت فائرنگ کی گئی۔ اِس

خونی واردات سے سارا اسلام آباد قصبہ ماتم کدہ بن گیا۔

قتل و غارت اور قید و بند کی اِس نئی لہر کے دوران وزیر اعظم ہری کرشن کول اور میر واعظ کی یوسف شاہ کے درمیان کئی خفیہ ملاقاتیں ہوئیں۔ ان ملاقاتوں کا راز افشا ہوا تو مولوی یوسف شاہ کے بارے میں کئی اندیشے پیدا ہو گئے۔ کئی اجتماعات میں جب ان پر ہوٹنگ کی گئی اور انہیں بُرا بھلا کہا گیا تو انھوں نے لوگوں کا ذہن صاف کرنے کے لئے حکومت کے خلاف اعلانِ جہاد کیا۔

فسادات کی ایک نئی لہر شروع ہو گئی۔ شوپیان میں مولوی عبداللہ وکیل کو گرفتار کر کے ان پر بغاوت کا الزام عاید کیا گیا۔ یہاں تین آدمی گولیوں سے مارے گئے اور سات زخمی ہو گئے۔

تمام مساجد کے اماموں سے تحریری اقرار لیا گیا کہ کسی بھی مسجد میں کوئی سیاسی جلسہ نہیں ہوگا اور اگر کسی مسجد میں کسی نے بھی کوئی سیاسی تقریر کی تو اس کی ذمہ داری اس مسجد کے امام پر عائد ہو گی۔

خونی فسادات یکم اگست سے ۳ر اکتوبر تک جاری رہے۔ اس دوران مختلف جگہوں پر ۵۰ آدمی مارے گئے اور پچاسی کے قریب زخمی ہوئے۔ سینکڑوں کی تعداد میں لوگ گرفتار کرلئے گئے۔ یہ سارے لوگ جو موت کے گھاٹ اُتارے گئے اور زخمی کئے گئے۔ ان کا خون بعض مسلم رہنماؤں کا غداری کا داغ دھلنے کے کام آگیا۔

شاید ان قربانی کے بکروں میں اور اضافہ ہو جاتا۔ اگر ۵ر اکتوبر کو مہاراجہ ہری سنگھ اپنی سالگرہ کے موقع پر تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی اور مارشل لاء میں ترمیم کرنے کا اعلان کرتے۔



:- تحریکِ حُرّیت کے جانباز سپاہی :-

(۱) اللہ رکھا ساغر ۔ (۲) عبدالمجید قرشی (۳) مولانا میرک شاہ اندرابی
(۴) محمد اکبر ڈار ۔ (۵) احمد اللہ شہداد (۶) عبدالمجید سالک ایڈیٹر انقلاب،
(۷) مفتی ضیاء الدین پونچھی (۸) حسین شاہ جلالی (۹) مولوی احمد اللہ ہمدانی ۔

ہم پر بھی سنگ برسے ہیں بس اتنی بات پر
ہاتھوں میں تھی کتاب لبوں پر اصول تھے

تحریکِ حُرّیت کا دُوسرا پڑاؤ

تحریکِ حُرّیت نے وادی سے نکل کر جمّوں کا رُخ اختیار کر لیا اور کئی جگہوں پر دنگا فسادات شروع ہو گئے سب سے زیادہ خطرناک صورتِ حال اس فساد نے میرپور میں اختیار کر لی۔ جمّوں کی "ینگ مینز ایسوسی ایشن" کے لیڈر سردار گوہر رحمان نے حکومت کی طرف سے لگان میں اضافہ کے خلاف ٹیکس نہ دینے کا فیصلہ کر لیا تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ لوگ گوہر رحمان کی حمایت میں نکل آئے اور انھوں نے ٹیکس دینا بھی بند کر دیا، حکومت کے لیے ایک مشکل صورتِ حال پیدا ہو گئی اور اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے سرکار نے نوٹیفکیشن ۲۴، ایل کا نفاذ عمل میں لایا۔

ٹیکس ادا نہ کرنے والوں کے لیے سخت سزائیں مقرر کی گئیں اور اس کی پاداش میں لاتعداد مسلمان جیلوں میں بند کر دیئے گئے ان کی جائیداد نیلام کر دی گئی جس سے لوگ مشتعل ہو گئے سردار گوہر رحمان اور اللہ رکھا ساغر کو گرفتار کر لیا گیا۔

میرپور کے ہندوؤں نے اپنے آپ کو سرکار کے ساتھ وابستہ کیا اور انھوں نے ٹیکس ادا نہ کرنے والے مسلمانوں کی کھُلم کھُلا مذمت کی ، جس کی وجہ سے کئی جگہوں پر ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے ان فسادات کو پھیلنے سے روکنے کے لیے میرپور کو فوج کے حوالے کیا گیا۔ میرپور کے جاگیردار جو پہلے ہی مسلمانوں کے تئیں بے انصافی برتنے میں پیش پیش تھے، مسلمان رہنماؤں کو گرفتار کرانے میں جُٹ گئے ۔ بیشتر مسلمانوں کی گرفتاری کے ساتھ مسجدوں میں تالے لگائے گئے یہاں تک کہ عیدگاہوں میں نماز ادا کرنا جرم قرار دیا گیا۔

اس کے باوجود بھی ۲۱ جنوری ۱۹۳۲ء کو عید کے موقع پر بے شمار مسلمان عیدگاہ میں جمع ہوئے ہندوؤں نے اس شک پر اپنی دوکانیں بند کر دیں کہ شاید مسلمان عید نماز کے بعد واپسی پر

ان سے بدلہ نہ لیں۔

پولیس اور فوج نے ایس ڈی ایم نیرتھ سنگھ کے حکم کے تحت عیدگاہ کو گھیر لیا، چند مسلمانوں کو پھنسا کر ان کے ذریعے نمازیوں کو عیدگاہ سے چلے جانے کو کہا گیا لیکن عام مسلمانوں نے اس بات کا یقین دلایا کہ نماز پڑھنے کے سوا اور کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کی جائے گی۔

نماز سے فارغ ہو کر جب وادی کشمیر کے شہیدوں کو خراجِ عقیدت ادا کرنے کی تحریک پیش کی گئی تو سردار نیرتھ سنگھ کی قیادت میں ایک رسالہ پلٹن یہاں آ گئی۔ منصف امرناتھ نے انہیں مسلمانوں پر یلغار کرنے کا حکم دیا۔

اجتماع کو ہٹا کر دوارہ کی طرف ہانک دیا گیا جس کی طرف ایک تنگ فٹ پاتھ تھا، اس فُٹپاتھ کے ایک طرف دریا ہے اور دوسری طرف پہاڑی، جب مسلمانوں کا بہت بڑا ہجوم اس فٹ پاتھ پر چلنے لگا تو پیچھے سے آنے والے ہجوم کو ان کی طرف دھکیل دیا گیا، ایک بھگدڑ مچ گئی جس سے کئی لوگ گر گئے اور وہ ہجوم کے پاؤں تلے روندے جانے لگے، کئی گرتے لُڑھکتے پانی میں ڈوب گئے۔ اسی دوران اندھا دُھند فائرنگ کی گئی جس سے ۲۵، افراد موقع پر ہی شہید ہو گئے۔

اس خونریزی میں بھی کئی جیالے مسلمانوں نے جان پر کھیل کر مقابلہ کیا اور ان ہندوؤں کی دُکانوں اور مکانوں سے وہ رجسٹریاں حاصل کر کے جلا ڈالیں جن میں ان کے پُرکھوں کا قرض سود در سود درج تھا اور جو سالہا سال کی ادائیگی کے بعد بھی اصل زر سے کئی گنا زیادہ حالت میں موجود تھا۔

میرپور کی یہ اندوہناک کہانی اس سے قبل کوٹلی اور اس کے آس پاس کے گاؤں میں بھی دہرائی تھی۔ ۱۸، اور ۱۹، جنوری کی رات کو اس علاقے کے مسلمانوں نے ڈوگرہ فوج پر حملہ کیا تصادم میں چھ مسلمان [redacted] گئے۔ اس کے جواب میں مسلح فوج نے ۲۵ جنوری کے روز ان مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا جو ہندو [redacted]گیرداروں کے لیے معرکہ آرائی کا ارادہ رکھتے تھے، اس کے باوجود بھی چند ہندو گھرانے جلائے گئے تھے۔

ڈوگرہ فوج نے علاقہ محاصرے میں لے لیا اور مسلمانوں کی پکڑ دھکڑ شروع کی، ایک مقامی لیڈر گل محمد کے گھر میں اس صورتِ حال پر غور و خوض ہو رہا تھا کہ کسی نے افواہ اُڑائی کہ یہاں مسلمان ڈوگرہ فوج پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے ڈوگرہ فوج نے اس گھر کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور اس میں آگ لگا دی گئی

کئی مسلمان زندہ جلائے گئے تھے۔ دوسرے روز ان سبھوں کی جلی ہوئی لاشیں ایک ہی قبر میں دفنائی گئیں۔

اس دوران بے شمار مسلمانوں کو گرفتار کر کے مختلف تکلیفوں میں انہیں مبتلا کیا گیا۔ کوٹلی کا یہ دردناک حادثہ ابھی تازہ تھا کہ میرپور میں دہشت گردی کا بھیانک کھیل کھیلا گیا۔ سردار گوہر رحمان جو کٹھوعہ جیل میں نظر بند تھے جب انہیں ان دہشتناک واقعات کی اطلاع مل گئی تو انھوں نے میرپور کے مسلمانوں کے نام ایک بیان جاری کیا۔

"برادرانِ اسلام!

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

مجھے معلوم ہوا ہے کہ میری گرفتاری کے بعد سے آج تک آپ کو بے انتہا مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ آپ کو توپوں اور بندوقوں سے کچلنے کی کوشش کی گئی ہے اور آپ کو دو ایک بار گولی کا نشانہ بھی بنایا گیا ہے۔ لگان وصول کرنے کے لیے حکومت نے آپ کے مویشی حتیٰ کہ آپ کی پردہ دار عورتوں کے زیور بھی بہ جبر ضبط کر لیے ہیں۔ آپ کو مرعوب کرنے کے لیے زمین پر بے انتہا ڈوگرہ فوجیوں کی اور سر پر مستعار ہوائی جہازوں کی نمائش ہو رہی ہے۔ دوسری طرف سید بڈھے شاہ جو اس سے قبل سرینگر اور جموں میں حکومتِ کشمیر کی بیش بہا خدمات ادا کر چکے ہیں آپ کو ہر ممکن طریق سے گمراہ کرنے میں کوشاں ہیں وہ میرپور کے دو ایک مولویوں کو اپنے ڈھب پر لے آئے ہیں اور ان نام نہاد علماء کے دستخطی اعلان سے آپ کو لگان کی ادائیگی کی ترغیب دی جا رہی ہے لیکن الحمدللہ کہ آپ ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے جائز حقوق کے مطالبہ پر اڑے ہوئے ہیں۔ میں آپ کو اعلان ہذا کے ذریعے مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ سید بڈھے شاہ اور اس قسم کے دوسرے غدارانِ ملّت کے فریب سے آپ کے لیے بچنا ضروری ہے اور ان مصائب میں جن کا آج کل آپ کو سامنا ہے ہر طرح ثابت قدم رہنا ہی خدا کے فضل و کرم سے کامیابی و کامرانی



سردار گوہر رحمان

کی دلیل ہے تا آنکہ آپ کے مطالبات مان لیے جائیں۔
اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کا حافظ و ناصر ہے۔

آپکا خادم
گوہر رحمان کٹھوعہ، جیل ۔"

سرینگر میں سردار گوہر رحمان کے اس بیان کا شدید ردِّ عمل ہوا، خانقاہِ معلّیٰ میں مفتی ضیاء الدین پونچھی نے حکومت کے خلاف سخت الفاظ میں اس کی نکتہ چینی کی اور حکومت کو میرپور کے مسلمانوں پہ ہاتھ روکنے کی وارننگ دی۔ مفتی صاحب کے لب و لہجہ کا حکومت نے سخت نوٹس لیا پہلے انھیں گرفتار کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی انہیں جلائے وطن کیے جانے کا حکم سنایا گیا۔

مسلمان نمائندوں نے جلائے وطنی کے اس حکم پہ زبردست پروٹسٹ کیا۔ شیخ عبداللہ اور دوسرے کئی احباب احتجاجی مراسلے لے کر گورنر کشمیر ٹھاکر کرتار سنگھ کے پاس گئے۔ گورنر نے انھیں وزیر اعظم سے رجوع کرنے کو کہا، وزیر اعظم کی کوٹھی پہ اس وفد کو دو گھنٹے تک روکے رکھا گیا۔ ملاقات کے انتظار میں انہیں ذہنی کوفت میں مبتلا کر دیا گیا۔ اس دوران مفتی ضیاء الدین کو جلاوطنی کے پہلے پڑاؤ کے طور پہ جموں پہنچایا گیا، جب مسلم نمائندگان کو حکومت کی اس چال کا پتہ چلا تو شیخ عبداللہ مسٹر گلینسی کے پاس شکایت کرنے گئے۔ لیکن یہاں انھیں اپنے جذبات قابو میں رکھنے کی ہدایت کے سوا اور کوئی معقول جواب نہیں دیا گیا۔ انہیں اس سلسلے میں فی الحال خاموش رہنے کو کہا گیا لیکن انھوں نے جمعہ ۲۳ جنوری کو خانقاہ معلّیٰ میں اجتماع کے سامنے مفتی ضیاء الدین پونچھی کی گرفتاری


مفتی ضیاء الدین پونچھی

اور جلائے وطنی پہ حکومت کی شدید الفاظ میں نکتہ چینی کی، اس نکتہ چینی کی پاداش میں انہیں اسی رات گرفتار کر لیا گیا۔ حالانکہ گرفتاری سے قبل ہاؤس بوٹ میں جہاں وہ قیام پذیر تھے وزیر اعظم کے پرائیویٹ سیکریٹری پنڈت جیون لال نے انھیں اطلاع دی تھی کہ مفتی ضیاء الدین کے بارے میں حکم کی نظر ثانی کی جا رہی ہے۔ لہذا سیاسی فضا پرامن رکھی جائے۔

مفتی ضیاء الدین پونچھی اور شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری پہ مولوی عبداللہ وکیل نے

اخبارات کے لیے ایک بیان جاری کیا:

"مفتی ضیاء الدین صاحب کو، جو مسلمانان کشمیر کے مفاد کے لیے ایک قیمتی وجود ہیں گذشتہ ہفتہ جلاوطنی کا حکم موصول ہوا تھا۔ جس پر مسلمانوں نے پروٹسٹ کیا حکام کی طرف سے مسٹر ایس، ایم عبداللہ کو امید دلائی گئی کہ معاملہ پر دوبارہ غور ہو رہا ہے سوموار کے روز وہ اس غرض سے گورنر کے پاس گئے کہ جموں میں ٹیلی فون پر دوبارہ غور کا نتیجہ معلوم ہونے کی توقع تھی جیساکہ پہلے سے طے شدہ تھا، لیکن ابھی آپ وہیں تھے کہ پولیس نے مفتی ضیاء الدین کو جبراً ریاست سے باہر بھیج دیا، جس سے پبلک میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا، پچھلے پہر بہت لوگ خانقاہِ معلّیٰ میں جمع ہو گئے جن کے سامنے محمد عبداللہ نے تقریر کی، غروب آفتاب کے بعد آپ کو معہ چھ رفقاء کے تقریر کرنے اور خلاف قانون مجمع میں شمولیت کی بناء پہ گرفتار کر لیا گیا۔ ان کا مقدمہ آج سے شروع ہے پبلک بے صبری سے نتیجہ کی منتظر ہے حالات سخت نازک ہیں اور اگر اس تشدّد کو دور کرنے کا جلد انتظام نہ کیا گیا تو نہایت ناگوار نتائج کا احتمال ہے۔"

اِن گرفتاریوں کے ساتھ ہی شہر سرینگر میں مارشل لاء ۱۹ اپریل جاری کیا گیا، قیدیوں کو ایک مختصر سی پیشی کے بعد چھ ماہ کی سزا دے کر سرینگر سینٹرل جیل بھیج دیا گیا۔ یہاں ان کی ملاقات مولانا محمد سعید مسعودی سے ہوئی جو ایک سیاسی تقریر کی پاداش میں پہلے ہی پابندِ سلاسل کیے گئے تھے۔

جمّوں کے مسلم نمائندگان نے مہاراجہ ہری سنگھ کے نام ایک احتجاجی مراسلہ روانہ کیا جس میں مفتی ضیاء الدین پونچھی سردار گوہر رحمان، شیخ عبداللہ اور دیگر ساتھیوں کی گرفتاری پہ سخت ناراضگی کا اظہار کیا گیا اور حکومت کو وارننگ دی گئی کہ اگر یہ حکم واپس نہیں لیا گیا تو اس کے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

"ہم نمائندگان جموں مؤدّبانہ گزارش کرتے ہیں، چونکہ اب تک کشمیر میں حالات بالکل پُرامن ہیں اور آپ کی رعایا بالکل وفادار رہی ہے اس لیے صوبہ جموں میں ریگولیشن ۱۲ / ۱۹۱۸ء کا نفاذ منسوخ کر دیا جائے اس ضمن میں شیخ عبداللہ نے جو تار سرکار کو بھیجا ہے ہم اُس کی حمایت کرتے ہیں۔

مفتی ضیاء الدین کی جلاوطنی کی وجہ سے بھی جوش پھیل گیا ہے افسوس ہے کہ مفتی صاحب کو اپنی پوزیشن واضح کرنے کا موقع نہ دیا گیا اور اُن کی بابت کشمیر کے

نہایت بارسوخ رہنما شیخ محمد عبداللہ نے جو یقین دلایا تھا اس پر کوئی غور نہیں کیا گیا ایک نمائندے کے یقین دلانے کو قابلِ توجہ نہ سمجھنا، اس جماعت کی توہین ہے جس کا وہ نمائندہ ہے اس لیے ہم نہایت مؤدبانہ طور پر ہز ہائینس سے درخواست کرتے ہیں جیساکہ شیخ عبداللہ نے درخواست کی تھی کہ مفتی ضیاء الدین کی جلا وطنی کا حکم واپس لے لیا جائے۔ ہم اس کی توثیق کرتے ہیں، مفتی صاحب کی جلا وطنی پر کشمیر میں بہت جوش پھیل گیا تھا۔ لوگ قدرتی طور پر اپنے غصّے کے جذبات کو مظاہروں کی شکل میں ظاہر کرنا چاہتے تھے لیکن افسوس ہے حکام اس ضمن میں ایک پُر امن جلوس کو بھی برداشت نہ کر سکے۔ اس پر اکتفا نہ کیا گیا بلکہ شیخ عبداللہ کو بھی گرفتار کیا گیا، ان کی گرفتاری پر بہت بدامنی پھیل گئی اور ہمیں خطرہ ہے کہ اس نازک موقع پر اس غیر دانشمندانہ گرفتاری پر تباہ کُن نتائج بر آمد نہ ہوں۔

جمّوں میں پہلے ہی بے حد کشیدگی ہے کیونکہ ہندو ہر روز جلسے منعقد کر رہے ہیں جن میں اشتعال انگیز تقریریں کی جاتی ہیں۔ میرپور کی صورت حال پر بھی پورے طور پر قابو حاصل نہیں ہوا ہے۔ کوٹلی اور دوسرے اطراف سے اضطراب انگیز خبریں برابر موصول ہو رہی ہیں، یہ تمام واقعات افسوسناک ہیں۔ اِن حالات میں ہم شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے خلاف پُرزور احتجاج کرتے ہیں۔

دستخط

چوہدری غلام عباس خاں، عبدالحمید خاں، مستری یعقوب علی

۱۱ر فروری ۱۹۳۲ء "

۱۵ر فروری سے شہر میں بدامنی کا دور دورہ شروع ہوا، جلسے جلوس اور مظاہرے شروع ہوئے، خانقاہ معلّیٰ، جامع مسجد اور حضرت بل سیاسی سرگرمیوں کے مراکز بن گئے لوگ گرفتاریاں دینے کے لیے اسٹیج پر آئے اور ڈوگرہ راج کے خلاف نعرے بلند کر کے گرفتار ہوتے گئے۔

۱۹ر ابل کی خلافِ ورزی کی پاداش میں ایک ہی پیشی پر انھیں تین ماہ سے چھ ماہ تک اور دس روپے سے پچیس روپے تک کا جرمانہ سنایا گیا۔

جموں کے مسلم نمائندگان شیخ عبداللہ کی رہائی کے لیے جد و جہد کر رہے تھے۔ اور شیخ عبداللہ سمجھ رہے تھے شاید انھیں طویل مدّت تک قید میں رہنا پڑے گا۔ قیدِ تنہائی میں انھوں نے محسوس

کیا شاید انہیں کوٹلی اور میرپور کے واقعات کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ کچھ بھی ہو اس وقت وہاں کے بچے کھچے اور دبے کچلے مسلمانوں کو مسلم رہنماؤں کی طرف سے حوصلہ افزائی کی ضرورت تھی اور اُن کے زخموں پر مرہم رکھنے کی ضرورت تھی لیکن اس کے برعکس ان کے زخموں پر نمک پاشی کی گئی۔

شیخ عبداللہ نے جیل سے اس سلسلے میں وزیرِ اعظم کو جو خطوط لکھے وہ اس طرح ہیں:۔

" کوارٹر گارڈ، بادامی باغ چھاؤنی

۲۳ر جنوری ۱۹۳۲ء

آنریبل جناب پرائم منسٹر صاحب!

جنابِ والا! میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے اعلان کے باوجود ملک میں افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں کہ میں نے عدم ادائیگی مالیہ کی تحریک شروع کر رکھی ہے یا شروع کرنے والا ہوں۔

میں اس خطرناک اور مکروہ ذہنیت پر بے حد افسوس کا اظہار کرتا ہوں اس قسم کی افواہیں پھیلا کر غریب کسانوں کو عام طور پر مصائب میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کولگام اور بارہ مولہ کے غریب کسانوں کو بالخصوص تکلیف میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اس موقع پر میں علی الاعلان کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مسلمانانِ کشمیر سول نافرمانی کے پروگرام پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور عدم ادائیگی مالیہ کی تحریک کے مخالف ہیں لہٰذا میں آپ پر یہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ انتظامیہ کے افسروں کو ہدایت کر دیں کہ ان افواہوں پر پریشان نہ ہوں اور خود غرض مفسد پردازوں کی اُڑائی ہوئی افواہوں اور منصوبہ بازوں سے متاثر نہ ہوں میں ریاست میں امن و امان کا آرزومند ہوں، مجھے امید ہے کہ میری بات پر یقین کر دیا جائے گا۔

آپ کا

ایس، ایم، عبداللہ

شیخ محمد عبداللہ کی اس یقین دہانی اور تحریک کے ساتھ اس غداری کے باوجود جب حکام نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی تو انھوں نے وزیرِ اعظم کو ایک اور خط لکھا:۔

"۳۰ جنوری ۱۹۳۲ء
گوارٹر گارڈ بادامی باغ چھاؤنی

پیارے جناب آنریبل پرائم منسٹر صاحب!

جناب والا!

میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کے پرائم منسٹر بننے سے ہماری یہ امید بندھ گئی تھی کہ آپ دوسرے حاکموں کے مقابلے میں ہمارے ساتھ انصاف سے کام لیں گے مگر آپ نے وزارت عظمیٰ سنبھال کر اب تک دوبار مجھے قید کرا دیا۔ پہلی بار جب مجھے قید کرایا گیا تو اس وقت آپ کے پاس شہر میں شورش کا جواز تھا مگر اب کی بار ۲۳ جنوری کو کس قصور کی بناء پر مجھے گرفتار کروایا گیا۔ یہ میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔

میرا خیال ہے شاید مجھے میرپور اور کوٹلی کے واقعات سے جوڑ دیا گیا ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرپور کے باشندگان کا اپنا اندرونی معاملہ ہے جس کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں، لہٰذا گزارش ہے کہ اس تحریک کے ساتھ ہمیں ہرگز منسلک نہ کریں۔

آپ کی درازئ عمر کا دعاگو

تابعدار آپ کا

(انگریزی سے ترجمہ) ایس۔ ایم۔ عبداللہ"

وزیر اعظم ہری کرشن کول نے اسی خط پر شیخ عبداللہ کی رہائی کی سفارش لکھ کر مہاراجہ کی خدمت میں بھیج دیا۔

میرپور کے خونیں فسادات اور وہاں کے مالی اور جانی نقصانات کی تفصیل لے کر چوہدری غلام عباس خاں کی سرکردگی میں ایک وفد مسٹر گلینسی سے ملا، وفد نے میرپور میں قتل و غارت کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کی گرفتاری سے پیدا شدہ صورت حال سے مسٹر گلینسی کو واقفیت دلادی اور اُن سے درخواست کی اگر وہ ہری سنگھ سے بالمشافہ ملاقات کرانے میں ہماری مدد کریں تو بہت ساری غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں۔

۲۹ جنوری کو نمائندگان کو اطلاع دی گئی کہ ۳۰ جنوری دن کے تین بجے مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کا وقت مقرر ہوا ہے۔ وفد تین بجے مہاراجہ بہادر کی قیام گاہ پر پہنچا تو مہاراجہ اور

وزیر اعظم کے ساتھ ان کا تبادلہ خیال ہوا۔ وفد میں چوہدری غلام عباس خاں، مستری یعقوب علی، سیّد محمد امین اور شیخ محمد امین شامل تھے۔

وفد کی طرف سے مستری یعقوب علی نے مسلمانوں کا کیس پیش کیا، مہاراجہ کی طرف سے جوابات وزیر اعظم راجہ ہری کرشن کول دے رہے تھے۔ یہ ملاقات دو گھنٹے تک جاری رہی جس میں مسلم وفد نے عوام پر روا رکھے گئے ظلم و ستم کی تفصیلات پیش کر دیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے وفد کی شکایات گرہ میں باندھ لیں۔ اور مناسب وقت پر وزیر اعظم ہری کرشن کول کو وزارتِ عظمیٰ کے عہدے سے برطرف کر دیا۔

شیخ محمد عبداللہ نظر بندی سے رہا کیے گئے تو وہ ٹوٹ سے گئے تھے، وہ بے حد مایوس تھے۔ رہائی کے بعد وہ سرینگر کی اپنی رہائش گاہ پر آئے تو انھوں نے منشی نصیرالدین کو اپنے ساتھ رہنے کو کہا جو حال ہی میں ۹ ماہ کی قید کاٹ کر آئے تھے۔

بقول نصیرالدین اُن دنوں ہماری حالت بے کسی کی سی تھی۔ محمد یوسف علیگ شیخ عبداللہ کی مالی مدد کیا کرتے تھے، اور مولوی محمد سعید مسعودی ان کا جیب خرچ پورا کرتے تھے۔ لیکن میرے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا۔ میں نے شیخ عبداللہ کے سامنے تجویز رکھ دی کہ کیوں نہ ہم لوگوں سے چندہ کی اپیل کریں۔ چنانچہ ہم نے چند خصوصی محبّوں کو بلایا ان میں غلام احمد وانی آبی گزر، میر مقبول خانیاری، خواجہ حبیب اللہ، خواجہ مہدہ جو ٹنکی، حاجی فرید، خواجہ عبدالرزاق بیگ وغیرہ شامل تھے۔

شیخ صاحب نے ان سے چندہ دینے کی اپیل کی اور ہمیں اس طرح نو سو روپے مہیا ہو گئے ہم نے از سرِ نو سرگرمی شروع کر دی، اسی دوران ہمیں پتھر مسجد واپس مل گئی ہم نے وہاں پر عارضی طور پر دفتر کھولا، ابتدائی وفادار رضا کاروں میں سے نور محمد، عبدالغفار، محمد یحییٰ رفیقی کو دفتری کام سنبھالنے کے لیے رکھا گیا۔

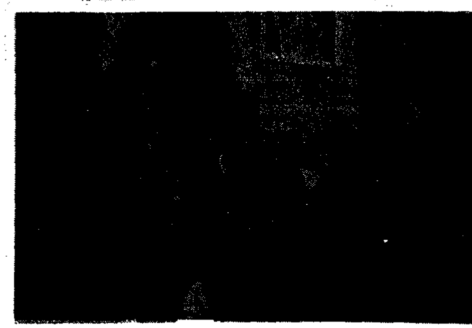
ہم نے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے لیے چندہ جمع کرنے کی ایک سکیم ریلیف کے نام پر مرتّب کی۔

اس میں پیر فخرالدین، پیر مقبول سیفی، غلام الدین بانڈے کو آنریریم دے کر مامور کر دیا۔ ریلیف کا پہلا تجربہ میں نے تحصیل پلوامہ میں اپنے چھوٹے بھائی نذیر احمد سے کرایا جو کامیاب رہا۔

شیخ محمد عبداللہ نے شہر کے علاوہ مفصلات کا دورہ شروع کیا اور ہر جگہ ہمیں روپے ملتے

رہے ۔ شہر میں تنظیمی کمیٹیاں ہر محلے میں قائم ہو چکی تھیں اس سے ہمیں مستقل طور پر ماہوار آمدنی ہوتی رہی ۔

دفاتر میں مسلمان ملازمین سے بھی ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے تنخواہوں سے زرِ چندہ وصول کرنے کا بندوبست کر دیا ۔ اس ساری رقم کا بیشتر حصہ شیخ صاحب کے ذاتی اخراجات کے لیے وقف کیا گیا تھا "



باب (۳)

کشمیر میں ۱۹۳۱ء کا سانحہ
اور
اس پر بیرونی اثرات

کہانی میری رودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سُنتا ہے اُسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے

جُز

فقط اس آسرے پر رات کاٹی شمع نے رو رو کر
کہ شاید صبح تک زندہ مرا پروانہ ہو جائے

تحریکِ حُریّت اور کشمیر کمیٹی

ریاست جموں وکشمیر میں جو خونی واقعات رونما ہوئے وہ تاریخ کا ایک ایسا باب بن گئے جنہیں رہتی دُنیا تک یاد کیا جائے گا۔ یہ سانحہ دوررس نتائج کا حامل بھی ہے اور ایک عبرتناک واقعہ بھی۔ اس کے لئے جہاں ڈوگرہ شاہی نے اپنا راج وتاج برقرار رکھنے کے لئے ایک سو کے قریب افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا وہاں مسلم قیادت نے بھی عوام سے کی گئی غداری کا داغ مٹانے کے لئے اکیاون آدمیوں کو ڈوگرہ فوج کے ہاتھوں قتل کروادیا۔ کُل ملا کر یہ سارا خون ڈوگرہ حکمرانوں کی گردن پر سوار ہوا اور اس کے لئے نہ صرف ریاست میں زبردست اضطراب پیدا ہوگیا بلکہ ریاست سے باہر بھی ان واقعات نے لوگوں کو حیران و پریشان کر دیا۔ ان واقعات کی گونج نہ صرف برصغیر میں سنائی دی بلکہ کئی بیرونی ممالک بھی متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکے۔

ایک طرف برٹش سرکار کے اعلیٰ عہدیداروں نے ان خونی واقعات کے بارے میں مہاراجہ ہری سنگھ سے باز پُرس کی دوسری طرف برصغیر کے سیاسی اور مذہبی رہنماؤں نے ان واقعات کے بارے میں سخت احتجاج اور واویلا کیا۔

مظلوم کشمیریوں کے لیے ڈوگرہ شاہی کے خلاف ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک آواز بلند ہونے لگی۔ کئی برگزیدہ اشخاص نے نہ صرف مظلوم کشمیریوں کے ساتھ زبانی ہمدردی جتائی بلکہ ان کی بھرپور مدد کرنے کی پیش کش بھی کی۔

ان برگزیدہ اشخاص میں مہاتما گاندھی، محمد علی جناح، جواہر لال نہرو، نواب زادہ لیاقت علی خاں، لالہ لاجپت رائے، مولانا ابوالکلام آزاد، سر محمد اقبال، خان عبدالغفار خان، عبدالقیوم خان،

نواب بھوپال حمیداللہ خاں، مرزا بشیرالدین محمود احمد، سر سکندر حیات خاں، رئیس الاحرار، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، عبدالمجید سالک، محمد دین فوق، سر فضل حسین، سید حبیب ایڈیٹر سیاست، مولانا ظفر علی خاں، مولانا غلام رسول مہر، خواجہ حسن نظامی، آغا شورش کاشمیری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، عبدالرحیم مہر، ذوالفقار علی خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور سید محسن شاہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ ریاست سے باہر بسنے والے اُن لوگوں، جن کی رگوں میں کشمیری خون دوڑ رہا تھا، انکی رگِ حمیت بھڑک اُٹھی۔

جو لوگ کشمیر کی ابتر حالت سے متاثر ہوکر بہت پہلے کشمیر چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ بھی یہاں کے ان خونی واقعات سے بے حد متاثر ہوکر اس سرزمین کے حالات کی طرف متوجہ ہوئے کئی برگزیدہ ہستیوں نے کشمیر کے حالات کے ساتھ وابستہ ہوکر بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

ہندو پریس جو ابتدا ہی سے ڈوگرہ رجواڑوں کی حمایت میں اپنا بھرپور حصّہ ادا کر رہا تھا ۱۹۳۱ء کے خونی واقعات نے مسلم پریس کو گویا جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ ڈوگرہ شاہی کے خلاف اپنی آواز بلند کرنے کے لیے سامنے آگیا۔ "انقلاب"۔ "زمیندار"۔ "سیاست" "الفضل" اور "لائٹ"، جو ابتدا سے ہی مظلوم کشمیریوں کی حمایت کر رہے تھے اب کھلم کھلا سامنے آگئے جس کی پاداش میں ان اخبارات پر پابندی عائد کی گئی۔



سر محمد اقبال

۱۹۳۱ء کے ان خونی واقعات نے جہاں برّصغیر کو بے حد متاثر کیا وہاں پنجاب کے مسلمان کچھ زیادہ ہی اس سلسلے میں الجھ گئے۔ کشمیری مظلومین کے ساتھ اظہارِ ہمدردی اور ان کی بھرپور مدد کرنے کے سلسلے میں علاّمہ اقبال نے "کشمیر کمیٹی" تشکیل دی البتہ اپنی مصروفیات کی بناء پر اس کمیٹی کی صدارت کے لیئے قادیانیوں کے امام مرزا بشیرالدین محمود احمد کو مقرر کیا۔

۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں "کشمیر کمیٹی" کا پہلا اجلاس سر ذوالفقار علی خاں آف مالیر کوٹلہ کی کوٹھی پر منعقد ہوا۔ اس میں مرزا بشیرالدین محمود احمد، شمس العلماء خواجہ حسن نظامی، سر

میاں فضل حسین، ڈاکٹر سر محمد اقبال، جناب نواب صاحب گنجپورہ خان بہادر شیخ رحیم بخش ریٹائرڈ سیشن جج، سید شاہ ایڈووکیٹ، مولوی محمد اسماعیل غزنوی، مولوی نورالحق مالک "مسلم آؤٹ لک" لاہور، سید حبیب صاحب ایڈیٹر "سیاست" لاہور شامل ہوئے۔

اس کمیٹی میں شرکت کے لیے کشمیر سے خصوصی طور پر سیّد مبارک شاہ اندرابی اور جموں سے جناب اللہ رکھا ساغر مدعو کیئے گئے تھے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے تجویز کیا کہ امام جماعت احمدیہ اس کمیٹی کے صدر ہوں کیونکہ ان کے کافی وسائل ہیں مخلص اور کام کرنے والے کارکن بھی ہیں، یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ ان سے بہتر اور کوئی آدمی نہیں ہے، خواجہ حسن نظامی نے ڈاکٹر اقبال کی اس تجویز کی تائید کی۔ "کشمیر کمیٹی" کو بعد میں وسعت دے کر اس میں بعض اہم شخصیات کو شامل کیا گیا ان کی مکمل فہرست حسب ذیل ہے:

۱۔ مرزا بشیرالدین محمود	صدر	قادیان
۲۔ عبدالرحیم درد	سکریٹری	
۳۔ ایم محمد اسماعیل حاجی صاحب	ممبر	کلکتہ
۴۔ احمد عبدالستار صاحب دی آنریری سکریٹری کلکتہ مجلس	"	"
۵۔ حاجی سید سہروردی صاحب بارایٹ لا	"	"
۶۔ مولانا ابوظفر وجیہہ الدین صاحب	"	"
۷۔ محمد علی اللہ بخش صاحب سکریٹری مسلم فیڈریشن	"	بمبئی
۸۔ مسٹر عبدالرشید ڈنسٹنگر	"	"
۹۔ مولانا ابو یوسف اصفہانی صاحب	"	شمالی بمبئی
۱۰۔ قاضی کبیرالدین صاحب	"	بمبئی
۱۱۔ ڈاکٹر شفاعت احمد خان صاحب	"	الہ آباد
۱۲۔ میاں سید جعفر شاہ صاحب	"	شاہ آباد
۱۳۔ جناب سیّد کشفی شاہ نظامی	"	رنگون
۱۴۔ جناب مولانا حسرت موہانی	"	کانپور

۱۵۔ سید عبدالحفیظ صاحب	ممبر	ڈھاکہ
۱۶۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد داؤدی	"	ایبٹ آباد
۱۷۔ مولانا محمد شفیع داؤدی	"	پٹنہ
۱۸۔ نواب ابراہیم علی خاں	"	کرنال
۱۹۔ چوہدری عبدالمتین صاحب	"	سلہٹ آسام
۲۰۔ جناب مشیر حسین قدوائی	"	لکھنؤ
۲۱۔ سید غلام بیگ نیرنگ	"	انبالہ
۲۲۔ مولانا سید حبیب اللہ	"	لاہور
۲۳۔ مولوی نورالحق صاحب	"	لاہور
۲۴۔ مولانا غلام رسول مہر صاحب		
۲۵۔ سید محسن شاہ صاحب (سکریٹری آل انڈیا کشمیر کانفرنس)	ممبرؔ	لاہورؔ
۲۶۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال	"	"
۲۷۔ مولانا محمد یعقوب صاحب (ایڈیٹر 'لائٹ')	"	"
۲۸۔ خان بہادر شیخ رحیم بخش صاحب	"	"
۲۹۔ آنریبل نواب سر ذوالفقار علی خاں	"	"
۳۰۔ مولانا عبدالمجید سالک صاحب	"	"
۳۱۔ جناب محمد رفیق صاحب ایڈوکیٹ	"	"
۳۲۔ ملک برکت علی صاحب ایڈوکیٹ	"	"
۳۳۔ حاجی شمس الدین صاحب	"	"
۳۴۔ میاں فیروز الدین (سکریٹری خلافت کمیٹی)	"	"
۳۵۔ میاں نظام الدین رئیس	"	"
۳۶۔ میاں فضل کریم صاحب	"	"
۳۷۔ ڈاکٹر عبدالحق	"	"
۳۸۔ سید عبدالقادر پروفیسر اسلامیہ کالج	"	"

۳۹۔ مولانا علیم الدین سالک	ممبر	لاہور
۴۰۔ جناب غلام مصطفیٰ ایڈوکیٹ	"	"
۴۱۔ جناب شیخ نیاز علی صاحب	"	"
۴۳۔ پیر اکبر علی ایم ایل سی	"	فیروزپور
۴۴۔ چوہدری محمد شریف الدین صاحب	"	منٹگمری
۴۵۔ مولانا مظہر الدین صاحب	"	دہلی
۴۶۔ چوہدری محمد شفیع صاحب	"	"
۴۷۔ شمس العلما خواجہ حسن نظامی	"	"
۴۸۔ حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون	"	کراچی
۴۹۔ مولانا سید محمد اسماعیل غزنوی	"	امرتسر
۵۰۔ شیخ محمد صادق صاحب ایم ایل اے	"	"
۵۱۔ مولانا عقیل الرحمان ندوی	"	سہارنپور
۵۲۔ مولانا جلال الدین شمس	"	قادیان
۵۳۔ مولانا عصمت اللہ صاحب	"	سیالکوٹ
۵۴۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ	"	لاہور
۵۵۔ جناب غلام مصطفیٰ بار ایٹ لا	"	گجرانوالہ
۵۶۔ جناب ایم حسام الدین آنریری مجسٹریٹ	"	امرتسر
۵۷۔ مولانا کرم علی صاحب	"	لکھنؤ
۵۸۔ مولانا سید مبارک شاہ اندرابی کشمیری	"	کرنال
۵۹۔ شیخ صادق حسین ایم ایل اے	"	لکھنؤ
۶۰۔ شیخ فضل الحق صاحب	"	بھیرہ
۶۱۔ سید ذاکر علی شاہ صاحب	"	لکھنؤ
۶۲۔ مولانا مولوی عبدالمجید صاحب	"	دیوبند
۶۳۔ چوہدری اسداللہ خاں صاحب	"	لاہور
۶۴۔ شاہ مسعود احمد ایم ایل اے	"	"

۶۵۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ — ممبر — قادیان

۶۶۔ ایس۔ ایم۔ عبداللہ نائب صدر میونسپلٹی — " — دہلی

"کشمیر کمیٹی" میں ان برگزیدہ اشخاص کے ساتھ ساتھ مجلسِ احرار نے مظلوم کشمیریوں کی مالی اور جانی مدد کرنے کا اعلان کیا۔

آل انڈیا مجلس احرار کی بنیاد چند سرکردہ عالم رہنماؤں نے ہندوستان میں کانگریس کے ساتھ اختلافات کی بنا پر ڈالی تھی۔ یہ انجمن مسلم لیگ کی سیاست سے بھی الگ ایک جماعت تھی۔ اس مجلس کے سرکردہ اراکین رئیس الاحرار سید عطاء اللہ شاہ بخاری (کریری کشمیر) مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی، چوہدری افضل حق، مولانا داؤد غزنوی، مولانا مظہر علی اظہر اور شیخ حسام الدین قابلِ ذکر ہیں۔

کشمیر کے مسلمان رہنماؤں کی طرف سے ۲۱ رجولائی ۱۹۳۱ء کو شہدائے کشمیر کے خونی کپڑے "کشمیر کمیٹی" کو بھیج دیئے گئے تھے۔ تاکہ وہ بیرون ریاست ان کی نمائش کرا کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کی توجہ کشمیری مظلومین کی حالت کی طرف مبذول کرائیں، سیالکوٹ میں جب ان خونی کپڑوں کو اجتماع کے سامنے لہرایا گیا تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اسی وقت ڈوگرہ راج سے اس خونِ ناحق کا بدلہ لینے کی قسم کھائی اور احراری جتھہ کشمیر روانہ کرنے کا فیصلہ کر لیا، البتہ احراری جتھہ کشمیر روانہ کرنے سے قبل انھوں نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے ایک نمائندہ وفد یہاں بھیج دیا۔

شیخ عبداللہ جیل سے رہا ہوئے تو انہیں احراری نمائندوں کے آنے کی اطلاع مل گئی، وہ سخت ناراض ہو گئے اور انھوں نے فوری طور پر احمدی فرقہ کے امام مرزا بشیر الدین محمود کو ایک تار بھیج دیا۔

SECRETARY KASHMIR COMMITTEE

QADIYAN

8-SEPT 1931- AHRAR DEPUTATION.
ARRIVED HERE STAYING AS STATE
GUESTS SHOULD WE CO-OPERATE.
YOUR DEPUTATION BADLY NEEDED

ABDULLAH

(احراری وفد یہاں پہنچ گیا ہے اور سرکاری مہمان کی حیثیت سے ٹھہرا ہوا ہے کیا ہم اس سے تعاون کریں۔ آپ کے وفد کی اشد ضرورت ہے۔ — عبداللہ)

اس تار کے بعد مرزا بشیر الدین محمود نے یہاں اپنا وفد بھیجنے کے بجائے یہاں سے مسلم رہنماؤں کا ایک وفد طلب کیا۔ سات افراد پر مشتمل وفد نے قادیان جا کر مرزا صاحب سے ملاقات کی لیکن اس وفد میں شیخ عبداللہ کی غیر موجودگی شدت سے محسوس کی گئی، اس لیئے وفد کے ساتھ حتمی بات چیت نہیں ہو سکی۔ مرزا بشیر محمود دراصل شیخ عبداللہ سے ملنا چاہتے تھے کیونکہ لاہور میں قیام کے دوران شیخ محمد عبداللہ مرزائی عقیدے کے ساتھ وابستہ ہو چکے تھے۔ چنانچہ وفد کے ارکان کے ساتھ رسمی بات چیت کے بعد انہیں رخصت کیا گیا، اور شیخ عبداللہ کو لانے کے لیے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے سکریٹری عبدالرحیم درد کو بھیج دیا گیا۔

ملاقات کا انتظام گڑھی حبیب اللہ جو سرحد کشمیر پر واقع ہے رکھا گیا۔ ان دنوں یہ کشمیر کی سرحد سے باہر کا علاقہ برطانوی ہندوستان میں تھا۔ آج کل یہ گڑھی پاکستان میں ہے۔

چونکہ قید سے رہائی کے بعد شیخ عبداللہ کو سرحد کے پار لے جانا خطرے سے خالی نہیں تھا اس لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ شیخ عبداللہ کو چھپا کر لایا جائے۔ ریاست کشمیر کے کسٹم پر پہنچ کر درد صاحب نے شیخ عبداللہ کو موٹر کے بیچ میں دوزانو ہو کر لٹا دیا اور ان کے اوپر کپڑے ڈال دیئے گئے تاکہ اسٹیٹ آفیسران کو دیکھ نہ لیں۔ اس طرح کپڑوں کی گٹھری بنا کر شیخ عبداللہ کو گڑھی حبیب اللہ کے ڈاک بنگلے میں پہنچا دیا گیا۔

یہاں مرزائی مسلک کے بانی کے پوتے مرزا بشیر الدین محمود کے ساتھ ان کی ملاقات کرائی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ صاحب نے کہا اگر موٹر نہ ہوتی تو میں یہاں نہیں پہنچ سکتا موٹر ایک بڑی کارآمد چیز ہے۔ اس پر مرزا صاحب نے ان سے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو ایک موٹر لا کر دوں گا"

یہاں ان دونوں کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ طے ہوا شیخ عبداللہ کو کشمیر کا مسلّمہ لیڈر بنانے کا وعدہ کیا گیا کشمیر تحریک کا سارا خرچہ برداشت کرنے کا ذمّہ لیا گیا اور اس کے بدلے میں کشمیر میں انھیں اسٹیج فراہم کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔

بات چیت مکمل ہونے کے بعد عبدالرحیم درد شیخ صاحب کو واپس کشمیر لے آئے، ان کی واپسی پر گورنمنٹ کو اس راز کا پتہ چلا چنانچہ جیون لال پرسنل اسسٹنٹ پرائم منسٹر نے مرزا محمود کو شکایت

بھر ایک خط لکھا جس کا مقصد و مدعا یہ تھا :

"کسی قدر ہمیں یہ تسلی بھی تھی کہ صدر صاحب خود ریاست کی سرحد پر آکر اپنے نمائندگان سے مل گئے اور تمام حالات معلوم کر گئے ہیں۔"

دراصل شیخ عبداللہ کی نقل و حرکت سے حکومت واقف تھی ان کا خیال تھا شاید شیخ عبداللہ جیل کی تنہائی سے اکتا کر ریاست سے ہمیشہ کے لئے بھاگ گئے ہیں اور انھوں نے خس کم جہاں پاک کے مصداق انھیں جانے دیا تھا لیکن ان کی واپسی پر حکومت کو پریشانی لاحق ہو گئی، اور انھوں نے کشمیر کمیٹی کے صدر سے اس کی شکایت کی کشمیر کمیٹی کے صدر نے اس معاہدے کے بارے میں فرمایا ہے:۔

"میں نے اپنے نفس سے اقرار کیا ہے۔ اور طریق بھی یہی ہے کہ مومن جب کوئی کام شروع کرے تو اُسے ادھورا نہ چھوڑے میں نے کشمیر کے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے کہ جب تک کامیابی حاصل نہ ہو جائے خواہ سو سال لگیں ہماری جماعت ان کی مدد کرتی رہے گی، پس ہماری جماعت کو کشمیر کی امداد جاری رکھنی چاہیے جب تک کہ ان کو حقوق حاصل نہ ہو جائیں خواہ اس کے لیے کتنا عرصہ لگے اور خواہ مالی اور خواہ کسی وقت جانی قربانی بھی کرنی پڑے ہم نے یہ کام مظلوم کشمیریوں کے لئے شروع کیا ہے مگر بعض لوگوں نے اس میں کامیابی دیکھ کر یہ کہنا شروع کیا ہے کہ ہم نے تبلیغ احمدیت کے لئے یہ کام شروع کیا ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں ہماری محبت ڈالے تو ہم خدا تعالیٰ کے اس انعام سے انکار نہیں کر سکتے مگر ہم اسے تبلیغ احمدیت کا آلہ نہیں بنا سکتے اس کام کو چونکہ ہماری جماعت نے ابتغاءً لوجہ اللہ شروع کیا ہے تاکہ ایک مظلوم قوم آزاد ہو۔"

اس دلیل کے باوجود بھی کشمیر کی تحریک حریت میں مرزائیت کا پرچار جاری رہا، "شیر کشمیر شیخ محمد اللہ" نامی کتاب کے مصنف کلیم اختر لکھتے ہیں:۔

"کشمیر کمیٹی کی وساطت سے قادیانیوں نے کشمیری سیاست میں جو سرگرم حصہ لیا بعض وجوہات کی بنا پر جس میں علامہ اقبالؒ کی دور اندیشی اور احرار کی بروقت تحریک کا بھی دخل تھا قادیانی اس کمیٹی سے پوری طرح وہ فوائد حاصل نہ کر سکے جو اُن کو پیش نظر تھے لیکن ان کی کوشش رائیگاں بھی نہیں گئی تحریک میں حصہ لینے سے قادیانیوں نے کشمیری رہنماؤں سے براہ راست روابط قائم کر لئے اور مالی امداد دے کر انھیں اپنا

ممنونِ احسان بنا لیا۔ ایسی صورت حال میں اُن کے لئے ریاست میں تبلیغ کرنا آسان ہو گیا (ریاست کشمیر میں قادیانیوں کی دعوت ۱۹۳۱ء کے بعد ہی پھیلنا شروع ہوئی۔"

شیخ محمد عبداللہ کے مرزائیوں کے دائرے میں آنے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے "آزادیٔ برصغیر" کے مصنف نے لکھا ہے :

"شیخ محمد عبداللہ علی گڑھ کالج میں زیر تعلیم تھے کہ کالج کے اندر یو، پی اور پنجابی طلباء کے باہم تنازعہ ہو گیا، اس ہنگامے میں شیخ عبداللہ پنجابی طلباء کی حمایت میں تھے اور اس تمام جھگڑے کی ذمہ داری ان پر آپڑی، قریب تھا کہ اس جرم کی پاداش میں انھیں کالج سے نکال دیا جاتا کشمیر کے انسپکٹر آف اسکولس خواجہ جمال الدین (لاہوری مرزائی) کی سفارش پر ان کا گناہ معاف کیا گیا اس احسان کے بدلے میں شیخ عبداللہ مرزائیوں کے ہتھے چڑھ گئے اور پھر ۱۹۳۸ء تک مرزائیوں نے ان سے جو کام لیا وہ تاریخ کشمیر میں آئینے کی طرح دکھائی دے رہا ہے۔"

"مسئلہ کشمیر" کے مصنف ممتاز احمد نے "منیر رپورٹ" کا حوالہ دے کر لکھا ہے :۔

"کشمیر کمیٹی نے اپنے قیام کے وقت جو مقاصد اپنے لئے مقرر کیے تھے اس میں آئینی ذرائع سے کشمیری مسلمانوں کو اُن کے جائز اور واجبی حقوق دلانا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے کشمیر کے مسلمانوں کی قانونی امداد کرنا بھی شامل تھے کشمیر کمیٹی کے بارے میں اب تک جو تفصیلات سامنے آچکی ہیں اور جو حقائق و شواہد بعد میں رونما ہونے والے واقعات و حالات کی روشنی میں واضح ہوئے ان کے پیش نظر یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ "کشمیر کمیٹی" کا قیام قادیانیوں کے اپنے مخصوص مقاصد و مفادات کے حصول کے لیے عمل میں لایا گیا تھا۔"

کشمیر تحریکِ حریت پر قادیانیت کے غلبہ کو دیکھ کر بعض مسلم رہنما شیخ عبداللہ سے ناراض ہونے لگے اور اندر ہی اندر مخالفت کا لاوا پکنے لگا۔ مرزائیوں کے ساتھ ساتھ احراری مسلم رہنماؤں کی مالی امداد کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اور ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی وہ مسلم رہنماؤں کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے مختلف طریقے آزما رہے ہیں۔



تحریک حُرّیت کے جانباز سپاہی

(۱) مستری یعقوب علی (۲) قریشی محمد یوسف (۳) غلام احمد جوئیلر

(۴) میاں احمد یار خاں (۵) عبد السّلام دلّال (۶) نذیر احمد خاں

(۷) غلام محی الدین ہمدانی (۸) بخشی غلام محمد (۹) غلام محی الدین رہبر

کارواں محبت کا منزل اپنی کیا پاتا
جتنے رہبر آئے سب مالِ غنیمت لوٹنے آئے

کشمیر کی تحریکِ حُرّیت پر مالِ غنیمت کا اثر

احمدیت کی طرفداری کا الزام شیخ عبداللہ پر کُھلّم کُھلّا لگا۔ ان پر مرزائیت کی تبلیغ کے لیے اپنا پلیٹ فارم استعمال کرنے کا بھی الزام لگا۔ تنظیم میں انتشار پھیل گیا۔ مولوی محمّد یوسف شاہ اور مولوی یحییٰ شاہ نے شیخ عبداللہ کو آڑے ہاتھوں لیا۔

اُدھر پنجاب میں کشمیر کے مسلم رہنماؤں پر مرزائیوں اور احراریوں سے حاصل کی گئی مالی امداد ہڑپ کرنے کا الزام لگایا جانے لگا۔

کشمیر تحریک پر احمدی فرقہ کا لیبل لگنے کی وجہ سے مسلم اتّحاد دو پارہ ہونے لگا تو بعض افراد نے اسکی کُھلّم کُھلّا مخالفت کی، تقریروں کے ذریعے ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہوئے جب حالات خراب ہونے لگے تو تحریک کو بیرونی اثرات سے پاک وصاف کرنے پر بھی غور وخوض ہوا اور بعض رہنماؤں نے شیخ عبداللہ کے ساتھ مولوی یوسف شاہ کو اُن اثرات کے دائرے سے نکل آنے کو کہا۔

مرزائیوں کو شیخ عبداللہ پر پورا بھروسہ تھا اور اُن کے ساتھ ان کا ایک معاہدہ ہوا تھا۔ احراریوں کو اس بات کا فخر حاصل تھا کہ ہم نے کشمیر تحریک کے لیے نہ صرف نقد وجنس کی امداد دی بلکہ سیکڑوں قیمتی جانیں بھی نچھاور کیں، اس لحاظ سے مجلسِ احرار کے رہنماؤں کو پورا بھروسہ تھا کشمیر کا مسلم اتحاد انہیں اپنے ساتھ رکھے گا، ان کی رائے کا احترام کرے گا۔ لیکن اس کے باوجود بھی غلام احمد عشائیؒ اور شیخ عبداللہ کی بے رُخی سے وہ بے دل ہوگئے۔ شیخ صاحب اور عشائیؒ صاحب کی اس بے رُخی سے مولوی گروپ ناراض ہوگیا اور اس کے بدلے میں انھوں نے مرزائیت کی مخالفت کا بیڑا اُٹھایا۔

شیخ محمد عبداللہ کی بے رُخی کو دیکھ کر احراریوں نے امدادی ہاتھ کھینچ لیا۔ ان کا خیال تھا کشمیر کے مسلم رہنما امداد کے لیے مجبور ہوکر ان کی خوشنودی حاصل کریں گے۔ لیکن احمدیوں نے اپنے حمایتی مسلم

رہنماؤں کے لیے امدادی رقومات کا دروازہ کھلا رکھا۔ احمدی لاہوری کی دیکھا دیکھی احراری احمدیوں کو اور احمدی، احراریوں کو پچھاڑ رہے تھے کہ احراریوں نے امدادی رقومات بھیجنے سے ہاتھ روک دیا۔

مولوی یوسف شاہ کی طرف سے مرزائیوں اور شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے احراریوں کی مخالفت دراصل نظریاتی اختلاف کے سبب نہیں بلکہ ایک دوسرے کی مالی امداد جس پر یہ اصحاب اپنا حق جتا کر اس پر ہاتھ صاف کر رہے تھے مخالفت کا باعث بن گیا۔ بعض مسلم رہنما جو بیرونی امداد کو مال غنیمت سمجھ کر اس پر اپنا حق جتاتے تھے، انھوں نے احراریوں سے بذریعہ خط یا بذریعہ تار روپے بھجوانے کا کوڈ ورڈ "مسلم" رکھا تھا اور احمدیوں سے روپے بھجوانے کا کوڈ ورڈ "قاضی" رکھدیا گیا تھا۔

احراریوں سے مسلم بھیجنے اور مرزائیوں سے قاضی بھیجنے کی جب مسلسل کئی تار یہاں سے روانہ ہوئے تو احراریوں نے اسے کھلم کھلا لوٹ کہہ کر یہ فیصلہ کر لیا کہ وہاں رقومات بھیجنے کے بجائے ہم خود وہاں جا کر مستحق افراد میں تقسیم کریں گے، چنانچہ انھوں نے محمد دین تاثیر کے ذریعے شیخ عبداللہ کو مطلع کیا کہ آئندہ احراری رہنما خود یہاں مستحق افراد میں چندے کی رقومات تقسیم کریں گے۔

چوہدری افضل حق جو احراریوں کی طرف سے چندہ کا خزانچی تھے، ان کے پاس اس وقت چندے کی جو بھی رقم تھی وہ بھی محمد دین تاثیر کے ہاتھ روانہ کر دی گئی۔

تاثیر نے یہ ساری رقم شیخ عبداللہ کے حوالے کر کے جب انہیں بتا دیا کہ احراری یہ سلسلہ بند کر رہے ہیں تو شیخ صاحب نے سخت برا مانا اور اس فیصلہ کو ایک غلط فیصلہ قرار دیا۔

احراری لیڈر تاج الدین انصاری کا بیان جو "الصباح" میں چھپ چکا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ احراریوں کی طرف سے امدادی رقومات ۱۹۴۷ء تک برابر شیخ عبداللہ کو بھیجی گئیں۔

محمد دین تاثیر کے مشورے پر شیخ عبداللہ نے احراری لیڈروں کو منانے کے لیے خود لاہور جانے کا فیصلہ کر لیا اور اس کی اطلاع احراری لیڈروں کو مل گئی تو انھوں نے لاہور آ کر شیخ عبداللہ کا شایان شان استقبال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

شیخ صاحب عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے لاہور جانے کی تاریخ مقرر نہ کر سکے۔ آخر وہ ... سے روانہ ہو ہی گئے۔ گجرانوالہ میں انکی ملاقات مرزائی لیڈر شیخ عبدالحمید سے ہوئی، انھوں نے شیخ عبداللہ کو احراریوں کے پاس جانے سے روکا اور ان کی تمام ضروریات پوری کرنے کا وعدہ کر کے انھیں واپس لوٹا دیا۔

شیخ عبدالحمید کی ڈائری کے مطابق انھوں نے ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء تک برابر مرزائیوں سے امدادی

حاصل کر کے شیخ عبداللہ کو لوٹا دی۔

"احراریوں کے "مسلم" اور مرزائیوں کے "قاضی" نے ان دونوں جماعتوں کو سخت پریشان کر دیا تو اس سلسلے میں مرزا بشیر الدین محمود نے عبدالرحیم درد اور مولانا سید محمد اسماعیل غزنوی کو جو خط لکھا وہ بمطابق اصل یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

مکتوب (۱)

"الفیض لاہور

۲۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء

مکرمی درد و غزنوی صاحب! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ لوگوں کے کام سے نہایت خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے، میں نے کل تار دیا تھا جواب بھی مل گیا۔ بدھ تک کام بند کر دیں، اس عرصے میں احرار نے اعلان کیا ہے کہ جیون لال کا تار آیا ہے کہ میں آپ لوگوں سے ملنے آ رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام دو طرفہ چال چل رہے ہیں۔ میں نے صاف کہہ دیا ہے کہ معاملہ صاف کریں، واللہ اعلم کیا بات ہے . . . . لیکن جیون لال صاحب کے تار نے شبہ میں ڈال دیا ہے اس لیے آپ لوگ بھی ہوشیار رہیں۔

گلینسی صاحب کے متعلق الگ ہدایات میں ذکر کروں گا، نہایت مخفی بات ہے۔ احرار باہر سے یہ بات مشہور کر رہے ہیں کہ قادیانی پروپیگنڈے کی وجہ سے ہمیں آنا پڑا۔

لیڈروں نے روپیہ کھا لیا ہے اور مصنوعی تار پر تار دلوا رہے ہیں، نمائندوں پر ہمیں اعتبار نہیں۔

آپ لوگ اس سے بھی ہوشیار رہیں۔

خاکسار: مرزا محمود احمد"

کشمیر کمیٹی کے صدر کو اپنی جماعت کے دو اہم اراکین کو یہ خط لکھنے کی نوبت اس لیے آن پڑی، کیونکہ یہ کمیٹی ہزاروں روپے کی مقروض ہو گئی۔ ماہ جنوری ۱۹۳۲ء کو اس کمیٹی نے جو اعداد و شمار شایع کیے اس میں ہزار بارہ سو روپے کا اضافہ ہو گیا تھا، جبکہ ابتدا میں انھوں نے صرف پانچ ہزار ماہانہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔

گجرانوالہ سے شیخ عبداللہ کی واپسی نے احراریوں کو سخت مایوس کیا لیکن وہ مالی اور جانی قربانیوں

کو مدِنظر رکھ کر راہِ فرار کے لئے تیار نہیں ہوئے، انھوں نے کشمیریوں کو مرزائیوں کے رحم وکرم پر چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا، انھوں نے اس سلسلے میں ایک بیان جاری کیا۔

"کشمیر میں شیخ عبداللہ کے بغیر آزادی کی تحریک چل نہیں سکتی۔ ہمارے دلوں میں شیخ صاحب کی عزّت ومحبّت موجود ہے ہم انھیں شیرِ کشمیر سمجھتے ہیں وہ واقعی بہادر انسان ہیں مگر ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ٹھوکر نہ کھائیں، کشمیر تحریک کے لیے ان کی ذات بہت اہم ہے کشمیر کی تقدیر قدرت نے ان کی شخصیت کے ساتھ وابستہ کردی ہے۔ خدانخواستہ اگر وہ بھٹک گئے تو تحریک دم توڑ دے گی۔ اگر وہ ڈوب گئے تو یہ قوم ڈوب جائے گی۔ اگر وہ غلط راستے پر چلے تو اس قوم کو کبھی صحیح راستہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ چونکہ شیخ عبداللہ کے بغیر کشمیر کی تحریک کامیاب نہیں ہوسکتی، اس لیے مسلم رہنما مل کر کوشش کریں کہ وہ دوغلی پالیسی کو چھوڑ کر تحریک کے لیے یکسوئی سے کام کریں۔"

احراری لیڈروں کے اِس بیان کے ساتھ مسلم رہنماؤں نے اتّفاق کیا، شیخ عبداللہ پر احمدیت کی طرفداری کاالزام لگایا گیا۔

شیخ عبداللہ اور مولوی یوسف شاہ کے درمیان پچھلے ایک مدّت سے تناؤ سا پیدا ہوگیا تھا۔ اور دونوں حضرات ایک دوسرے سے سیدھے مُنہ بات بھی نہیں کرتے تھے۔ اب کُھلے بندوں ایک دوسرے پر رقومات ہڑپ کرنے کا الزام لگانے لگے۔

شیخ عبداللہ کو مرزائی کہا گیا تو انھوں نے نور شاہ نقشبندی، سعدالدین شال اور شیخ محمد صادق کی موجودگی میں میاں امیرالدین کے ہاں اعلان کیا کہ مجھے احمدی قادیانی اور احمدی لاہوری کے ساتھ کوئی تعلّق نہیں ہے۔

ان کے اس اعلان سے مرزائی سخت برہم ہوگئے اور انھوں نے شیخ عبداللہ پر عہد شکنی کا الزام لگایا۔ ابھی یہ برہمی برقرار تھی اور احراری اس فتح پر نازاں تھے کہ شیخ صاحب کو کرنل کالون نے اپنے پاس بُلایا، کرنل کالون سے ملاقات کے بعد انھوں نے ایک اور بیان دیا۔

"کشمیر تحریک کے معاملات مہاراجہ اور اس کی رعایا کے درمیان ہیں۔ بیرونی عناصر کو اس میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے، چونکہ یہ معاملہ ہمارا اپنا اندرونی معاملہ ہے، اس لیے اس میں بیرونی مداخلت نہیں ہونی چاہیئے۔"

اِس بیان نے مرزائیوں کے ساتھ اب احراریوں، مسلم لیگیوں اور کانگریسیوں کو بھی سخت مایوس کردیا۔

...لوم کشمیریوں کے لیے احراریوں اور مرزائیوں کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ اور کانگریس بھی مالی امداد ...ے رہی تھی لیکن یہ دونوں جماعتیں براہ راست تحریک کے ساتھ وابستہ نہیں تھیں، البتہ شیخ عبداللہ ...کے اس بیان سے سب کی سب جماعتیں ایک ہی صف میں کھڑا کر کے تحریک سے علیحدہ کردی گئیں۔ اگرچہ ...ھوں نے مرزائیوں کی بھی مخالفت کی لیکن اندرونی طور وہ ان کے ساتھ رہے اس کا ثبوت شیخ صاحب ...اُس خط سے ملتا ہے جو انھوں نے مرزا بشیرالدین محمود کو بھیجا تھا۔

"۔ سرینگر

۱۳ر مئی ۱۹۳۳ء

محترم میاں صاحب! ۔۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کل شام کو میری گرفتاری کے احکام نکلے ہوئے ہیں۔ لیکن رات کو میں گرفتار نہ ہوسکا۔ کیونکہ میں گھر پر نہ تھا۔ یہ سب کچھ مہتہ کرتار سنگھ اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کی مہربانی ہے ۔ ۔ لہٰذا میں مختصراً عرض کرتا ہوں کہ آپ خدارا ایک بار پھر کشمیریوں کو بچایئے اور اپنے کارکن روانہ کریں ۔ ۔ ۔ وائسرائے پر دباؤ ڈال دیجئے گا بہرحال آپ سب کچھ جانتے ہیں مجھے امید ہے کہ آپ ایک وفادار دوست کو امداد کے بغیر ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔

فقط آپ کا

شیخ محمد عبداللہ "

(نقل مطابق اصل تحریک احمدیہ حصہ دوئم)

شیخ محمد عبداللہ کی اس دورُخی پالیسی اور اس چالبازی کی شہ مجلس احرار کو مل گئی تو وہ کافی دنوں صبر کے گھونٹ پیتے رہے چنانچہ جب قادیانی کشمیر تحریک پر اس دورخی پالیسی کے سبب حاوی ہونے ...ے۔ تو مجلس احرار کا ایک تین رکنی وفد سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چوہدری فضل حق اور مولانا ...د غزنوی علامہ اقبال کے پاس گئے اور ان سے کہا۔

"کیا آپ نے بھی قادیانی قیادت قبول کرلی ہے۔ اگر آپ کی دیکھا دیکھی کشمیر کے بتّیس لاکھ مسلمان قادیانی ہوگئے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ مُجرم ہوں گے، نیز قادیانی دوسرے اسلامی مسلمانوں پر بھی گمراہ کن اثر کریں گے، لہٰذا آپ ان سے علیحدگی کا اعلان کریں۔"

...یہ اسی وقت فیصلہ ہوا، اگلے روز کشمیر کمیٹی کا اجلاس بلایا جائے گا۔ اور مرزا بشیرالدین محمود کو اسکی ...ارت ہی سے علیحدہ کیا جائے گا۔

اگلے روز لاہور کے برکت علی ہال میں کشمیر کمیٹی کا اجلاس بلایا گیا جس میں چودھری فضل حق مولانا مظہر علی اظہر اور مولانا داؤد غزنوی بغیر کسی دعوت کے جاکر شریک ہو گئے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال نے میٹنگ کے آغاز پر ہی مرزا بشیر الدین محمود کو کشمیر کمیٹی سے الگ کر کے اس کی صدارت خود سنبھالی۔ اس موقع پر انھوں نے فرمایا:

"قادیانی اپنے مذہبی پیشوا کے علاوہ کسی شخص یا جماعت کی وفاداری نہیں کر سکتے اس کی وجہ سے کام کرنے میں رکاوٹ آتی ہے۔"

۱۳ر اگست ۱۹۳۱ء کو علامہ اقبال کو خود بھی اس کی صدارت سے علیحدہ ہونا پڑا کیونکہ مولانا سید محمد انور کشمیری نے ان کے ساتھ ناراضگی کا برتاؤ کیا۔

علامہ سید انور کشمیری ایک بلند پایہ کے عالم تھے۔ بظاہر وہ برصغیر میں ایک اعلیٰ مذہبی یونیورسٹی (مدرسہ دیوبند) کے پرنسپل تھے۔ لیکن ان کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا، ان کے بارے میں کہا جاتا تھا سید انور شاہ کشمیری کے سینے میں علم کی ہزاروں کتابیں نہیں بلکہ الماریاں پوشیدہ تھیں۔

علامہ اقبال ان کے پرستار تھے۔ حضرت سید انور شاہ جب لاہور پہنچے تو ڈاکٹر اقبال کو حضرت کی تشریف آوری کی اطلاع ملی انھوں نے علامہ کشمیری کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا، لیکن حضرت سید انور کشمیری نے یہ کہہ کر دعوت رد کر دی کہ:

"آپ نے مرزائیوں کی خود ساختہ کمیٹی کی صدارت قبول کر کے اپنا اسلامی عقیدہ مشکوک کر لیا ہے۔ لہٰذا آپ جب تک اسے درست نہیں کرتے ہیں آپ کے ہاں کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

اس پر ڈاکٹر اقبال کشمیر کمیٹی کی صدارت سے علیحدہ ہو گئے اس علیحدگی کے بارے میں دو سال بعد انھوں نے فرمایا:

"میرے دل میں کشمیر کمیٹی کے متعلق اسی وقت خطرات پیدا ہو گئے تھے لہٰذا کشمیر کمیٹی جو ایک مخصوص مذہبی فرقہ کی جماعت ہے اس جماعت سے میرا واسطہ درست نہیں۔"

(روزنامہ انقلاب ۲۳ر جون ۱۹۳۳ء)

علامہ اقبال جون ۱۹۳۳ء تک "کشمیر کمیٹی" کو چلاتے رہے۔ اس کمیٹی سے مستعفی ہونے کے بعد بھی وہ اس کے وجود اور بقا کے لیے کام کرتے رہے۔

چنانچہ ۲ر جولائی ۱۹۳۳ء کو انھوں نے لاہور میں ایک پبلک جلسہ کا انعقاد کیا۔ اجتماع میں

تحریک کشمیر کی مکمل حمایت کا اعلان کیا گیا۔

۳ر ستمبر کو لورینگ ہوٹل لاہور میں مرزا بشیر الدین محمود سابقہ صدر کشمیر کمیٹی کی صدارت میں ایک خصوصی اجلاس بلایا گیا جس میں یہ تجویز کی گئی کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال اور خان بہادر حاجی رحیم بخش کو علی الترتیب (قدیم) آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت اور سکریٹری شپ کے عہدے پیش کیے جائیں اور نئے عہداروں کے تقرر کا آخری فیصلہ ہونے تک مرزا بشیر الدین محمود اور چوہدری غلام مصطفیٰ بیرسٹر گوجرانوالہ پر مشتمل ایک سب کمیٹی مقرر کر دی جائے، چونکہ سر محمد اقبال اور خان بہادر رحیم بخش صاحب نے قدیم کشمیر کمیٹی میں شرکت سے صاف انکار کر دیا، اس لئے فیصلہ ہوا کہ ۲۵ر مارچ ۱۹۳۴ء کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اجلاس لاہور میں منعقد کیا جائے اور ممبران سے استصواب کیا جائے کہ کشمیر کمیٹی جن اصولوں پر پہلے کام کرتی رہی ہے، انہی اصولوں پر دوبارہ کام کرنا ان کے لئے مفید ہوگا یا نہیں۔"

چونکہ یہ رائے قادیانی مرزائیوں کی تھی لہٰذا شیخ عبداللہ نے فوری طور پر حق ادائیگی کے طور پر اس سلسلے میں مرزا صاحب کو خط لکھا:

S.M. ABDULLAH

M.S.C. (ALIG)

" بوچھوارہ

۱۹ر ستمبر ۱۹۳۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

محترم میاں صاحب —! دام اقبالہم!

السلام علیکم!

قبل بھی ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں اب پھر التماس ہے کہ میری رائے ناقص میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کام برابر جاری رکھا جائے اور جو کمیٹی پہلے بنی تھی وہ برابر کام کرے، یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ اس کی ہر سیاسی جماعت کی خود غرضی باہمی اتفاق کو نقصان پہنچا کر ساری قوم کو نقصان پہنچانے کے لئے اور نیز اس انجمن کو ختم کر دینے کے لئے اسباب پیدا کر دیتی ہے۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو ضرور کام کرنا چاہیے آپ کی سربراہی میں بابت انتخاب عہدیداران میری رائے... مسٹر غلام رسول مہر کو سکریٹری مقرر کیا جائے اور صدارت کے لیے مہر صاحب کی جو

رائے ہوگی وہی میری رائے سمجھی جائے۔

مجھے افسوس ہے کہ میرے مشاغل قطعی مانع ہیں کہ جلسہ میں شرکت کر سکوں۔

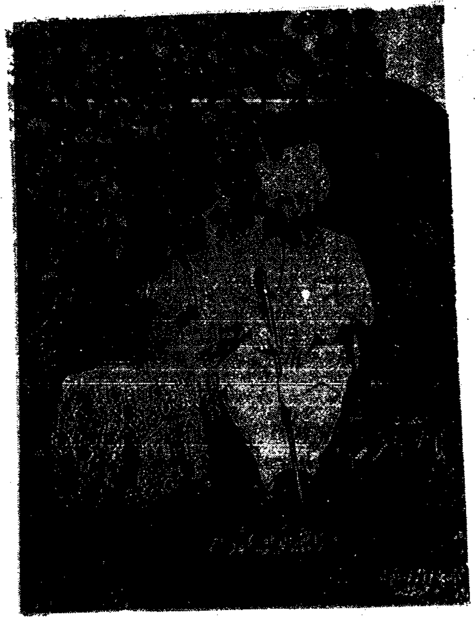
آپ کا تابعدار

شیخ محمد عبداللہ "

(روزنامہ "انقلاب" لاہور)

اپنے اس خط کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ "کشمیر کمیٹی" کو حسب سابقہ کام کرنے کا مشورہ دے رہا ہے حالانکہ وزیر اعظم مسٹر کالون سے مل کر انھوں نے ہی بیرونی عناصر کو کشمیر تحریک میں مداخلت سے باز رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ ان کے اس مشورے سے تحریک کو جو دھچکہ لگا اس کا ڈوگرہ حکمرانوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور شیخ عبداللہ کے ذریعے بیرونی عناصر کو خبردار کرنے کا جو ان کا مقصد تھا، وہ کسی حد تک پورا ہو چکا۔

کشمیر کمیٹی کے صدر



احمدی مسلک کے بانی اور امام مرزا غلام احمد کے پوتے مرزا بشیر الدین محمود جنہوں نے تحریکِ حریت میں ریاستی عوام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔



تحریکِ حُرّیت کے جاں باز سپاھی

(۱) کے، ایچ، خورشید (۲) سردار ابراہیم خان (۳) عبدالقیوم خان
(۴) چوہدری حمیداللہ (۵) منشی نصیرالدین (۶) مولانا مسعودی
(۷) احمداللہ بانہالی (۸) صوفی محمداکبر (۹) مولانا عبداللہ شوپیانی

تیری محفل کی خاطر ربط ہر محفل سے توڑا تھا
یہاں سے اُٹھ کے اب جائیں تو ہم جائیں کدھر جائیں

کشمیری رہنما پر مرزائیت کا لیبل

مرزائیوں کے ساتھ بڑھتے ہوئے راہ و رسم کھُلے بندوں اور پوشیدہ طور اُن کی اعانت اور مدد قبول کرکے شیخ محمد عبداللہ پر مرزائیت کا لیبل لگ گیا اور انھیں مرزائی بھی کہا جانے لگا اس بارے میں " انقلاب کشمیر" کے مصنف کا کہنا ہے :-

"قادیانیوں سے شیخ عبداللہ کا بڑا ربط و ضبط تھا اور لوگوں میں یہ افواہ گرم تھی کہ شیخ محمد عبداللہ خود بھی قادیانی ہیں مگر یہ افواہ غلط تھی البتہ شیخ صاحب نے قادیانیوں سے روپے کی کافی امداد حاصل کی۔"

شیخ عبداللہ کی مرزائیت کی طرفداری کے بارے میں کہا جا رہا تھا کہ مرزا بشیرالدین محمود نے اُن سے موٹر دینے کا جو وعدہ کیا تھا وہ ہنوز ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ کئی بار انھوں نے اس کا تقاضا بھی کیا در اصل مرزا صاحب انھیں موٹر بھیجنے کے بجائے اس کے لیے روپے فراہم کرنا چاہتے تھے تاکہ موٹر بھیج کر بات کا بتنگڑ نہ بن جائے۔

"شیخ عبداللہ کی اس احمدی نوازی کے متعلق "آزادی برصغیر" کی جلد اوّل میں شیخ عبداللہ اور مرزائیت کے عنوان سے جو مراسلہ چھپا ہے اس کو یہاں من و عن درج کیا جا رہا ہے :-

"قوموں کے عروج و زوال کی داستان میں شخصی کردار ہمیشہ نمایاں رہا ہے اگر اس کے دامن پر خلوص کا پیوند فرضی یا مصنوعی ثابت ہو جائے تو ساری داستان حقیقت سے ماورا ہو کر رہ جاتی ہے۔

سورج چاہے مقرر وقت کے بعد طلوع ہو مگر اس کی روشنی پر شبہ کرنا اپنی آنکھوں پر شبہ کرنے کے مترادف ہوتا ہے اسی طرح حالات کا واضح ہو کر سامنے آجانا

چاہے تاخیر سے ہو حقیقت کو جھٹلانے کی جرأت نہیں رکھتا۔

ریاست کشمیر کی تاریخ حریت میں شیخ محمد عبداللہ کا مذہبی اور سیاسی کردار ۱۹۳۱ء سے جن راستوں سے گزرا وہ راستے آپ سے آپ شہادت دیں گے کہ ان کے ہر نقش پا میں تلوّن رہا۔ ان کی رائے وقت کے مصنوعی اور ناپائیدار سانچوں میں ڈھلتی رہی ان کے فکر کے امتزاج میں ہمیشہ اجنبیت غالب رہی۔ یہ بگولے کی طرح اٹھے اور آندھی کی طرح بیٹھ گئے۔ سادہ لوح، سادہ مزاج اور صاف دل کشمیری قوم کا یہ لیڈر اپنی شخصیت کے لئے مفید اور کشمیریوں کے لئے غیر مفید رہا۔

آزادیٔ کشمیر کی تاریخ مرتب کرنے والا مؤرخ اگر بد دیانت نہ ہوا تو ڈوگرہ شاہی کے مظالم اور شیخ عبداللہ کے متذبذب فیصلے ہم وزن قرار دینے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

۱۹۳۱ء کی تحریک کشمیر میں اگر شیخ عبداللہ کی دیانت کو ذرّہ برابر دخل ہوتا تو آج کی تاریخ ماضی کی تاریخ کشمیر سے مختلف ہوتی، اس کے رنگ و روغن میں کشمیری مسلمانوں کا خون اس قدر ضائع نہ ہوتا جتنا ضائع ہو چکا ہے، مگر کشمیر کے مرزائیوں نے کشمیری لیڈر کی رائے کو اپنے فاسد عقیدوں کے لئے ایسا استعمال کیا کہ اسے ویران کر کے رکھ دیا۔ آج دریائے جہلم کی لہریں کشمیر کی بہاروں کو ترس رہی ہیں، چنار کے درخت خزاں کی زد میں ہیں۔ بادِ سموم نے بادِ صبح گاہی کو زہر گھولنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس کی تمام تر ذمہ داری شیخ عبداللہ پر ہے اگر یہ کشمیر کے لئے مرزائیوں کی سیاست میں معاون نہ ہوتے تو شاید کشمیر کے مقدر کا فیصلہ اور انداز سے لکھا جاتا۔

بظاہر شیخ عبداللہ نے مرزائیت کی معاونت سے ہمیشہ اجتناب کیا جیسا کہ انکے مندرجات جو ذیل بیان سے ظاہر ہے۔"

"جب تک میں اس جماعت (مسلم کانفرنس) کا صدر ہوں کسی فرقے کو جائز نہیں کہ وہ اس سیاسی جماعت کو اپنے مذہبی پروپیگنڈے کے لئے استعمال کرے، میں نہ تو احمدی ہوں اور نہ ہی مجھے قادیانیوں کی فرقہ وارانہ تبلیغ سے کوئی ہمدردی ہے اس کے باوجود وہ اس سیاسی جماعت کے ہمدرد ہو سکتے ہیں۔ میں یہ حق نہیں رکھتا کہ انہیں (مرزائیوں کو) روک دوں یا ان کے مذہبی عقائد کے باعث انھیں جماعت سے خارج کر دوں، کیونکہ یہ احمدیت کا دور ہے۔

(نوٹ :- جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی بنیاد ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو رکھی گئی۔ اس کے پہلے صدر شیخ محمد عبداللہ اور جنرل سکریٹری چوہدری غلام عباس خاں مقرر ہوئے۔

لیکن مندرجہ بالا بیان کے باوجود شیخ عبداللہ کا تعلق قادیانیوں سے تھا۔ جیسا کہ ان کے حسب ذیل خط سے ظاہر ہے۔

آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس۔ سرینگر کشمیر صدر دفتر بچھوارہ سے

نمبر اے، او۔ ایس۔ مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۳۳ء

میں بصد شکریہ آپ کے خط ۳۱/۱ پی، سی، ڈی مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۳۳ء بحوالہ (دارالامان) نمبر ۳۳۵ اور ۳/۳ محررہ ۱۹ جون ۱۹۳۳ء کی وصولیابی کی اطلاع دیتا ہوں۔ میں نے آپ کے خط کے تیسرے جملے کو بڑی مسرت اور دلچسپی کے ساتھ نوٹ کیا ہے۔ باور کیا جاتا ہے کہ آپ نے جو انتظامات کیے ہیں اُن کے ذریعے ہم بڑی مفید امداد حاصل کر سکتے ہیں۔ میں ایسے موقع کا ایک عرصے سے منتظر تھا، میری کوشش بھی ہمیشہ یہی رہی ہے۔ میں بھی اکثر اوقات اپنے معاملات پوری طرح بی (برٹش) گورنمنٹ کے ساتھ طے کر لیا کرتا تھا جموں اور کشمیر کے علاقے سے رہائی کے بعد مسٹر ..... سے ملاقات ہوئی تھی انھوں نے جو الفاظ کہے تھے وہ ابھی تک یاد ہیں میں نے انھیں اس وقت یہ بات بتا دی تھی اور انھوں نے اچھا مشورہ اور مفید جواب دیا تھا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ حضرت خلیفہ صاحب کی ہدایت کے مطابق وہ ایس ۳ کے بارے میں دہلی میں پی (پولیٹیکل سکریٹری) سے مزید معلومات وصول ہونے تک عملی طور پر کچھ نہیں کیا جا سکتا، فی الحال میں نے طے کیا ہے کہ مسلم کانفرنس کا آئندہ اجلاس اپنی صدارت میں میرپور میں منعقد کروں۔ اس کے دو تین اسباب ہیں۔ یہ امر یقینی ہے کہ ہمارے خیالات پر مبنی کسی بھی تصور یا سکیم کی مخالفت کی جائے گی، آپ جن لوگوں کو بھیجیں گے انھیں پوری طرح سمجھا دیا جائے گا کہ ہر قسم کی مخالفت سے گریز کریں جہاں تک دوسری پارٹی سے متعلقہ سوال کا تعلق ہے معاملہ جیسا کا ویسا ہی ہے۔ ابھی تک ان میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، معلوم ہوا ہے کہ وہ (آزاد مسلم کانفرنس منعقد کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ دو وزیروں کی ہدایت پر ہو رہا ہے جنہیں کہ آپ جانتے ہیں۔ آخری ہتھیار جسے آپ پہلے ہی جانتے ہیں میدان میں چھوڑ دیا گیا ہے۔

اور مجھے یقین ہے یہ ان کی صفوں میں انتشار پھیلانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اور یہ تمام مسلمانوں کو ایک رستے میں (بڑھ کر صرف آپ کے پرچم (قادیانی پرچم) کے نیچے لاکھڑا کرے گا۔ آپ یہ جان کر خوش ہوں گے کہ ہر چیز طریقے سے انجام پذیر ہو رہی ہے لیکن دوسری طرف میری منزل کی راہ میں رکاوٹ پیش آ رہی ہے تو وہ انہی دو وزیروں کی ہے جو دوسری پارٹی کو ہدایت، مشورہ اور شہ دیتے ہیں اور ہمارے موقف کو کمزور کر کے آگے بڑھنے نہیں دیتے اس مدد سے دوسری پارٹی کافی مضبوط ہو گئی ہے، ورنہ وہ زمین پر پاؤں بھی نہیں رکھ سکتی، براہ کرم نوٹ فرمالیں کہ یہ دونوں وزیر خود میرے متعلقین میں بھی تفرقہ پیدا کرنے سے باز نہیں رہتے مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میں مسلسل یہ کہہ رہا ہوں کہ اب بھی کچھ نہیں کیا گیا مجھے جو تازہ مراسلہ موصول ہوا ہے اس میں مجھے کافی اطمینان دلایا گیا ہے کہ میری راہ کے یہ روڑے دور کر دیئے جائیں گے (اس وقت افواہ تھی کہ ٹھاکر کرتار سنگھ اور مسٹر مہتہ تبدیل کر دیئے جائیں گے) جہاں تک پیر حسام الدین سعد الدین شال، مسٹر عشائی اور پیر مقبول شاہ وغیرہم کے رویے کا تعلق ہے تو اس بارے میں عرض ہے کہ موجودہ حالات میں ان معاملات پر میری رائے زنی بالآخر خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ بے شک وہ مشہور لیڈر رہیں لیکن جہاں تک اصل کام کا تعلق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ ریاستی حکام . . . . . میرے لیئے ان لیڈروں کے آنے سے زیادہ مفید ثابت ہوئے ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اگر دارالامان دوبارہ غلام محمد جوہری کے ذریعے آر۔ ایس سے (رابطہ) قایم رکھے تو میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ زیادہ اچھا ہوگا، مسٹر غلام نبی گلکار صدر انجمن احمدیہ قادیانی پارٹی سرینگر سے کہا گیا ہے کہ وہ فی الحال اپنا کام (تبلیغ) بند کر دیں، اس سلسلہ میں مسٹر بیہقی ان سے بات چیت کر رہے ہیں۔ آپ بھی نوٹ کر لیں بعض سیاسی وجوہ کے پیش نظر مرزا محمد یوسف سے کہا گیا ہے کہ مزید کچھ عرصے کے لیے اپنی روانگی ملتوی کر دیں اور دفتر کو اس کی اطلاع بھیجدی گئی ہے۔ میں صاحب بہادر (وزیر اعظم) سے کئی بار ملا ہوں اور میں نے ہر عمل ہدایت کے مطابق کیا ہے۔ انھوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ آپ کو مطلع کر دیا جائے کہ اس ضمن میں اطلاع پی (پولیٹیکل سکرٹیری) کو دے دی گئی ہے فوری طور پر اس سے رابطہ قائم کر کے اپنی بات منوائی جائے، از راہ نوازش نوٹ کر لیجیے مجھے مطلع

کیا گیا ہے کہ میرپور کے اجلاس کی تاریخ مقرر کرنے سے پہلے مزید ہدایات حاصل کرنے کے لیے خلیفہ صاحب سے ملاقات کا وقت طے کر لیا جائے یہ ملاقات ایس ۳ کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے، تب خلیفہ صاحب اس مسئلے کے ہر پہلو پر غور و فکر کے بعد پی (پولیٹیکل سکریٹری) کی خواہش کے مطابق ایک نہایت آسان منصوبہ پر بات کریں گے ان کے جواب میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ اس ملاقات کے لیئے سیالکوٹ یا وزیر آباد بہتر رہیں گے (یہ خبر اخباروں میں شائع ہو گئی تھی کہ مرزا بشیر الدین وزیر آباد آئیں گے) ایم مولوی عبداللہ وکیل اور صوفی عبدالاحد اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں جہاں تک مسٹر رحیم کا تعلق ہے وہ ضرورت کے وقت ہم سے آن ملے گا۔ آپ جو لوگ بھیجیں وہ بڑے منتظم ہونے چاہیں واقف آدمی زیادہ بہتر رہیں گے، لاہور میں نمایاں کامیابی ہدیۂ تبریک قبول فرماویں۔

مؤدبانہ نیاز

آپ کا اپنا

دستخط ایس، ایم، عبداللہ، ایم ایس سی

صدر آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس ۔ سرینگر

اس مراسلہ کی اصل نقل سید زین العابدین کو اطلاع اور ضروری کاروائی کے لیے ارسال کر دی گئی ہے۔

دستخط

ایس، ایم، عبداللہ صدر

(نوٹ :۔ مذکورہ خط انگریزی تحریر کردہ ہے۔ یہ خط مرزائیوں کے ربوہ کے دفتر امور عامہ سے ملا ہے۔ خط کے سرنامہ سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کا مخاطب کون ہے۔ تاہم خط کی عبارت سے ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا خط قادیان میں دفتر امور عامہ کی وساطت سے خلیفہ قادیان بشیر الدین محمود کو لکھا گیا تھا۔)

زیر نظر کتاب کے گزشتہ اوراق میں لکھا جا چکا ہے کہ شیخ عبداللہ سرینگر سے جب کبھی امرتسر آتے تو اسماعیل غزنوی کے ہاں قیام کرتے، اسماعیل غزنوی قادیان کے خلیفہ اوّل حکیم نورالدین کا حقیقی نواسہ تھا، اس قیاس اور قراین سے یہ حقیقت افسانہ نہیں کہ سیاسی بساط پر مرزائیوں نے جو مہرے بکھیرے تھے۔ شیخ عبداللہ کو ان میں امتیازی حیثیت حاصل تھی،

۔۔۔ اور یہ سلسلہ ۱۹۳۸ء تک قائم رہا۔

جس دور میں حکومتوں کے مسائل باہم رضامندی سے طے ہو رہے ہوں اس دور میں ایک ریاست کا قضیہ طے کرنا کوئی اہم بات نہیں تھی۔ لیکن کشمیر کے قضیے میں ایک طرف بین الاقوامی طاقتیں کارفرما تھیں تو دوسری طرف اندرون ریاست کے مجرم ضمیر سیاست دان بھی اس جھگڑے کو طے کرنے میں مخلص نہیں تھے۔

اس طرح شیخ عبداللہ نے مرزائیوں کی کھلم کھلا اور پوشیدہ طور پر جو حمایت کی اور ان کی مدد حاصل کر لی اس سے اس شک میں ضرور تقویت ملی کہ وہ کشمیر میں مرزائیت کے لیے راہ ہموار کرنے میں اپنا بھرپور تعاون دے رہے تھے۔ اپنے ذاتی مفاد کے لیے وہ تحریک کو جس ڈگر پر لے جا رہے تھے وہ یقیناً ایک پر خطر ڈگر تھی۔

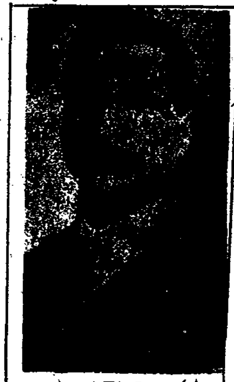
شیخ صاحب کے اس خط سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خفیہ طور پر حکومت کے ارکان کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور مسلم اتحاد کی صف میں انتشار پھیلانے کی سازش میں ملوث تھے۔

ٌ ٌ ٌ

ہمارا نرم رو قاصد پیام زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے

کاروانِ احرار

علامہ اقبال جب ۳ اگست ۱۹۳۱ء کو کشمیر کمیٹی سے الگ ہو گئے تو کشمیر تحریک کی ساری ذمہ داری انھوں نے مجلس احرار کے سپرد کر دی، چنانچہ ۱۸ اگست کو احرار ورکنگ کمیٹی کا اجلاس لاہور میں منعقد کیا گیا اور حسب ذیل قرارداد منظور کی:



ڈاکٹر اقبال

(۱) مجلس احرار کشمیر ایجی ٹیشن کو ہندو و مسلم تصور نہیں کرتی۔ کشمیر کے مسلمانوں اور مزدوروں کی حالت ایسی تباہ کن اور دردناک ہے کہ ہندوستان میں بھی کسی مزدور اور کسان کی نہ ہو گی۔ .... اگر کسی نہ کسی وجہ سے ہندوؤں اور سکھوں کا شر انگیز طبقہ اس بات پر تُل جائے کہ مسلمانان کشمیر پر ظلم برپا کئے جائیں جو پہلے سے ہی ستم رسیدہ ہیں، اس ایجی ٹیشن کو فرقہ وارانہ مسئلہ بنائے تو یہ مجلس نیشنلزم کے کاذب اور غلط نام کی خاطر ایسے متکبر اور محروم انسانیت اور بے روح طبقہ کی حمایت پر تیار نہ ہو گی۔ لہٰذا یہ مجلس تمام غیر مسلم جماعتوں کو اتحادِ عمل کی دعوت دیتی ہے اور ان کی امداد بخوشی قبول کرے گی جو کشمیر کے مظلوم باشندوں کی امداد کے لیئے ہاتھ بڑھائیں۔

(۲) مجلس احرار کا یہ ہرگز ارادہ نہیں کہ ہز ہائینس مہاراجہ کشمیر کو گدی سے اتار دیا جائے اور نہ ان علاقوں میں مسلم راج قائم کرنا مقصود ہے اس مجلس کے خیال میں تمام ایجی ٹیشن مجلس احرار یا دوسری مسلم جماعت پر جو اس قسم کے الزامات لگانے کی خاطر کی جاتی ہے محض شرارت پر مبنی ہے اور دانستہ کی جا رہی ہے۔

(۳) مجلسِ احرار ریاستی معاملات میں برطانوی مداخلت کو دعوت دینے کے لئے تیار نہیں اور چاہتی ہے کہ اس سلسلے میں جو غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں ان سب کو دور کر دے، برخلاف اس کے یہ مجلس خیال کرتی ہے کہ اہلِ کشمیر کو موجودہ مصیبت میں مبتلا کرنے میں حکومت برطانیہ بھی ذمہ دار ہے۔

(۴) احرار حکومت کشمیر کو انسانوں کا نظام اور موجودہ صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے پُرامن اور جائز ذرائع اختیار کرے گی۔

(۵) عملی کام شروع کرنے کے لیے مجلس احرار مولانا مظہر علی اظہر کو تحقیقاتی کمیٹی کا قائد مقرر کرتی ہے تاکہ وہ سرینگر جا کر وہاں کے مسلمانوں کی شکایات اور موجودہ فسادات کی تحقیقات کریں نیز وہ وسائل اور ذرائع دریافت کریں جو مسلمانانِ کشمیر کی حالت کو درست کرنے کے لیے ضروری ہوں ـــ اس کمیٹی کے باقی ارکان کے ناموں کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

(۶) مجلسِ احرار ۱۹ راگست سے ۲۵ راگست تک ہفتہ کشمیر مقرر کرتی ہے جسے ہندوستان بھر میں منایا جائے۔

(۷) اس ہفتے کے فوراً بعد تحقیقاتی وفد سرینگر روانہ کیا جائے گا اگر ارکان کمیٹی کو سرینگر میں داخل نہ ہونے دیا، یا انھیں گرفتار کیا گیا تو فوراً سول نافرمانی شروع کر دی جائے گی"۔

دستخط :

حبیب الرحمان، افضل حق، مظہر علی اظہر، داؤد غزنوی

(جاری کردہ : "مجلسِ احرار"

۱۳ راگست کو مجلس احرار کی "کشمیر کمیٹی" کا چارج سنبھالتے ہی ۵ راگست کو وزیر اعظم کشمیر نے ایک اعلان جاری کیا۔

"چونکہ حکومتِ کشمیر کی طرف سے تحقیقاتی کمیشن مقرر کر دیا گیا ہے لہٰذا مہاراجہ کی حکومت غیر ریاست سے کسی فرد یا جماعت کو ریاستی معاملات میں دخل کی اجازت نہیں دے سکتا"۔

۸ اگست کو افضل حق کی صدارت میں دہلی گیٹ کے پاس ایک احتجاجی اجتماع ہوا جس میں ریاستی حکام کے اس اعلان کو مسلمانوں کے لئے چیلنج سمجھتے ہوئے اس پر شدید احتجاج کیا گیا۔

۱۴ راگست کو کشمیر کمیٹی کے مقرر کردہ اجتماعات پر سارے پنجاب پر احرار کے رضا کاروں نے

BY FORCE قبضہ کر لیا اور اسی دن مسلمانانِ لاہور کا ایک عظیم اجلاس ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر اقبال نے کی۔ انھوں نے مجلسِ احرار سے مطالبہ کیا کہ :

"کشمیر کے وزیر اعظم نے اپنے ۱۵ راگست کے اعلان میں یہ کہہ کر مسلمانانِ عالم کی توہین کی ہے کہ ریاست سے باہر کا کوئی مسلمان یا کوئی مسلم جماعت ریاست کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دے سکتا، بنا بریں یہ اجلاس مجلسِ احرار سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ کشمیر کے مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لیکر حکومتِ کشمیر کو اس کے چیلنج کا جواب دے"۔

۱۳ راگست کو مجلسِ احرار نے سارے ہندوستان میں یوم دعاء منایا جس میں مسلمانوں کو تاکید کی کہ :-

"تحریک کشمیر کو ہر قسم کے تشدد سے پاک رکھیں، نیز کسی مسلمان کی زبان اپنے مخالف پر نہ کھلے اور نہ ہی کوئی ہاتھ اپنے ہم وطن غیر مسلم پر اٹھنے پائے جس سے تحریک کو شدید نقصان پہنچنے کا احتمال ہو"۔

مجلس احرار نے اعلان کیا ۲ ستمبر ۱۹۳۱ء کو احرار کا ایک وفد مہاراجہ سے ملنے کے لیے کشمیر جائے گا اس وفد کے قائد مولانا مظہر علی اظہر ہوں گے جبکہ باقی ارکان میں چوہدری افضل حق اور خواجہ غلام محمد ہوں گے۔ رانا آفتاب احمد بطور (اسٹینو) وفد میں شامل ہوں گے۔

اس اعلان کے ساتھ ہی ریاستی حکومت نے جیل میں شیخ عبداللہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کے ساتھ رابطہ قائم کیا تاکہ وہ اس قسم کی بیرونی مداخلت کی مخالفت کریں۔ چنانچہ مہاراجہ اور شیخ عبداللہ کے درمیان ایک عارضی صلح کے تحت سیاسی قیدی رہا کیے گئے۔

۳۰ راگست کے اخبارات "زمیندار" اور "انقلاب" میں اس عارضی صلح اور ریاست کے کشمیری رہنماؤں کے خلاف سخت غم و غصے کا اظہار کیا گیا اور ان کے اس اقدام کی سخت مذمت کی گئی۔

ریاست کے سیاسی حالات میں بیرونی مداخلت کے خلاف شیخ عبداللہ نے سرکار کی ہاں میں اس لئے اپنی ہاں ملا دی کیونکہ وہ کشمیر کمیٹی سے مرزائیوں کے اخراج کے خلاف تھے۔ اگر اس اخراج کی کارروائی علامہ اقبال نے نہیں کی ہوتی تو شیخ صاحب اس اقدام کے خلاف نہ صرف احتجاج کرتے بلکہ کشمیر کمیٹی کو جوں کا توں رہنے دیتے۔

احرار کا وفد ابھی کشمیر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ وزیر اعظم کشمیر نے مظہر علی اظہر کے نام تار روانہ کیا:- "میرا نمائندہ آپ سے سیالکوٹ میں ملاقات کرنا چاہتا ہے"۔

اس تار کی روشنی میں ۳ ستمبر کو سیالکوٹ میں احرار ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا اور اسی روز

ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کی کوٹھی میں مولانا مظہر علی اظہر اور جموں کے گورنر کے مابین گفتگو ہوئی اور ان شرائط پر احرار کے وفد کو کشمیر جانے کی اجازت دی گئی۔

(۱) ریاست کے اندر کسی قسم کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔

(۲) ریاستی معاملات کی تحقیقات غیر جانبدار ہو۔

(۳) احرار رہنما ریاست کے مہمان ہوں گے۔

اس طرح ۷ ستمبر کو احرار کا پہلا وفد کشمیر میں داخل ہوا، شیخ عبداللہ نے احراری وفد کی یہ کہکر مخالفت کی کہ" احراری رہنماؤں نے حکومت کی میزبانی قبول کیوں کی ؟"

اس کے جواب میں قائد وفد نے کہا۔

" اگر حکومت کی یہ شرط ہم منظور نہ کرتے تو اسی بہانے حکومت کشمیر ہمیں یہاں آنے کی اجازت نہ دیتی "

احراری رہنماؤں کو سرکاری ہاؤس بوٹ میں ٹھہرا دیا گیا۔ لیکن حکومت اور کشمیری رہنما کے عارضی صلح نامے کے مطابق کوئی بھی کشمیری رہنما ان سے ملنے نہیں آیا اور وفد کے ارکان کو ہاؤس بوٹ سے باہر آکر عوام سے ملنے اور بات چیت کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ انہیں ایک طرح سے حصار میں بند کر کے رکھ دیا گیا۔

ان کے خلاف یہی الزام لگ گیا کہ "آپ نے سرکار کا مہمان بننا قبول کیوں کیا ؟" اس پر جب مظہر علی اظہر نے کہا کہ :

" اگر آپ لوگ ہمیں اپنے ہاں ٹھہرانا پسند کریں تو ہم ابھی سے تیار ہیں "

لیکن اس پر کسی نے حامی نہ بھری، دراصل اس وفد کو ناکام لوٹانے کی یہ حکومت کی چال تھی اور اس چال میں حکومت نے شیخ عبداللہ کو اپنا شریک بنا دیا تھا۔

اس واقعہ کے بارے میں کاروانِ احرار کے مصنف جانباز مرزا نے لکھا ہے۔

" اس سال کی تحریک کشمیر کو جسے مجلسِ احرار نے شروع کیا تھا سمجھنے کے لیے اگر ان واقعات کو سمجھ لیا جائے کہ احرار رہنماؤں سے کشمیری لیڈروں نے جموں اور سرینگر میں اس قدر بے اعتنائی کیوں کی تو تاریخ کشمیر کے مؤرخ کو بڑی آسانی ہوگی۔

خود غرض افراد اور تن آسان قومیں ملک و ملّت کے لئے اسی طرح ضرر رساں ہوتے ہیں جس طرح بہار کے لیے بادِ سموم، دونوں اپنے اپنے مفاد کی سوچتے ہیں اور اس موڑ پر حکمراں

ٹولہ اپنے مقدر کی نیو اٹھاتا ہے اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ اس عمارت میں مخلص کا خون گارے کے مانند کام آیا اور سپہر شاہی وقار خود چل کر ان قوموں یا افراد کو مبارکباد دینے جاتا ہے جنھوں نے ایسی حرکات سے اپنے لئے غلامی کا تانا بانا تیار کیا ؎

شریکِ حکم، غلاموں کو کر نہیں سکتے
خرید لیتے ہیں فقط ان کا جوہرِ ادراک

کشمیری رہنما اور ڈوگرہ شاہی کے درمیان جب عارضی صلح کی خبر ۳ راگست کے اخبارات میں شائع ہوئی اس صلح نے کشمیری لیڈروں کے ضمیر پر شاہی رشوت کی ایسی مہر ثبت کی کہ تیس لاکھ غلام کشمیریوں کا لہو بھی انہیں زندگی نہ دے سکا اور ان کی مصلحت انکے ایمان کی موت بن کر رہ گئی "

احراری وفد نے ریاست میں سرکاری مہمان ہونے کے باوجود واپس آکر ۳ راکتوبر ۱۹۳۱ء کو بیان دیا :

"چونکہ کشمیری عوام پر حکومت کشمیر کے مظالم ناقابلِ برداشت ہو گئے ہیں لہٰذا احرار کا وفد جو آزادانہ تحقیقات کے لیے گیا تھا وہ واپس آگیا ہے۔ بدیں حالات مجلسِ احرار ریاست کشمیر میں ڈوگرہ شاہی کے بڑھتے ہوئے مظالم کے خلاف باقاعدہ سول نافرمانی کی تحریک شروع کر رہی ہے۔

مولانا مظہر علی اظہر اس تحریک کے پہلے ڈکٹیٹر ہوں گے اور انھیں اختیار ہوگا کہ وہ اپنے بعد جسے مناسب سمجھیں اپنا جانشین مقرر کریں "

اسی روز قائد وفد مولانا مظہر علی اظہر نے کشمیر سے واپس آتے ہی تحریک سول نافرمانی کا آغاز کر دیا ۱۱۳ افراد پر مشتمل قافلہ کے رہنما کی حیثیت سے سچیت گڑھ کے راستے ریاست کشمیر میں داخل ہونے کے لئے روانہ ہو گئے۔

اس طرح مولانا مظہر علی اظہر نے قافلے کی رہنمائی کرتے ہوئے پہلی گرفتاری دی اور شیخ الٰہی بخش جو چنیوٹ کے قافلے کی رہنمائی کر رہے تھے کشمیری قوم کی سربلندی کے لئے پہلا جام شہادت نوش فرمایا، کاروانِ احرار میں جو نامور اور معزز ہستیاں شامل تھیں ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری	(کریری پٹن)	لاہور
۲۔ چوہدری افضل حق		لاہور
۳۔ مولانا حبیب الرحمان		"

(۴)	مولانا مظہر علی اظہر	لاہور
(۵)	مولوی عبید اللہ سندھی	–
(۶)	شیخ حسام الدین صاحب	–
(۷)	مولانا داؤد غزنوی	–
(۸)	خواجہ عبدالرحیم عاجز	–
(۹)	چوہدری عبدالعزیز صاحب	–
(۱۰)	خواجہ غلام محمد صاحب	–
(۱۱)	ماسٹر محمد شفیع صاحب	–
(۱۲)	عبدالرحمان غازی	–
(۱۳)	ڈاکٹر عبدالقوی صاحب	–
(۱۴)	سید جماعت علی شاہ صاحب	–
(۱۵)	مولانا ظفر علی خاں صاحب	لاہور
(۱۶)	شمس الدین حسن صاحب	–
(۱۷)	چوہدری برکت علی صاحب	–
(۱۸)	چوہدری محمد امین صاحب	–
(۱۹)	محمد اشرف عطا	–
(۲۰)	ملک لال دین صاحب	–
(۲۱)	مولانا عبدالغفار غزنوی	امرتسر
(۲۲)	مولانا عبدالسلام ہمدانی	امرتسر
(۲۳)	ملک غلام حسن صاحب	امرتسر
(۲۴)	میاں محمد شریف الدین صاحب	امرتسر
(۲۵)	میاں محمد عمر صاحب	امرتسر
(۲۶)	صوفی نذیر حسین صاحب	امرتسر
(۲۷)	حکیم مہر دین صاحب	امرتسر
(۲۸)	ماسٹر تاج الدین انصاری	لدھیانہ

(۲۹)	حافظ محمد ابراہیم صاحب	بمبئی
(۳۰)	حافظ محمد شریف صاحب	اجمیر
(۳۱)	مولانا معین الدین صاحب	〃
(۳۲)	حکیم غلام حسین صاحب	کلکتہ
(۳۳)	تاج الدین جہاز	–
(۳۴)	ایم۔ جی۔ حسن	–
(۳۵)	مولانا حسرت موہانی	کانپور
(۳۶)	مولانا مشتاق احمد صاحب	سہارن پور
(۳۷)	سید محمد احمد کاظمی	–
(۳۸)	غلام محی الدین صاحب	–
(۳۹)	چوہدری محمد جمیل	–
(۴۰)	کریم بخش صاحب	–
(۴۱)	بابا اللہ دتہ صاحب	–
(۴۲)	سید غلام علی صاحب	–
(۴۳)	مولانا محمد زماں صاحب	ٹوبہ ٹیک سنگھ
(۴۴)	چوہدری محمد سخی صاحب	–
(۴۵)	مستری عبدالعزیز صاحب	–
(۴۶)	قاضی محمد سعید صاحب	وزیر آباد
(۴۷)	چوہدری عبدالستار صاحب	فیروزپور
(۴۸)	چوہدری عبدالعظیم صاحب	–
(۴۹)	مولوی عبدالمنان صاحب	ہوشیار پور
(۵۰)	چوہدری عبدالحق صاحب	–
(۵۱)	مولانا الہ دین صاحب	–
۵۲	چوہدری عبدالرحمان صاحب	–
(۵۳)	شیخ سردار احمد	–

(۵۴)	شیخ عبدالرشید صدیقی	ملتان
(۵۵)	قاضی احسان احمد	ـ
(۵۶)	مستری غلام نبی انصاری	جہلم
(۵۷)	ڈاکٹر نذر محمد	ـ
(۵۸)	ماسٹر محمد ابراہیم	بٹالہ
(۵۹)	حاجی عبدالغنی	ـ
(۶۰)	شوق محمد صاحب	ـ
(۶۱)	حاجی عبدالرحمان	ـ
(۶۲)	مولوی رحمت اللہ	ـ
(۶۳)	صوفی عنایت محمد	راول پنڈی
(۶۴)	حکیم فضل احمد	ـ
(۶۵)	مولانا محمد اسماعیل	ـ
(۶۶)	خواجہ احمد دین	سیال کوٹ
(۶۷)	سید کرم حسین شاہ	چک جھمر
(۶۸)	حکیم جمال الدین	ـ
(۶۹)	مولانا عبدالمجید قریشی	لاہور
(۷۰)	عزیز احمد حنانؔ	جالندھر
(۷۱)	سید محمد سلیمان شاہ	ـ
(۷۲)	خوشی محمد صاحب	ـ
(۷۳)	شیخ خدا بخش	جھنگ
(۷۴)	عطا محمد صاحب	صوبہ سرحد
(۷۵)	محمد رمضان صاحب	ـ
(۷۶)	مولانا عبدالرحیم بالپزی	ـ
(۷۷)	سردار گوہر رحمانؔ	جموں

(۷۸)	اللہ رکھا ساغرؔ	جموں
(۷۹)	عبداللہ خاں	ڈیرہ غازی خاں
(۸۰)	شیخ الٰہی بخش	ـ

کاروانِ احرار کے یہ نامزد عہدیدار اور کارکن جو اسّی کے قریب تھے، ان کے علاوہ اس کے ساتھ جو لوگ شامل تھے۔ ان کی تعداد لاکھوں میں شمار کی جاتی ہے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تُو نے یہ گنجہائے گراں مایہ کیا کئے



چودھری فضل حق
مولانا حبیب الرحمٰن
سید عطاء اللہ شاہ بخاری
شیخ حسام الدین
مولانا مظہر علی اظہر
خواجہ عبدالرحیم عاجز
مولانا داؤد غزنوی

کانٹے کسی کے حق میں کسی کو گُل و ثمر
کیا خوب اہتمام گلستاں ہے آج کل

مجلسِ احرار کی کشمیر کی تحریک میں شمولیت

احرار کی تحریک سے نہ صرف ریاست کی ڈوگرہ حکومت لرزہ براندام ہوگئی بلکہ ہندوستان کی کانگریس بھی پریشان ہوگئی، مجلس احرار دراصل کانگریس کا ہی باغی گروپ تھا اور اس باغی گروپ کی طاقت کا کانگریس نے بالکل غلط اندازہ لگایا تھا۔
کشمیر کی تحریک حریت میں جب اس مجلس نے اپنے آپ کو وابستہ کیا تو دور دور تک اس کا چرچا ہونے لگا چنانچہ اس مجلس کا توڑ کرنے کے لیئے کانگریس نے اس میں اپنے چند حامی مسلمانوں کو داخل کر دیا، اس سلسلے میں اختر علی خاں سرینگر تشریف لائے اور وزیر اعظم سے ملاقات کرنے کے بعد واپس دہلی روانہ ہو گئے۔

ان کے والد مولانا ظفر علی خاں نے مہاراجہ کشمیر کے قصیدے میں ایک نظم لکھ کر پہلے ہی اخبار "زمیندار" میں شائع کرائی تھی جس کی بدولت اُن کے بیٹے کو شرف ملاقات مل سکا۔

اے جواں سال مہاراجہ کہ بزم کشمیر — گونجتی ہے تیرے اخلاص کے افسانوں سے
اے کہ آراستہ ہے نامۂ عظمت تیرا — بخت و دولت کے چمکتے ہوئے عنوانوں سے
ہے یہی میری تمنّا کہ تشکّر کی زباں — نہ کبھی عہدہ برآ ہو تیرے احسانوں سے

چنانچہ اختر علی خاں کے واپس جانے کے کئی دنوں بعد مولانا مظہر علی خاں، خواجہ عبدالرحمان غازی اور خواجہ غلام محمد سرینگر تشریف لائے انہیں سرکاری مہمان بنا کر ہاؤس بوٹ میں ٹھہرایا گیا۔ پہلے پہل شیخ عبداللہ نے اس وفد کے ساتھ ملاقات کرنے سے احتراز کیا لیکن جب انھیں بتایا گیا یہ وفد کانگریس کا حامی گروپ ہے اور یہ کشمیری رہنماؤں کی مالی امداد کرنا چاہتا ہے تو شیخ صاحب ان سے ملنے کے لیئے راضی ہو گئے اور آبی گزر کے ہاؤس بوٹ میں جہاں احرار کا یہ وفد مقیم تھا۔ شیخ عبداللہ ان سے ملنے آیا۔

ان لیڈروں نے شیخ صاحب سے شکایت کی کہ ہمارے ساتھ یہاں سرد مہری کیوں برتی جا رہی ہے جب کہ ہم لوگ آپ کی بھرپور مدد کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ "کشمیر کمیٹی" کے ارکان کے ساتھ آپ بڑی خوش اسلوبی سے ملتے ہیں اُن کا تعاون بھی حاصل کر رہے ہیں۔ شیخ عبداللہ نے انھیں جواب دیا۔

"یہ شکوہ ہم بھی آپ سے کر سکتے ہیں، اول تو یہ کہ آپ یہاں جب بھی آتے ہیں تو سرکار کے مہمان بن کر آتے ہیں، آپ یہاں کے شہیدوں کے گھر جا کر ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار بھی نہیں کر رہے ہیں۔ ہمیں سرکار نے مختلف مقدمات میں پھنسا کر پریشان کر دیا ہے ہمیں مالی امداد اور ماہرانہ قانونی مشوروں کی ضرورت ہے آپ ان ضروریات میں ہماری کوئی دست نگری نہیں کر رہے ہیں جبکہ "کشمیر کمیٹی" ہماری بھرپور مدد کر رہی ہے وہ اپنے خرچ پر یہاں وکلاء بھیج رہی ہے، مڈلٹن اور گلینسی کمیشن کے سامنے کشمیری مسلمان اپنا کیس پیش کریں گے تو کشمیر کمیٹی کی ہی امداد سے، اتنا ہی نہیں کشمیر کمیٹی کے نمائندے شہداء اور قیدیوں کے گھروں میں جا کر اپنی بساط کے مطابق نقد و جنس سے ان کا بوجھ ہلکا کر رہے ہیں، اس لئے اگر ہم آپ کی مجلس کے بجائے کشمیر کمیٹی کا دامن پکڑیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے ؟"

کانگریس کے یہ حامی احراری اس بات پر خوش ہوئے کہ ان کا تیر نشانے پر بیٹھ گیا، انھوں نے امداد کے طور پر شیخ صاحب کو پانچ سو روپے اسی وقت ادا کیئے، نور محمد بٹ سیلکر نے اپنی ڈائری میں یہ رقم چھ سو بتائی ہے۔ البتہ اخبار "زمیندار" نے اس وقت پانچ سو روپے دینے کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے بعد میں عثمانی صاحب کو دو سو روپے دیئے۔

روپے دینے کا یہ ذکر چھڑ گیا تو مولوی یوسف شاہ اور مولوی احمد اللہ ہمدانی بھی اُن سے ملاقاتی ہوئے۔ ان دونوں مولویوں کو پانچ پانچ سو روپے دیئے گئے تو انھوں نے یہ کہہ کر روپے واپس کر دیئے کہ چونکہ وہ سینئر لیڈر رہیں اس لیئے ہم جونیئر لیڈروں کے مقابلے میں زیادہ کے حقدار ہیں، بعد میں ان کو ایک ایک ہزار روپے دیئے گئے، بعض دستاویزوں میں یہ رقم دو دو ہزار بتائی گئی ہے۔ البتہ اصل میں دو حضرات کو دو ہزار صحیح ہے۔

شیخ عبداللہ کو جب پتہ چلا کہ مولویوں کو ایک ایک ہزار روپے دیئے گئے ہیں تو وہ سخت برہم ہوئے اور پانچ سو روپے انھیں واپس لوٹانے کے لیئے ہاؤس بوٹ گئے۔ جب وہ یہاں آئے تو ان کو بتایا گیا کہ وفد کے ارکان یہاں نہیں ہیں بلکہ کہیں گئے ہوئے ہیں۔ کسی اور نے بتایا وفد

دوسرے ہاؤس بوٹ میں ہے۔

شیخ صاحب لال منڈی میں دوسرے ہاؤس بوٹ میں گئے تو یہاں چوہدری افضل حق، شیخ حسام الدین اور تاج الدین انصاری بیٹھے تھے، کچھ دیر بعد ان کے ساتھ میاں امیر الدین بھی شامل ہو گئے۔ شیخ صاحب نے غصہ سے ان کو پانچ سو روپے واپس کر دیئے تو اُن کو حیرت ہوئی انھوں نے شیخ صاحب سے کہا ہم نے ابھی تک کوئی روپے پیسے دیئے ہی نہیں ہیں آپ واپس کیا کر رہے ہیں۔ اس پر غور و خوض کیا گیا تو پتہ چلا احرار کے نام سے کانگریس کا ایک وفد آیا ہوا ہے اور وہ آبی گزر کے پاس دوسرے ہاؤس بوٹ میں مقیم ہے۔

شیخ صاحب دوسرے روز پہلے والے ہاؤس بوٹ میں آئے تو روپے واپس کرنے کے بجائے ان سے ترش روی سے بولے:

"آپ لوگ باہر سے آ کر ہمارے معاملات میں دخل نہ دیں ہم حکومت سے خود نمٹ لیں گے"۔

اس پر عبدالرحمان غازی نے کہا:

"چلو ہم آپ کے معاملات میں دخیل نہیں ہوتے لیکن کیا آپ لوگوں نے اپنے کوئی مطالبات مرتب کیے ہیں جو آپ حکومت کو پیش کریں گے ؟"

"جی ہاں !" شیخ عبداللہ نے جواب دیا۔

یہ سن کر غازی عبدالرحمان نے خواجہ غلام محمد سے کہا کہ "میرے اٹیچی کیس میں پڑے ہوئے کاغذات اٹھا لائیں"۔

یہ کاغذات جن میں انگریزی میں ٹائپ کیئے ہوئے مطالبات تھے۔ مولوی اسماعیل غزنوی مرزا بشیر الدین محمود کے دفتر کی میز سے چوری سے اٹھا لائے تھے۔ یہ کاغذات غازی صاحب نے شیخ عبداللہ کو دکھا کر کہا:

"یہ مطالبات تو نہیں جو آپ حکومت کو پیش کر رہے ہیں ؟"

شیخ عبداللہ کا رنگ اُڑ گیا، اور وہ ہکلاتے ہوئے بولے:

"آپ کے پاس یہ کیسے پہنچ گئے ؟"

اس پر غازی صاحب نے جواب دیا "جہاں سے آپ کے پاس پہنچے ہیں"۔

یہ مطالبات جو کشمیر کی مسلم قیادت کی طرف سے مہاراجہ ہری سنگھ کو پیش کیئے گئے تھے دراصل سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا نے شملہ میں مرزائیوں کی شہ پر مرتب کر کے ۱۹ ر اکتوبر ۱۹۳۱ء کو دربار کشمیر کے روبرو پیش کیے تھے ۔

مطالبات اصل مسائل سے بالکل ہٹ کر یوں ترتیب دیئے گئے تھے :

(۱) کشمیر میں ایک مشاورتی مجلسِ قانون ساز مقرر کی جائے جس کی ترتیب کچھ انتخابات سے اور کچھ نامزدگی یا بلاواسطہ انتخاب سے عمل میں آئے ۔

(۳) ریاست کے تمام باشندوں کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جائے ۔

(۴) پولیس از سرِ نو منظم کی جائے ۔

(۵) فی الحال ریاستی کابینہ میں ایک برطانوی وزیر رکھا جائے ۔

(۶) ترقی کی حکمت عملی کے متعلق ایک اعلان کیا جائے ۔

شیخ صاحب مزید کچھ کہے پوچھے یہاں سے واپس چلے گئے اور احراری وفد سے ایک طرح سے روٹھ گئے ۔ دراصل احراری وفد جس کی قیادت چوہدری افضل حق کر رہے تھے ۔ اس وقت وزیر اعظم سے ملنے گیا تھا ۔ چوہدری افضل حق نے وزیر اعظم سے ملاقات کے دوران انہیں مشورہ دیا ۔

" تشدد سے کشمیر میں امن و سکون قائم نہیں ہو سکتا ، بیداری کی جو روح عوام میں پیدا ہو چکی ہے اُسے آپ کا تشدد اب کسی صورت میں بھی دبا نہیں سکتا ، اگر آپ اپنے ملک کو اس کی ضرورت کے مطابق اصلاحات دے دیں جس سے کشمیری عوام کشمیر کے اندر حکومت میں جائز مقام پا سکیں تو صورت حال بہتر ہو جائے گی اور کشمیر میں مستقل امن ہو جائے گا ۔"

یہ وفد وزیر اعظم سے ملنے کے بعد واپس ہاؤس بوٹ میں آیا تو انھوں نے شیخ عبداللہ سے ملنے کے لیئے انہیں پیام بھیجدیا ، شیخ صاحب نے وفد سے ملنے سے انکار کیا تو تاج الدین انصاری نے بخشی غلام محمد کو اپنے ہاں بلوایا ، بخشی صاحب اپنے ساتھ غلام نبی گلکار کو بھی لے آیا ۔ غلام نبی گلکار مرزائی ہو کر بھی احراری وفد سے ملاقات کر کے کافی متاثر ہوئے ، چنانچہ بخشی غلام محمد اور غلام نبی گلکار نے شیخ صاحب کو اس وفد سے ملنے کے لیئے راضی کر لیا ۔ اس طرح کشمیری نمائندوں اور احراری وفد کے درمیان غیر رسمی گفتگو ہوئی ۔ اس ملاقات کے دوران شیخ عبداللہ نے ان سے پوچھا ۔

" آپ ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں ؟ "

افضل حق نے ان سے کہا ۔

" مجلس احرار اگر اتنی زبردست تحریک ہندوستان بھر میں چلا سکتی ہے تو اس علاقے کے اخراجات کیوں برداشت نہ کر سکے گی ، حالانکہ ہماری مجلس سرمایہ داروں کی نہیں بلکہ غریبوں کی مجلس ہے پھر بھی ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریک کے ماہانہ اخراجات کا تخمینہ کتنا ہے ؟ "

شیخ صاحب نے چار سے پانچ ہزار تک بتایا جو وہ مرزائیوں سے حاصل کرتے تھے ۔

وفد کے سربراہ نے ان سے پوچھا " یہ خرچہ اب تک کیسے برداشت کیا جا رہا ہے ؟ "

شیخ صاحب نے جواب دیا ،

" ایک پارٹی ہے جس کا میں یہاں نام نہیں بتاؤں گا ۔ یہ سارا خرچہ برداشت کر رہی ہے ۔"

احراری وفد جان گیا یہ " کشمیر کمیٹی " ہو گی ۔ انہوں نے کہا ۔

" تخمینہ تو بہت تھوڑا ہے ہماری مجلس ماہانہ دس ہزار تک خرچہ برداشت کر سکتی ہے ۔"

اس پر شیخ صاحب اور ان کے ساتھی مطمئن ہوئے ۔

میاں امیر الدین نے اسی وقت پنجاب میں کشمیری مظلومین کے لیئے چندہ کے نام پر جمع کی گئی امدادی رقم ڈھائی ہزار اور کچھ چیکیں شیخ صاحب کو پیش کر دیں ۔

جب میاں امیر الدین سرینگر سے واپس پنجاب آ گئے تو ڈپٹی کمشنر مسٹر ایسکو یتھ نے انھیں اپنے دفتر بلوا کر ان سے چندہ جمع کر کے ان کو سرینگر لے جانے اور وہاں پر شیخ عبداللہ کے حوالے کرنے کی باز پرس کی ، میاں امیر الدین نے صاف صاف اقرار کر لیا ۔

چونکہ اُن ایام میں وہ پنجاب کے رجسٹرار تھے لہٰذا ڈپٹی کمشنر کے حکم سے ان کے کمیشن جو انھیں رجسٹراری کے طور پر بطور معاوضہ مل رہا تھا اس میں سے سالانہ پانچسو روپے کی کمی کر دی گئی ۔ میاں امیر الدین نے سرکار انگلیشیہ کے پاس اس فیصلے کے خلاف سخت احتجاج کیا لیکن ڈپٹی کمشنر کا آرڈر واپس نہیں لیا جا سکا ۔

احراریوں کی طرف سے ماہانہ دس ہزار تک کا خرچہ مرزائیوں کے لیئے نہلے پہ دہلہ تھا ۔ چنانچہ شیخ صاحب جب " کشمیر کمیٹی " کے ارکان سید محسن شاہ اور سید غلام بیگ مقیم سرینگر سے ملے تو ان کے لہجے سے صاف عیاں تھا کہ وہ ان کے پاس ریٹ بڑھانے آئے ہیں تاکہ انھیں احراریوں کا دستِ نگر نہ بننا پڑے ان کی یہی کوشش تھی کہ کشمیر تحریک کے ساتھ احراریوں کے بجائے مرزائی وابستہ رہیں ،

اوراس کے لیے انعام میں انھیں وہ موٹر ملے جس کامرزا بشیر محمود نے دینے کا وعدہ کیا تھا۔

مرزائیوں سے بات چیت کرنے کے بعد شیخ صاحب غلام احمد عشائی کے ہمراہ اگلے روز احراری وفد سے پھر ملے اور ان کے سامنے مطالبات کے اس چارٹر جو مہاراجہ کو ترمیم کرکے بھیجنا مطلوب تھا اس میں سے ذمّہ دار نظام حکومت درج کرنے سے صاف انکار کیا۔ چوہدری افضل حق نے راتوں رات اس اہم مطالبے سے دست بردار ہونے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کوئی معقول جواب نہیں دیا، دراصل یہ مرزائیوں کی کارستانی تھی۔

چُناں چہ احراری وفد ناراض ہوکر واپس چلاگیا، واپس جاکر انھوں نے ایک بیان جاری کیا۔

"ہم ایک ایسی منتخب اسمبلی کو جسے کوئی ذمّہ داری اور اختیار حاصل نہ ہوں بے حقیقت اور نمائشی جماعت سے زیادہ وقعت نہیں دیتے، یہ اُن شہیدانِ وطن کے قیمتی خون کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی جو کشمیر کی آزادی کے لیئے اپنی جانیں قربان کرچکے ہیں۔ انہیں حقیقی اصلاحات ملنی چاہیں نہ کہ اصلاحات کا فقط سایہ، ہمیں یقین ہے کہ جو مطالبات مہاراجہ کے سامنے پیش کیے گئے ان سے کشمیر کے مصائب کا خاتمہ نہیں ہوگا۔ ایسی منصفانہ اصلاحات ریاست میں نافذ کرائی جائیں جن سے یہاں کے عوام کو ذمّہ دار حکومت مل جائے پھر انشاء اللہ فتنہ وفساد کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوجائے گا۔

تمام مصائب کا علاج صرف اور صرف یہ ہے کہ کشمیری عوام کو ذمّہ دار اسمبلی بنانے کا حق دے دیا جائے ورنہ دوسری کوئی چیز کشمیری عوام کو مطمئن نہیں کرسکتی۔

ان حالات وواقعات کی موجودگی میں ہم واپس آگئے ہیں۔ کیونکہ ہماری رائے میں قادیانیوں کی طرف سے شملہ میں بیٹھ کر جو مطالبات مسلمانانِ کشمیر کے لیئے مرتّب کرکے مہاراجہ کے سامنے پیش کیے گئے وہ تمام ناکافی ہیں لہذا آیندہ کے لیے عملی کارروائی کی سکیم مجلسِ عاملہ احرار کے اجلاس میں طے کی جائے گی اور وقت پر اس کا اعلان کردیا جائے گا۔"

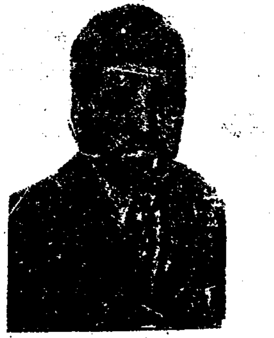
شیخ حسام الدین (رُکن وفد احرار ۲۳ر اکتوبر ۱۹۳۱ء)

شیخ صاحب نے مجلسِ احرار کا معقول اور مناسب مطالبات کا چارٹر نامنظور کرکے "کشمیر کمیٹی" کی طرف سے وہ مطالبات کا چارٹر منظور کیوں کیا؟ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ شیخ صاحب اپنی صفوں میں احراریوں کو شامل کرنا نہیں چاہتے تھے، ویسے شیخ صاحب اس بارے میں بھی صاف اور مخلص نہیں تھے۔ کیونکہ احراریوں کی طرف سے چندے کے نام پر انھوں نے نذرانہ وصول کرنے میں کوئی پس وپیش نہیں کیا۔

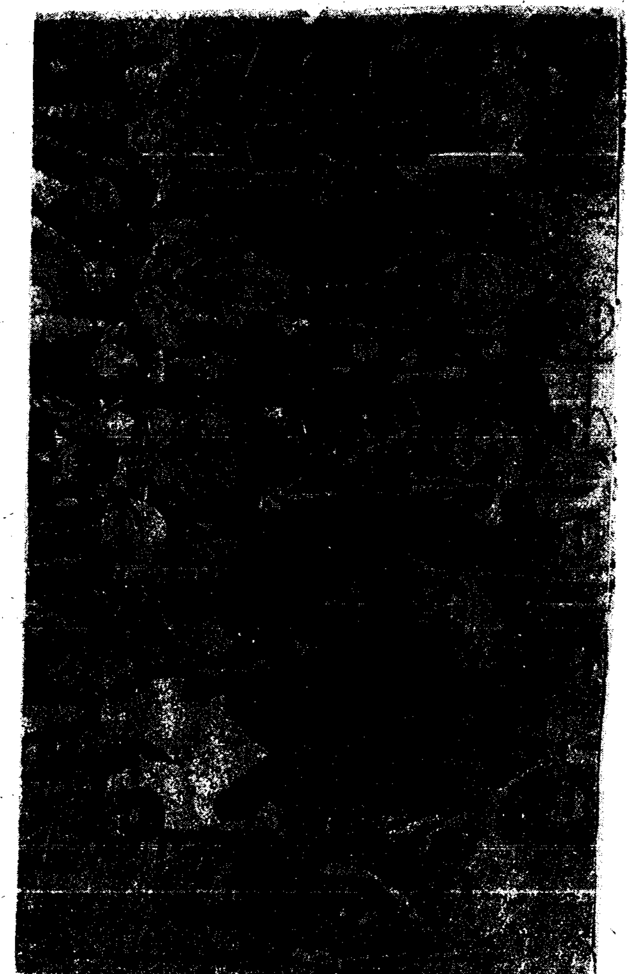
بخشی غلام محمد اور غلام نبی گلکار کی نظر میں احراری وفد نے جو نقد اور چیکس شیخ صاحب کو پیش کیے وہ مظلوم کشمیریوں کے لیے امداد تھی جسے شیخ صاحب نے نذرانہ کا نام دیا، کیونکہ یہ سب کچھ انھوں نے مقامی کمیٹی میں جمع کرانے سے اجتناب کیا۔ جس کی وجہ سے بخشی غلام محمد اور غلام نبی گلکار اندر ہی اندر کڑھتے رہے۔



بخشی غلام محمد



غلام نبی گلکار



احرار کے والینٹئراور وہ معصوم بچّے
جو کشمیر کی تحریکِ حریّت کی خاطر میدانِ کارزار میں اُترے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر گئے

شاید کسو کے دل کو لگی اس گلی میں چوٹ
میری بغل میں شیشۂ دل چور ہو گیا

کاروانِ احرار کی یلغار

کاروان احرار اور ڈوگرہ فوجوں کے درمیان ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو ایک طرح کی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ مولانا مظہر علی اظہر اور ان کے تمام ساتھی پہلے ہی وار میں گرفتار کر لیئے گئے۔ ان کے بعد شیخ حسام الدین دوسرے ڈکٹیٹر مقرر ہوئے۔ ۳۱ اکتوبر کو اللہ رکھا ساغر نے مسلمانانِ جموں کی طرف سے مہاراجہ کو چوبیس گھنٹے کے نوٹس میں کہا:

"کشمیر میں ذمہ دار اسمبلی کے قیام کا فوراً اعلان کیا جائے احرار رہنما اور رضا کاروں کو رہا کر دیا جائے۔ ورنہ میں سول نافرمانی شروع کروں گا"۔

جہلم کا محاذ شیخ محمد اشرف عطا، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور رجا نباز مرزا کی ذمہ داری میں دیا گیا۔ چینوٹ کے قافلے کی قیادت شیخ الٰہی بخش کر رہے تھے۔

مختلف اطراف سے سیکڑوں کی تعداد میں احراری قافلہ محاذ پر رواں دواں ہوا کچھ لوگ پیدل، کچھ تانگوں اور لاریوں کے ذریعے پتن تک قافلے کے ساتھ آ گئے۔

پتن پر انگریز علاقے میں پولیس مجسٹریٹ اور دوسرے حکام موجود تھے۔ ان کی ہدایت پر دریائے جہلم کی تمام کشتیاں کنارے سے ہٹا لی گئی تھیں۔ لیکن رضا کاروں کے عزم شہادت نے دریائے جہلم کی طغیانی کو شکست دینے کے لیئے بے خطر دریا میں چھلانگیں لگا دیں۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

احراری جتھے جو ریاست میں کشمیری مظلومین کے لیئے سر بکفن ہو کر آ رہے تھے ان میں بیشتر غریب اور لاچار تھے بعض افراد کے پاس زادِ راہ بھی نہیں تھا اور بہت سے، رضا کار اپنی بیویوں

کے زیورات فروخت کر کے کشمیریوں کی مدد کے لیے روانہ ہوئے تھے، اور جلوس کی صورت میں بازو لہرا لہرا کر پکار رہے تھے:

چلو چلو مومنو رخ کرو کشمیر کا !
توڑ کر باطل کی گردن جوہر دکھاؤ شمشیر کا

کشمیر چلو کا نعرہ دے کر احراری دھڑا دھڑ رضا کار پلٹن میں بھرتی ہو رہے تھے کہ علامہ اقبال نے نواب صاحب پالن پور کی معرفت مہاراجہ ہری سنگھ کو ایک پیغام بھیجا تا کہ وہ کشمیر کے لیڈروں کے ساتھ مصالحت کریں کیونکہ نواب صاحب پالن پور کا مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ یارانہ تھا۔ شاید اس پیغام کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہوتا۔ نواب صاحب نے علامہ اقبال سے احراری لیڈروں کو اپنی پیش قدمی روکنے کو کہا لیکن احراری لیڈر اُن کا مشورہ نہیں مانے کیونکہ ان کی نظروں میں علامہ اقبال اس بارے میں مرزائیوں کی طرف داری کر رہے تھے۔

احرار کی سول نافرمانی کی تحریک پنجاب سے نکل کر ہندوستان کے ساحل تک جا پہنچی ہندو پریس نے اس کی مخالفت کا بیڑا اٹھایا۔

ہندو پریس کے اس واویلا نے مسلمانوں کا جوش و جذبہ اور بڑھا دیا، چنانچہ پنجاب کے ساتھ ساتھ گجرات، گورداسپور، علی گڑھ، مراد آباد، یو۔پی اور دہلی کے قافلے لاہور کی طرف کوچ کرنے لگے۔ اس کے بعد کراچی، پشاور اور کلکتہ سے بھی قافلے آنے لگے۔

۴ر نومبر کے اخبارات میں گورنر جنرل ہندوستان کی طرف سے احرار کے قافلوں کو روکنے کے لیے ایک آرڈی ننس کا نفاذ ہوتے ہی مہاراجہ کشمیر نے انگریز فوج کی مدد حاصل کر لی۔

مجلس احرار کے بیشتر لیڈروں کے ساتھ بیشمار رضا کار گرفتار کر لیے گئے۔ جیل خانوں میں احرار قیدیوں پر تشدد کر کے انہیں زیرِ عتاب کرنے کی کوشش کی گئی۔ خوراک میں کئی کئی سالوں کا بوسیدہ چاول اور آٹا، گلی سڑی سبزیاں دی گئیں، ان سے کولھو اور خراس کی چکی پیسنے کی مشقت کرائی گئی۔ کاغذ کا ملیدہ، اٹھارہ سیر گندم، پیسنا، مونجھ کوٹنا، بان بٹنا جیسی ظالمانہ مشقتیں جو بیشتر ازیں کانگریس تحریک کے دنوں میں بھی جیلوں میں قیدیوں سے نامناسب سمجھی جاتی رہیں۔ احرار قیدیوں سے ان کا حصول جائز قرار دیا گیا۔ کسی قیدی کے معمولی سے سوال پر اس قدر پیٹا جاتا کہ وہ بیہوش ہو جاتا۔ کولھو اور کنوئیں کے آگے بیلوں کی جگہ احرار قیدیوں کو جوتا جا رہا تھا۔ کھڑی ہتھکڑی، بیڑی، ڈنڈا بیڑی، ٹاٹ وردی جیسی بے رحمانہ مشقتیں کرا کر

احراریوں سے سیاسی انتقام لیا گیا۔ اس تحریک کی ابتدا سے انتہا تک چھتیس ہزار رضا کار گرفتار کیے گئے اور اس دوران پچیس احراریوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ چھ مہینے کا ایک معصوم بچّہ اپنی ماں کی گود میں قید ہوا۔ احرار کی سول نافرمانی کو ایک ماہ گزر گیا تو انھوں نے یوم سیالکوٹ منانے کا فیصلہ کیا۔ کوئی بیس ہزار کے قریب رضا کار سیالکوٹ میں جمع ہوئے تو سیالکوٹ گویا احرار کی ایک چھاؤنی بن گیا۔ آٹھ دس سال کے بچّے ماؤں نے اپنی گودوں سے اٹھا کر جیلوں میں بھیج دیئے تھے۔ اس شہر کی خواتین بھی اس روز احراری رضا کاروں کے سُرخ لباس کی تقلید کرتی ہوئی سُرخ دوپٹے اور سُرخ شلوار پہن کر آئی تھیں اور رضا کاروں کے لیے کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔ سیالکوٹ کے اس اجتماع سے ریاستی سرکار گھبرا گئی اور اس نے احراریوں کے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ۲ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو حسبِ ذیل دعوت نامہ مولانا کفایت اللہ صدر جمعیۃ العلماء ہند اور مولانا احمد سعید کے نام وزیر اعظم کشمیر کی طرف سے کشمیر ہاؤس دہلی سے روانہ کیا گیا۔

”جنابِ محترم !

میں نہایت ہی خوشی کے ساتھ یہ بات جناب کے علم میں لاتا ہوں کہ آج سہ پہر کے وقت ۵ اور ۶ بجے کے درمیان ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر آف کشمیر آپ سے اور مولانا احمد سعید صاحب سے مُلاقات کی مسّرت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بالکل ٹائم بعد میں ٹیلیفون پر عرض کر دیا جائے گا۔

نیاز مند
ہری کرشن کول، وزیر اعظم جموں و کشمیر

۲ر دسمبر کو ہز ہائی نس مفتی صاحب اور مولانا صاحب نے کشمیر ہاؤس دہلی میں ملاقات کی۔ مفتی صاحب نے تجویز پیش کی کہ مجلس احرار کے لیڈر جو مختلف جیلوں میں نظر بند ہیں انھیں لاہور بورسٹل جیل میں منتقل کیا جائے تا کہ ان کے ساتھ ایک جگہ مسائل پر بات چیت ہو سکے۔

اس دوران وزیر اعظم نے دریافت کیا کہ کن احرار لیڈروں کو ایک ہی جیل میں پہنچانے کا انتظام کرنا ہے۔ مفتی صاحب نے چوہدری افضل حق، عبدالرحمان غازی، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا احمد علی، مولانا محمد چراغ، مولانا داؤد غزنوی، شیخ حسام الدین، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ماسٹر محمد شفیع کے نام لکھوائے۔

مہاراجہ نے منظوری دیدی اس طرح میٹنگ برخاست ہوگئی۔

۷؍دسمبر کو وزیر اعظم نے مفتی صاحب کے نام تار روانہ کیا:

"مفتی کفایت اللہ صاحب!

پریذیڈنٹ جمعیۃ العلمائے ہند

حکومت پنجاب سے ملاقات ہوچکی ہے، اراکین کو ایک جگہ جمع کرنے کا کام شروع ہوا اس میں چند یوم کا عرصہ لگے گا۔ اس مدت میں براہِ کرم حضرات کو لاہور میں اپنی رائے سے مطلع کردیجئے اور اس کی ایک کاپی میرے پاس بھیجد یجئے۔ میں آپ کو خط بھیج رہا ہوں۔

مخلص:

ہری کرشن کول"

مفتی صاحب کا تار وزیر اعظم کے نام:

"دہلی ۷؍دسمبر ۱۹۳۱ء

جناب مکرم وزیر اعظم جموں وکشمیر! تسلیم!

جناب کا تار موصول ہوا شکریہ — ! میرے خیال میں ممبران ورکنگ کمیٹی احرار کے اجتماع میں کوئی دقت نہیں ان کے اجتماع اور میرے اُن سے مشورہ کرنے سے پہلے نہ میں کوئی تجویز مُرتّب کرسکتا ہوں اور نہ ہی ایسی کوئی تجویز مفید ہوسکتی، برائے کرم ان کے اجتماع کا انتظام جلد کردیجئے۔

محمد کفایت اللہ

۱۰؍دسمبر کو خواجہ حسن نظامی نے مولانا احمد سعید صاحب کو مطلع کیا کہ آنریبل سر فضل حسین، مفتی کفایت اللہ اور آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں ان کی رائے ہے کہ اگر آپ حضرات آج چار بجے ان کی کوٹھی پر تشریف لائیں تو مہربانی ہوگی۔

مولانا احمد سعید مفتی صاحب سے مشورہ کرنے کے بعد خواجہ حسن نظامی کے ہمراہ سر فضل حسین کی کوٹھی پہ پہنچ گئے۔ گفتگو کے دوران یہاں حاجی عبداللہ ہارون بھی موجود تھے۔ گفتگو کا موضوع مجلس احرار تھا۔ اور سر فضل حسین نے احراری قیدیوں کو ایک جگہ جمع کرانے میں اپنا تعاون پیش کیا ۱۶؍دسمبر تک مختلف جیلوں سے احراری قیدیوں کو لاہور بورسٹل جیل میں منتقل کیا گیا لیکن یہاں انھیں ایک جگہ رکھنے کے بجائے مختلف بارکوں میں رکھا گیا، جس کی وجہ سے وہ آپس میں صلاح مشورہ نہ کرسکے

مفتی کفایت اللہ نے وزیر اعظم کشمیر کے نام ایک خط کے ذریعے اس طریقہ کار سے ناراضگی ظاہر کی تو وزیر اعظم نے ۲۳؍دسمبر کو اپنے خط میں لکھا:

"احرار لیڈرز سے جو ملاقات ہو رہی ہے وہ پنجاب گورنمنٹ کی زیر نگرانی ہے اس لیئے آپ کو چاہیے کہ پنجاب گورنمنٹ کے ذمّہ دار افسروں سے گفت وشنید کریں اگر ضروری سمجھا گیا تو یہی افسران ہم سے خط وکتابت کرسکتے ہیں۔"

اگلے ایک اور خط میں وزیر اعظم نے مفتی صاحب کو لکھا:

"مکرمی مفتی صاحب!

آپ کا مراسلہ مورخہ ۲۹؍دسمبر ۱۹۳۱ء کو ملا، مشکور ہوں۔ میں آپ کے مراسلہ اور اس کے جواب کا جو میں نے ۲۵؍دسمبر کو آپ کی خدمت میں بھیجا تھا ان کی نقلیں آنریبل سر ہنری کریک اور آنریبل نواب سکندر حیات خاں کی خدمت میں بھیج چکا ہوں، آپ براہِ راست نواب سکندر حیات خاں سے ملاقات فرما سکتے ہیں۔ میرے ایما پر آپ کا دہلی سے یہاں تشریف لانے کے لیئے میں ممنون ہوں۔ اگر بفضل کوئی نتیجہ نیک پیدا ہوا تو گورنمنٹ ہم لوگوں کو باقاعدہ اطلاع دے گی۔

آپ کا صادق:

ہری کرشن کول

وزیر اعظم ہری کرشن کول کی طرف سے یہ خط ملنے کے بعد مفتی صاحب نے حسبِ ذیل خط لکھ کر آنریبل سر سکندر حیات خان کو لکھا۔

"لاہور۔ دفتر مجلس خدّام الدین ۳۱؍دسمبر ۱۹۳۱ء

بخدمت جناب آنریبل نواب سر سکندر حیات خان صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

وزیر اعظم ریاست جمّوں وکشمیر کی اس اطلاع پر کہ قرار داد کے موافق احرار لیڈرز کو بورسٹل جیل لاہور میں جمع کردیا گیا ہے آپ ان سے ملاقات کریں۔ میں اور مولانا احمد سعید دہلی سے لاہور آئے اور ۲۲؍دسمبر کو احرار ورکنگ کمیٹی کی معیت میں احرار لیڈرز سے جیل میں ملاقات کی اور بعض مبادیات کے تصفیہ کے لیئے ہم نے وزیر اعظم کو مراسلہ لکھا اس کے جواب میں وزیر اعظم نے ہمیں اطلاع دی کہ معاملہ پنجاب گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے

اور یہ کہ انھوں نے آپ کو میری اور اپنی خط وکتابت کی اطلاع کردی ہے ۔ اور آئندہ گفتگو کا سلسلہ جناب سے متعلق رہے گا ۔ اس لئے برائے کرم گفتگو کے وقت اور مقام سے مطلع فرما کر منت پذیری کا موقع عنایت فرمادیں ۔ میرے ساتھ مولانا احمد سعید صاحب ہوں گے ۔

اگر بیگم جنوری تجویز فرمادیں تو ایک بجے سے قبل یا چار بجے کے بعد کا وقت مقرر فرمادیں ۔

محمد کفایت اللہ

پریزیڈنٹ جمعیتہ العلمائے ہند

اس خط کا جواب سر سکندر حیات خان نے اس طرح بھیجا ۔

لاہور ۴ ؍ جنوری ۱۹۳۲ء

مکرمی جناب مفتی کفایت اللہ صاحب زاد عنایتہ ۔

سلام مسنون ، آپ کا عنایت نامہ محررہ ۳۱ ؍ دسمبر ۱۹۳۱ء مجھے ۲ ؍ جنوری ۱۹۳۲ء شام کو ملا - آپ نے ملاقات کے متعلق دریافت فرمایا ، جواباً عرض ہے کہ مجھے مسرت ہو گی اگر آپ اور مولانا احمد سعید صاحب کل مورخہ ۵ ؍ جنوری ۱۹۳۲ء کو چار بجے شام بندہ کے مکان ۲۱ لوگرمال پر تشریف لے آئیں ۔

خاکسار خلائق

سکندر حیات خان عفی عنہ

۵ ؍ جنوری کو مولانا مفتی کفایت اللہ بمعہ مولانا احمد سعید نواب سکندر حیات سے ملاقاتی ہوئے دورانِ گفتگو سکندر حیات خان نے کہا کہ میں آپ سے گفتگو نجی حیثیت سے کر سکتا ہوں ، سرکاری حیثیت سے نہیں ، کیونکہ یہ معاملہ حکومتِ کشمیر کا ہے اور اس کا کوئی نمائندہ یہاں موجود نہیں ہے ۔

سر سکندر حیات خان سے یہ جواب پانے کے بعد مفتی صاحب نے راجہ ہری کرشن کول سے تفصیلات طلب کیں ۔

وزیر اعظم ہری کرشن کول نے ۱۹ ؍ جنوری کو مفتی صاحب کے نام ایک تفصیلی خط لکھ کر اپنی پوزیشن واضح کردی اور ہز ہائینس کی طرف سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا ۔ اس کے جواب میں مولانا مفتی صاحب نے وزیر اعظم کے نام اس سلسلے کا آخری خط ۲۰ ؍ جنوری ۱۹۳۲ء کو لکھا جس میں

انھوں نے اس مسئلے میں اپنی کنارہ کشی کا اظہار کیا ۔"

اس ساری گفتگو اور خط وکتابت کے باوجود بھی جب کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تو پتہ چلا اصل میں سر سکندر حیات خان اس معاملے میں ڈبل رول ادا کر رہے تھے ، انہیں ۶ ؍ دسمبر کو سر فضل حسین نے جنوبی افریقہ کے دورے پر جانے سے قبل یہ منصوبہ بتایا تھا کہ احرار کو یہ مقام حاصل نہیں ہونے دینا جس سے ان کو کسی قسم کی کامیابی مل سکے ۔

آئینی اعتبار سے حالات نے جب ایسا رخ اختیار کر لیا تو احرار رہنماؤں نے ریاست سے باہر تحریک کو قدرے روک دیا ۔ ریاست کے اندر آئینی اور غیر آئینی تحریک کو منظم کیا ۔ سرینگر میں اس تحریک کی ذمہ داری ماسٹر تاج الدین انصاری کی سپرداری میں تھی اور جموں میں اللہ رکھا ساغر حکومت کے لیے دردِ سر بنے ہوئے تھے ۔

احرار کے رضاکاروں کے ساتھ ساتھ خواتین احرار بھی مظلوم کشمیریوں کی تحریک میں جان ڈالنے کے لیے سامنے آگئی تھیں ۔

۵ ؍ مارچ ۱۹۳۲ء کو مولانا مظہر علی اظہر کے مکان رہائشی ، ریلوے روڈ لاہور پر خواتین کا ایک اجتماع ہوا جس میں خواتین احرار قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ۔ اور مندرجہ ذیل انتخاب عمل میں آیا ۔

صدر : بیگم چوہدری عبدالستار میونسپل کمشنر فیروز پور

نائب صدر : بیگم مولانا مظہر علی اظہر ، بیگم مولانا عبداللہ احرار قسور ، بیگم عبدالحمید ۔

ناظم اعلیٰ : بیگم خواجہ غلام محمد لاہور

اس اجتماع میں حسبِ ذیل قرارداد منظور ہوئی ۔

" ۱ - مسلم خواتین کا یہ جلسہ اپنی ہندوستانی مسلم بہنوں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ریاستِ کشمیر میں مسلمانوں پر ڈوگرہ راج اور برطانیہ کے ظلم و تشدد کے خلاف منظم ہونے کے لیئے اپنے اپنے علاقوں میں خواتین مجلسِ احرار کی شاخیں قائم کریں ۔

۲ - یہ جلسہ تمام بہنوں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ مجلس احرار ہند کے حق میں پروپگنڈا کریں نیز اپنے شوہروں ، بھائیوں اور دوسرے مردوں کو مجلس احرار میں کام کرنے کی تلقین کریں ۔

۳ - یہ جلسہ مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ اگر انھوں نے اس پُرامن جنگ کو جس میں

ہزاروں مسلم بھائی اس وقت تک جیلوں میں جا چکے ہیں جاری رکھنے کا فیصلہ نہ کیا تو پھر ہم خواتین کشمیری بھائیوں کی امداد کے لیے میدان میں آئیں گی ۔"

احراری خواتین نے اپنی گرفتاریاں پیش کرنے کے لیے سیالکوٹ کے راستے کشمیر میں جتھے بھیجنے شروع کیے۔ اس تحریک کا پہلا قافلہ چوہدری عبدالستار میونسپل کمشنر فیروزپور کی بیگم کی زیرِ قیادت جو کئی عورتوں پر مشتمل تھا روانہ ہوا، قافلہ سالار کی گود میں چھ ماہ کا بچّہ بھی تھا جو اپنی ماں کے ساتھ محاذ پر روانہ ہوا۔

قافلہ سالار کے علاوہ دوسری خواتین میں بیگم مولوی عبدالرحیم، ہمشیرہ عبیداللہ، بیگم مولوی محمد علی ہیڈ ماسٹر، بیگم عظیم خان قابلِ ذکر ہیں۔

احرار خواتین کا یہ قافلہ جو سب کا سب خنجروں سے لیس تھا فیروزپور دیہات کا دورہ کرتا ہوا ۸ اراپریل کو سیالکوٹ پہنچا، ان کے ساتھ اور کئی خواتین شامل ہوگئیں۔ سیالکوٹ میں اس قافلے کو گرفتار کرکے انہیں سرسری سماعت کے بعد عدالت نے چھ چھ ماہ قید بامشقت کی سزا سنادی۔

روزنامہ اسٹیٹسمین کی رپورٹ کے مطابق جسے اس اخبار نے ۴ رمئی ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں درج کیا ہے۔ مجلسِ احرار کے بارے میں یوں لکھا ہے:

"احرار سول نافرمانی کرنے والوں کی تعداد پینتالیس ہزار پانچسو چھیاسی ہے قید و بند کے مصائب اور خونریز قربانیوں کے سلسلے میں مسلمانانِ کشمیر کو مجلس احرار کی خواہش کے مطابق ڈوگرہ شاہی سے نجات کے لیے وہ کچھ تو نہ مل سکا تاہم باغبان نے بہ رضائے صبّا د وگل و غنچہ کو چمن کی ہر شاخ پر چہکنے کی اجازت دے دی۔

احراری تحریک کی بدولت مسلمانانِ کشمیر کو جو رعایات مل گئیں حسب ذیل ہیں:

(۱) وہ کشمیری کاشتکار جس کے پاس زمین تھی لیکن وہ اس کا مالک نہیں تھا (کیونکہ ریاست کی تمام آراضی مہاراجہ کی ملکیت تھی) تحریک احرار کے بعد کسان اس کا مالک بن گیا اور ریاست کے مالکانہ حقوق ختم ہوگئے' اب ذمہ دار صرف مالیہ ادا کرتا ہے۔

(۲) احرار تحریک کے بعد پچاس فیصد لگان صرف پانچ فیصد رہ گیا۔

(۳) تحریر و تقریر اور جماعت بنانے کی اجازت مل گئی۔

(۴) اخبار نکالنے اور آزادئ رائے پر کوئی پابندی نہیں رہی۔

(۵) آزاد اسمبلی کا وجود تسلیم کر لیا گیا (مگر اسمبلی برائے نام تھی) تحریک احرار میں پنجاب کے علاوہ دہلی، آگرہ، علی گڑھ، مرادآباد، اجمیر، سہارنپور، کلکتہ، بمبئی اور پھر شمالی مغربی سرحدی صوبہ کے عوام نے اپنی بساط اور حالات کے تحت دل کھول کر کشمیری بھائیوں کے لیے مالی اور جانی قربانی کی، لیکن اس تحریک میں سیالکوٹ نے جس فراخدلی، حوصلگی اور دلجمعی کا مظاہرہ کیا برصغیر کی کسی سیاسی تحریک میں کسی شہر کو یہ مرتبہ یہ اعزاز حاصل نہیں ۔"

اتنی بڑی مالی اور جانی قربانیوں کے باوجود کشمیری رہنماؤں نے احراری لیڈروں کو سخت دل برداشتہ کیا اس کی نشاندہی ہمیں کامریڈ کرشن دیو سیٹھی کی کتاب "یادِ رفتہ" میں ملتی ہے انھوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:-

"جب ۱۹۳۱ء میں احرار کی تحریک زوروں پر تھی تو شیخ عبداللہ نے ریاستی وزیر اعظم کرنل کالون کی ایما پر یہ بیان دے کر کہ سارے معاملات مہاراجہ اور اس کی رعایا کے درمیان ہیں بیرونی عناصر کو اس میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے مجلس احرار نے کشمیر کی لیڈر شپ سے نہ صرف کنارہ کشی اختیار کرلی بلکہ اسے کبھی معاف نہیں کیا اس سلسلے میں ایک واقعہ کافی دلچسپ ہے۔

مجلس احرار کے لیڈر اور برصغیر ہندو پاکستان کے شعلہ بیان مُقرّرجن کا تقریر میں آج تک کوئی ثانی نہیں ہوا اور شاید نہ ہوگا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۱۹۴۵ء میں کشمیر تشریف لائے، ان کے آبا و اجداد ضلع بارہمولہ میں واقع قصبہ پٹن سے متصل کریری کے رہنے والے تھے۔ ان دنوں نیشنل کانفرنس کا تاریخی اجلاس قصبہ سوپور میں منعقد ہو رہا تھا۔ بخاری صاحب پٹن میں خواجہ غلام محمد جالب سابقہ ممبر اسمبلی کی دوکان کے اوپر بیٹھک میں تشریف فرما تھے۔ سوپور جاتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو جب پٹن سے گزر رہے تھے تو انہیں بتایا گیا بُخاری صاحب یہاں تشریف رکھتے ہیں پنڈت جی کار سے اُتر کر بیٹھک میں تشریف لائے اور بُخاری صاحب سے خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد انہیں اپنے ہمراہ سوپور چل کر نیشنل کانفرنس کے اجلاس کو خطاب کرنے کی درخواست کی، بُخاری صاحب نے بلا جھجک انکار کر دیا اور کہا" میں نے عبداللہ کو ۱۹۳۱ء میں آزمایا اور ترک کر دیا

اب آپ آزمانا چاہتے ہیں تو آپ کی مرضی میں دوبارہ تجربہ نہیں کرنا چاہتا ــ یہ الفاظ انھوں نے میری اور جالب صاحب کی موجودگی میں کہے "۔

کشمیری عوام کو ڈوگرہ شاہی سے نجات دلانے کے لیے کشمیریوں سے زیادہ اور بہت زیادہ مالی و جانی قربانیاں مجلسِ احرار نے دیں، زیادہ اور سب سے زیادہ اذیّت بھی احرار کے مرد و زن نے اٹھائی۔ کشمیر کے رہنماؤں کے مقابلے میں احرار لیڈروں کو بیڑیاں پہنا کر کولھو کے بیل کا کام لیا گیا۔ ان سے چکّی پسوائی گئی، ان پر کوڑے برسائے گئے، اپنے ساتھ ساتھ انھوں نے اپنی ماؤں بہنوں اور بیویوں کو بھی قید کروایا، احراری رضا کاروں کے ساتھ ان کے آٹھ سال سے لے کر بیس سال کے ڈیڑھ ہزار بچے قید کی سزا کاٹ رہے تھے۔ جیلوں میں احراری لیڈروں کو اس تحریک سے باز آنے کے لیے ایسی اذیّت دی جا رہی تھی کہ ہمارے رہنماؤں کو اگر اس کا سواں حصّہ بھی دیا جاتا تو وہ ہمیشہ کے لیے سیاست سے توبہ کر تے۔

وہ جیل میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے پر بھی معافی نامہ دینے سے گریز نہیں کرتے تھے، احراریوں کی یہ ساری قربانیاں رائیگاں کیوں گئیں؟ اس کے بارے میں ان کا کہنا ہے۔

" باوجودیکہ شیخ عبداللہ اور ان کی کشمیر کمیٹی حکومت کو تعاون کا یقین دلا چکے تھے مگر صدیوں کی غلامی سے اُکتایا ہوا کشمیری علمِ بغاوت کی اُڑانوں کے سائے میں اڑتا چلا جا رہا تھا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ اب میری تقدیر کا پانسہ پلٹ چکا ہے میری زنجیریں ٹوٹنے والی ہیں میرا خون کشمیر کی کھیتی میں زعفران پیدا کرے گا جس کی سرخی میرے چہرے کو سیب کی طرح لال کر دے گی مگر آہ، بھولا کشمیری یہ نہیں جانتا تھا کہ جو ہاتھ میری غلامی کی گرہیں کھولنے کا تماشہ کر رہا ہے۔ ہنوز وہی ہاتھ میرے گریبان کی دھجیاں نوچ کر اپنی تن پوشی کا انتظام بھی کر رہا ہے "۔

" آزادیٔ برصغیر " کے مصنّف جانباز مرزا کا کہنا ہے :

" مہاراجہ کشمیر کا مذہبی تعصّب انگریزوں سے ان کا ذاتی انتقام شیخ عبداللہ کا سیاسی فقدان، قادیانیوں کی عیاری اور پنجاب کے ٹوڈی رؤسا کے احرار کے مقابل احساسِ کمتری نے بتیس لاکھ کشمیریوں کی زنجیریں جو ۱۹۳۱ء کے عوامی تحریک کے نتیجے میں ٹوٹنے والی تھیں نہ جانے کتنی مدّت کے لیے مضبوط تر کر دیں۔

۲ر اکتوبر ۱۹۳۱ء سے ۹ر جون ۱۹۳۲ء تک کشمیر کی آزادی کے لیے مجلس احرار نے

جس قدر جد و جہد کی اگر کشمیری رہنما ذاتی مصلحتوں سے ماوراء ہو کر مجلس احرار کی عوامی تحریک سے عدم تعاون نہ کرتے تو کشمیر کے لہلہاتے کھیت جہاں گلپوش وادیاں، برف سے لدے مسکراتے پہاڑ، دریائے جہلم کی ہلتی ہوئی موجیں جن کی روانی میں خصوصاً پنجاب کے مسلمانوں نے اپنا خون شامل کیا تھا آج اس قدر اُداس نہ ہوتیں مگر آہ!

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

۱۹۳۱ء میں کشمیری مسلمانوں کی مشکلات کا احساس کرتے ہوئے انہیں ڈوگرہ شاہی سے نجات دلانے کے لیے مجلس احرار نے جو تحریک شروع کی تھی، اگر بعض کشمیری رہنما اس راستے کا پتھر نہ بنتے تو کشمیر کی گل پوش وادیاں اور دریائے جہلم کی موجیں گواہ ہیں کہ احرار رضا کاروں نے مہاراجہ ہری سنگھ کا تخت کشمیری مسلمانوں کے قدموں پر ڈال دیا ہوتا۔

وائے ناکامی فلک نے تاک کر توڑا اُسے
میں نے جس ڈالی کو توڑا آشیانے کے لیے

چھ سال کے بعد کشمیری رہنماؤں نے وہی کچھ کہا اور کیا مگر :

کی میرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زودِ پشیماں کا پشیماں ہونا

"۱۷ر مئی کو پونچھ کشمیر میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس ہوا اس ریاست کے لیے مکمل آزادی کا مطالبہ کیا گیا یہ قرارداد چوہدری غلام عباس خاں نے پیش کی اور یہ پُرجوش نعروں کے ساتھ منظور کی گئی "۔

انھوں نے مزید لکھا ہے :

" کشمیری رہنماؤں کی باہمی رقابت نے یہاں کے مسلمانوں کو پہلے ڈوگرہ شاہی اور بعد میں بھارت کا غلام بنا دیا اس طرح آزادیٔ کشمیر کی جنگ میں بیرونِ کشمیر کے مسلمانوں کا خون اور محنت بھی رائیگاں گئی۔

قومیں صدیوں کے بعد بیدار ہوتی ہیں اگر لیڈر مخلص اور بیدار مغز ہو تو اس موقع سے فائدہ پہنچ سکتا ہے ۱۹۳۱ء میں جو لڑائی کشمیر کے لیے لڑی گئی اس کا اعادہ

پھر کبھی نہیں ہو سکے گا ۔ مخلص قوم کے غیر مخلص لیڈروں نے سارے کیے دھرے پر پانی پھیر دیا۔

شخصی اقتدار کا مالک جمہور کے تابع رہ کر بھی اپنی وضعداری قائم رکھتا ہے، عوام کی ضروریاتِ حیات اور وقت کے تقاضے اس کے ارادوں کو نہ متزلزل کرتے ہیں اور نہ وہ خود کسی تذبذب میں پڑتا ہے۔ تاہم عوام کے دلوں کی دھڑکن سننے والے کانوں میں اگر حکومت مصلحت کا سکّہ نہ انڈیل دے تو یہ آواز دور دور تک سُنی جا سکتی ہے۔ اگر شہیدوں کا خون اس سے ہم آہنگ ہو تو یہ صدا بہ صحرا ثابت نہیں ہوتی۔

کشمیری عوام نے ڈوگرہ شاہی سے گلو خلاصی کے لیے جس قدر جد و جہد کی اگر اس کے رہنماؤں میں دیانت کا فقدان نہ ہوتا تو کشمیر کا رئیس اپنی رعایا سے اس طرح مذاق نہ کرتا۔

تاریخ کشمیر کا انجام کیا ہوا؟ اس کا جواب مستقبل کی تاریخ دے گی یہ فیصلہ مورّخ کرے گا کہ کشمیری مسلمانوں کے خون ناحق کا سودا کس نے کیا۔ لیکن جہاں تک بحیثیت انسان اور مسلمان احرار کے فرائض میں تھا انھوں نے قربانی و ایثار سے اپنی اور کشمیر کی تاریخ کو ہم آہنگ کر لیا، کشمیر کی تاریخ احرار کا ذکر کیے بغیر ادھوری رہے گی، وہ مؤرّخ بخیل اور بد دیانت ہو گا جو شہدائے کشمیر کی لاشوں کا شمار کرتے وقت احرار رضاکاروں کی لاشوں کا شمار نہیں کرے گا۔

وقت آئے گا کہ مظلوم کشمیریوں کے لیے ۱۹۳۱ء میں بیرونِ کشمیر کے عوام کا خون اس وقت[1] کے کشمیری رہنماؤں سے اپنا انصاف مانگے گا۔

پردۂ موت سے نکلے گی حیاتِ جاوید — کہ مسلمان شہادت کے طلبگار ہوئے
جس نے ڈھایا تھا کبھی ظلم کی بنیادوں کو — پھر مسلمان اس جذبے سے سرشار ہوئے
ہڈیاں جن کی ہیں چونا تو لہو ہے گارا — قصرِ آزادیٔ کشمیر کے معمار ہوئے"

لیکن ان کی یہ عمارت رہنمایانِ کشمیر نے ایسی ڈھا دی کہ کشمیر میں قصرِ آزادی کے کھنڈرات اس بات کی شہادت دے رہے ہیں ؎ کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی۔

---

[1] مصنف کی طرف سے یہ تحریر اس وقت مرتب کی گئی ہے جب "کشمیر ایکارڈ" کے تحت شیخ عبداللہ ۱۹۷۵ء میں دوبارہ وزیر اعلیٰ یعنی کشمیریوں کے رہنما بن گئے۔

باب ۴

حکومت اور عوام کے درمیان ٹکراؤ

اور

سول نافرمانی کی تحریک

اب اندیشہ کیوں ہو یارو مستقبل کی جانب سے
اپنی صورت مجھ کو دکھا دی فردا نے تنہائی میں

جز

بہت محتاط رہنا جادۂ منزل میں اے ہمدم
وہی رہزن نہ ہو، جو رہبری کی بات کرتا ہے

مُسلِم اتحّاد میں پھُوٹ کے اسبَاب

مُسلم اتحاد کے درمیان اندرونی اور بیرونی امدادی رقومات فتنہ فساد کی جڑ بن گئے کیونکہ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور ایک دوسرے سے چھپے چھپائے مرزائیوں کے ساتھ احراریوں، لیگیوں کے ساتھ کانگریسیوں سے بھی ریلیف کے نام پر دولت وصول کی گئی۔

مرزائیوں نے ریلیف کی رقومات کے بارے میں شیخ عبداللہ کے ساتھ رابطہ رکھا تو مولوی ناراض ہوگئے۔ انھوں نے احراریوں سے رابطہ بڑھا کر مرزائیوں کی کھُلم کھُلا مخالفت کرنا شروع کی، شیخ عبداللہ پر مرزائی بننے کا الزام لگا تو یہ الزام دھونے کے لئے انھیں بہت سے پاپڑ بیلنے پڑے۔

احراریوں نے اپنے مقصد کی برآوری کے لئے مرزائیوں پر جو الزامات لگائے اِس سلسلے میں وہ خود بھی بری الذمہ نہ تھے۔ کیونکہ کشمیری مظلومین کے ساتھ ہمدردی کے اظہار کی آڑ میں وہ بھی اپنی سیاسی دُکان چمکانے میں لگے ہوئے تھے۔ کانگریس سے علیحدہ ہونے کے بعد وہ اس پارٹی پر اپنی دھاک بٹھانا چاہتے تھے اس کے لئے کشمیر کا پلیٹ فارم استعمال کرنا چاہتے تھے۔

شیخ عبداللہ اور مولوی یوسف شاہ کے درمیان رخنہ پڑنے کی بُو سونگھ کر سرکاری اہلکاران دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف اُکسانے کے لئے تاریں ہلانے لگے۔

چنانچہ جب ۱۲ر ستمبر ۱۹۳۱ء کو لال منڈی کے مقام پر شیخ عبداللہ کو گرفتار کرلیا گیا تو جیل میں جہاں اُنھیں مختلف طریقوں سے زیرِ عتاب کیا گیا وہاں مولوی یوسف شاہ کے ساتھ رابطہ قایم کرکے حکمراں جماعت نے انھیں شیخ صاحب کے بارے میں بھڑکانا شروع کیا۔ اسی دوران ٹھاکر کرتار سنگھ نے مولوی یوسف شاہ کے ساتھ دوبارہ ملاقات کی اور انھوں نے مولوی صاحب کو وزیر اعظم ہری کرشن کول کے ساتھ ملا دیا۔

شیخ عبداللہ کو خفیہ طور پر جیل سے نکال کر میر واعظ منزل لایا گیا تو یہاں اُن کے استقبال میں مولوی یوسف شاہ، ان کے برادر مولوی یحییٰ شاہ اور غلام محمد ہنڈرٹ موجود تھے۔ انھوں نے شیخ صاحب کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا، مولوی یوسف شاہ نے شیخ صاحب کو ان کی گرفتاری کے دوران پیش آئے واقعات سے روشناس کرایا اور دورانِ گفتگو فرمایا۔ "راجہ ہری کرشن کول نے ہمارے لگ بھگ سارے مطالبات مان لئے اور ان مطالبات کو آہستہ آہستہ رو بہ عمل لایا جائے گا۔ البتہ ان کی یہ شرط ہے کہ ہم عام جلسوں میں سیاسی تقاریر نہ کریں اور لوگوں کو حکومت کے خلاف نہ بھڑکائیں۔ وزیراعظم نے تمام قیدیوں کی رہائی کا یقین دلایا ہے۔

بقول شیخ عبداللہ میں نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"ایسی بات ہے تو ہم سیاسی تقریروں کے بجائے اجتماع میں مذہبی تبلیغ کریں گے اور لوگوں کو قرآن و حدیث سے روشناس کرائیں گے۔"

شیخ صاحب کی زبانی ایسا سُنکر مولوی یوسف شاہ کے ساتھ مولوی یحییٰ شاہ لال پیلے ہوگئے اور انھوں نے یک زبان ہوکر شیخ صاحب سے پوچھا۔

"کیا تم قرآن اور حدیث پر عبور رکھتے ہو؟"

شیخ صاحب ابھی کچھ کہہ ہی رہے تھے کہ پیر یحییٰ شاہ تُرش لہجے سے بولے:

"اگر آپ مولوی صاحب کی بات نہیں مانیں گے تو ہم تحریک سے علیحدہ ہوجائیں گے۔"

"وہ آپ کی مرضی!" شیخ صاحب نے اسی لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن میرا سیاست سے الگ تھلگ رہنا قوم کے مفاد میں نہیں ہوگا۔"

اس طرح گفتگو میں گرمی پیدا ہوگئی تو شیخ صاحب کو لے جاکر وہیں پہنچا دیا گیا جہاں سے انھیں لایا گیا تھا۔ دو دنوں کے توقف کے بعد جب شیخ صاحب کو رہا کیا گیا تو انھیں دوبارہ میر واعظ منزل پہنچا دیا گیا۔

یہاں کئی مسلم رہنما پہلے ہی سے شیخ صاحب کے انتظار میں تھے۔ مولوی یوسف شاہ کی تجویز پر غور و خوض کیا گیا۔ بعض رہنماؤں نے اگرچہ ان کی رائے کے ساتھ اتفاق کیا لیکن اکثریت اس رائے کے خلاف تھی اس موقع پر خواجہ غلام احمد عشائی نے شیخ صاحب کو صاف صاف بتایا۔ مولوی یوسف شاہ حکومت کے ہاتھوں بک گئے ہیں اور وہ راجہ ہری کرشن کول کو زبان دے چکے ہیں کہ آئندہ سے کوئی بھی لیڈر لوگوں کے سامنے سیاسی تقریر نہیں کرے گا۔

اسی لئے یہ اجتماع میں حکومت کے خلاف کچھ نہ بولنے کی گارنٹی لینا چاہتے ہیں۔"

اِس مسئلہ پر صلاح مشورہ کے بعد فیصلہ لیا گیا کہ فی الحال شیخ عبداللہ کوئی تقریر نہیں کریں گے اور اس دوران دیکھا جائے گا کہ حکومت مطالبات پورا کرنے میں کتنی مخلص ہے۔ لیکن اگلے جمعہ کو شیخ عبداللہ جامع مسجد کے منبر پر احراری لیڈر مظہر علی اظہر کے ساتھ نمودار ہوئے اور مذہبی تبلیغ کے دوران وہ سیاست پر بھی اُتر آئے۔

شیخ عبداللہ کی طرف سے اظہر صاحب نے صفائی پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

"بعض لوگوں کو مسلم نمائندگان پر یونہی شک ہے اور یہ شک دور ہونا چاہیئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر کوئی غلط حرکت کرے گا تو میں اس کی اطلاع آپ کو دوں گا۔ لوگوں کو ہر حالت میں اپنے رہنماؤں پر اعتبار کرنا چاہیے۔"

شیخ صاحب کی اس حرکت کا مولوی یوسف شاہ نے 'عہد شکنی' سے تعبیر کر کے اس کا بُرا منایا اور واضح الفاظ میں فرمایا:

"جو خود احکامِ اسلام پر نہیں چلتے وہ لوگوں کو قرآن اور حدیث کا درس دیتے ہیں جو عربی علوم اور معنی وغیرہ نہیں جانتے وہ قرآن شریف کے غلط معنی کرتے ہیں۔"

اِس وقت مولوی صاحب نے اتنا کہنے پر ہی اکتفا کیا۔ لیکن چند روز کے بعد انھوں نے مہاراج گنج کے ایک اجتماع کے سامنے فرمایا:

"انگریزی لباس میں بغیر داڑھی اور مونچھ کے کچھ لوگ منبروں پر کھڑے ہوکر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں جو لوگ خود سُنتِ محمدی صلعم کی پیروی نہیں کرتے۔ اُن کو مسلمانوں کی پیشوائی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

شیخ صاحب نے انہی دنوں داڑھی اور مونچھ صاف کردی تھی۔ انھوں نے مولوی صاحب کی تقریر کا جواب خانقاہِ معلیٰ جاکر دیا۔ اپنی تقریر میں انھوں نے مولوی صاحب پر حکومت کے ہاتھوں بِک جانے کا الزام لگایا۔

خانقاہ معلیٰ کی شیخ عبداللہ کی اس تقریر کا جواب مولوی یوسف شاہ نے حضرت بل میں دیا۔ انھوں نے عوام سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

"آئندہ کسی جوان کو جامع مسجد اور خانقاہ معلیٰ میں تقریر کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیئے جو کوئی ایسا کرے گا۔ اس کو ایسا سبق سکھا نا کہ وہ اسے یاد رکھے۔"

اس طرح ایک دوسرے کے خلاف سوال و جواب کے بعد دھمکیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

حضرت بل کی اس دھمکی آمیز تقریر سے شیخ صاحب سخت سیخ پا ہو گئے اور انھوں نے مولوی خاندان کو فرسودہ قیادت کہہ کر لوگوں سے اس قیادت کو مسترد کرنے کے لئے اُکسایا۔ انھوں نے بسنت باغ میں مولوی صاحب پر کئی الزامات عائد کر کے لوگوں کو اُن کے خلاف بھڑکانے میں اہم رول ادا کیا۔

اس طرح سرینگر شہر کے مسلمان واضح طور پر دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک طرف مولوی یوسف اور اُن کے معتقدین تھے اور دوسری طرف شیخ عبداللہ کے حامی رہ گئے۔ مولوی یوسف شاہ کے حامی "بکرے" کہلائے اور "شیر کشمیر" کی نسبت سے شیخ عبداللہ کے حامی "شیر" کہلائے۔ مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے تو دونوں کے حامی ایک دوسرے پر زور آور ہونے کے لئے آپس میں لڑ پڑے اور یہیں سے "شیر بکرا" کے نام سے آپس میں لڑنے کا جو آغاز ہوا وہ برسوں تک جاری رہا۔ شیخ عبداللہ کے حامیوں میں لاری اڈے کے ڈرائیور اور کلینر، "تانگہ بان" قصائی اور پھیری والے تھے جو لڑاکو مانے جاتے تھے۔ اِس طرح شیخ عبداللہ کے ہاتھ ایک لڑاکو فوج آگئی۔ ان کے مقابلے میں مولوی یوسف شاہ کے حامیوں میں اور لوگوں کے علاوہ آتش باز تھے۔ ان کی تعداد دوسری فورس کے مقابلے میں کم تھی۔ نتیجہ کے طور پر شیر پارٹی بکروں پر حاوی ہونے لگی۔ شیخ عبداللہ اور مولوی یوسف شاہ کے حامیوں کی حالت زار اور دنگا فساد کو دیکھ کر حکمران جماعت نے آگ میں تیل ڈالنے کا کام شروع کیا۔ راجہ ہری کرشن کول نے مولوی محمد یوسف شاہ کے ساتھ خفیہ رابطہ بڑھا کر ان کی پیٹھ ٹھونکنی شروع کی۔

مولوی یوسف شاہ نے حکومت کی خوشنودی حاصل کر کے شیروں سے بدلہ لینے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ وہ اپنی تنظیم سے دور ہو کر حکومت کے نزدیک آنے لگے۔

مولوی محمد یوسف شاہ نے شیخ محمد عبداللہ کے خلاف ایک طرح کا عَلمِ بغاوت بُلند کیا، انہوں نے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ پر نہ صرف مرزائی ہونے کا اِلزام لگایا بلکہ مرزائیوں کو تبلیغ کے لئے اپنا پلیٹ فارم مہیّا کرنے کا بھی دوش دیا۔ مولوی یوسف شاہ شیخ صاحب کے تئیں لوگوں کو بدگمان و بدظن کرنے میں کسی حد تک ضرور کامیاب ہوئے۔ کیوں کہ شیخ محمد عبداللہ کو جلسے جلوس کے دوران ہوٹنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح حالات کشیدہ ہوگئے اور مخالفت نے

[زور] پکڑا تو اپنے ساتھیوں کی طرف سے شیخ صاحب پر اس دائرے سے باہر آنے کا دباؤ بڑھ [گیا]۔ انھوں نے لاچار ہو کر پبلک اجتماع کے سامنے مرزائیوں کی شدید نکتہ چینی کی، اس سے جہاں [مو]لویوں کا ایک گروپ مطمئن ہوا لیکن دوسرا گروپ ناراض ہوگیا۔

مولوی عبداللہ وکیل ان کے فرزندان مولوی عبدالرحیم، ایم۔اے۔ صابر اور بشیر احمد کے [س]اتھ منشی نصیر الدین اور غلام نبی گلکار شیخ عبداللہ کے اس وطیرہ پر سخت ناراض ہوگئے اور وہ ان سے روٹھ گئے۔

مرزائیوں کی مخالفت کرنے سے جہاں مولوی صاحبان کا ایک گروپ خوش ہوا تو دوسرا گروپ سیخ پا ہوگیا۔ غلام نبی گلکار کو منانے میں شیخ عبداللہ کامیاب تو ہوگئے لیکن دوسرے [ح]ضرات جب واپس تنظیم میں نہیں آئے تو شیخ عبداللہ نے عوامی اجتماع میں اُن کے ساتھ وہی [س]لوک کیا جو منشی شہاب الدین کے ساتھ کیا تھا۔

اس طرح مسلم اتحاد پھوٹ کا شکار ہوگیا۔

بھرے اجتماع میں بعض رہنماؤں کی پگڑیاں اُچھالنے پر غلام نبی گلکار نے شیخ صاحب سے اختلاف کیا۔ مولوی عبداللہ وکیل نے برملا کہہ دیا۔

"شیخ صاحب کو مرزائیوں کی مخالفت کرنے سے قبل مرزائیوں سے حاصل کی گئی رقومات کا حساب دینا چاہیے۔"

منشی شہاب الدین نے اِن رقومات میں احراریوں، کانگریسیوں اور لیگیوں کی رقومات شامل کرنے اور اُن کا حساب دینے کا مطالبہ کیا۔

چند روز کے بعد شہر میں کئی اہم جگہوں پر ہاتھ سے لکھے گئے پوسٹر دکھائی دیئے۔ جن میں مختلف اداروں سے ریلیف کے نام پر آئی رقومات کا حساب مانگا گیا۔ ان پوسٹروں کو چسپاں کرانے پر شیخ صاحب غلام نبی گلکار پر برس پڑے اور تنظیم میں فتنے جگانے کا اُن پر الزام لگایا۔

گلکار صاحب نے ان کو لاکھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن کسی نے شیخ صاحب کے کان میں یہ بات [ڈ]الدی تھی۔ اس لئے وہ گلکار صاحب کی صفائی پر راضی نہ ہو سکے۔

شیخ عبداللہ کے بارے میں بعض رہنما بخوبی جانتے تھے۔ ان کے غلط طریقۂ کار، ڈکٹیٹرانہ [ط]رزِ عمل اور غبن وغیرہ کے الزامات جب جب ان کی بوکھلاہٹ، اضطراب اور پریشانی کے باعث [ب]ن گئے۔ تب تب وہ تنقید نگاروں کی توجہ ہٹانے کے لئے حکمرانوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے

مجبور ہو جاتے، ایسا کرنے سے ان کی سیاسی فلم ہٹ ہو جاتی اور تماش بین ان کی اداکاری کو حقیقت جان کر ان پر جان چھڑکتے تھے۔

شیخ عبداللہ کی گرفتاری ان کے لئے سونے پر سہاگہ بن جاتی، جیل جانے سے ان کے پچھلے سبھی گناہ دھل جاتے تھے اور وہ بحیثیت ہیرو کے نیا جنم لیتے۔

۱۹۳۱ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک انھوں نے اپنے گناہوں کے داغ مٹانے لئے اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے اور لوگوں کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانے کے لئے حکمرانوں کے خلاف اشتعال انگیزی کا وطیرہ اختیار کر لیا جس کی وجہ سے بے شمار لوگوں کو اپنی عزیز جانیں گنوانی پڑیں۔

لوگ اپنی قیمتی جانیں قربان کر کے اُن کے گناہوں کا کفّارہ ادا کرتے تھے اور خود یہ حکمرانوں سے تلخ تند اور تیز تقریر کرنے پر یا تو معذرت کرتے نہیں تو معافی مانگ لیتے تھے۔

بقول وزیر اعظم وجاہت حسین ہمارے پاس شیخ صاحب کے بہت سارے معذرت نامے اور معافی نامے ہیں۔ جو وہ تلخ تند اور تیز تقریر کرنے کے بعد مہاراجہ کی خدمت میں بھیج دیتے تھے۔

بعض مسلم رہنماؤں کی یلغار سے مرعوب ہو کر شیخ عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف ایک پوسٹر چھپوایا جس میں مہاراجہ کو ریاست میں غیر ضروری قوانین نافذ کرانے کا ذمہ دار ٹھہرایا اور انھیں دھمکی دی کہ اگر ان قوانین کو واپس نہیں لیا گیا تو عوام تشدّد پر اُتر سکتے ہیں۔

شیخ عبداللہ نے خانقاہ معلیٰ میں تقریر کرتے ہوئے جہاں ڈوگرہ شاہی پر تابڑ توڑ حملے کئے۔ وہاں بعض مسلم لیڈروں کا نام لئے بغیر کہا کہ "مجھے کیا معلوم تھا کہ اپنے ہی ہمیں دھوکہ دیں گے"۔

اُنھوں نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"حکومت مجھے گرفتار کر رہی ہے۔ اگر میں گرفتار ہوا تو میں آپ کو غلام محمد (بخشی) کے حوالہ کرتا ہوں۔ غلام محمد جو تم سے کہے گا وہی کرنا۔"

۲۴ جنوری ۱۹۳۲ء کو انھیں گرفتار کر لیا گیا تو لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ مظاہروں کا لاوا پھوٹ پڑا۔ "شیر کشمیر زندہ باد اور ڈوگرہ راج مردہ باد" کے نعرے گونجنے لگے۔ شیخ عبداللہ کو سنٹرل جیل پہنچا یا گیا۔ شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی، سارے کشمیر میں بربریت شروع کی گئی۔ ٹھاکر کرنار سنگھ جو مہاراجہ کی طرف سے مختارِ کُل تھا۔ اس نے احتجاجی مظاہرین پر سرینگر، اسلام آباد، سوپور، بارہمولہ، ہندوارہ، بانڈی پورہ اور شوپیان کے علاوہ اوڑی، مظفر آباد، پونچھ وغیرہ علاقہ جات میں گولیاں چلائیں اور بے شمار قیمتی جانیں ضائع کرادیں۔

سنکڑوں کی تعداد میں لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔

لولاب سے عالم دین مولانا سلیمان شاہ اور سیف اللہ شاہ کو گرفتار کر کے سنٹرل جیل پہنچا دیا گیا۔ سوپور سے مولوی محمد یاسین، حاجی رحیم ڈار، صوفی محمد اکبر، محمد رجب بخش مظفر آباد سے، پیر حسام الدین، حاجی قلندر شاہ اور ماسٹر عبدالعزیز گرفتار کر لئے گئے۔ ہندوارہ سے حاجی عبدالرحیم، غلام قادر مصالحہ محمد یوسف کُنیل اور مولوی عبدالعزیز کو بھی حراست میں لیا گیا۔

مولوی محمد سعید نے مدّرس کی نوکری چھوڑ کر خانقاہِ معلیٰ میں تقریر کر کے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔

شیخ عبداللہ ۴ جون کو رہا کئے گئے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ کئی دنوں تک ان کے استقبال کا چرچا رہا تو انھیں لاہور سے بلاوا آگیا۔

مسلم اتحاد کی آپس کی دھمکیوں اور اشتعال انگیزی نے اگرچہ بعض لوگوں کو سخت بے دل کر دیا لیکن ان کو دوبارہ ملانے اور ساتھ ساتھ چلانے کی کوششیں بھی جاری ہیں۔ اس سلسلے میں کشمیر کمیٹی کے صدر مرزا بشیر محمود اور احراری لیڈر مظہر علی اظہر نے جو رول ادا کیا وہ یقیناً قابلِ تحسین ہے۔

ان لیڈروں کی ذاتی دلچسپی سے ناراض ممبران کو ملانے کی جتنی کوششیں کی گئیں۔ ان کو حکمران طبقے نے اپنی مداخلت سے ناکام بنا دیا۔

البتہ بعض مُخلص لوگوں نے اب بھی ہمت نہ ہاری۔ چنانچہ مفتی ضیاء الدین کی ذاتی دلچسپی سے شیخ عبداللہ اور مولوی یوسف شاہ کو ملانے کا پروگرام بن گیا۔ چنانچہ اس ملاپ کی منظوری نہ صرف شیخ عبداللہ بلکہ مولوی یوسف شاہ نے بھی دے دی۔ مگر عین موقع پر مولوی غلام نبی نے اس میں رکاوٹ ڈال دی۔ اگرچہ اس طرح یہ ملاپ نہیں ہو سکا لیکن ڈوگرہ شاہی کے خلاف مشترکہ طور پر لڑنے کے لئے دونوں گروپ آمادہ ہو گئے۔

ریڈنگ روم کی میٹنگ میں فیصلہ کیا گیا کہ مہاراجہ ہری سنگھ کو مطالبات کا ایک میمورنڈم پیش کیا جائے گا۔ اگر انھوں نے ان مطالبات کو ماننے میں کسی قسم کا پس و پیش کیا تو باضابطہ طور پر اس حکومت کے ساتھ ٹکّر لی جائے گی۔

مطالبات کا یہ میمورنڈم تیار کرنے کے لئے غلام احمد عشائی، مولوی عبداللہ وکیل، چودھری غلام عباس خاں، منشی شہاب الدین، مولوی یوسف شاہ اور شیخ عبداللہ کو مقرر کیا گیا۔

مطالبات کے اس میمورنڈم کو شیخ عبداللہ نے مرزائیوں کے ساتھ مل کر تیار کیا حالانکہ

احراریوں کے ساتھ انھوں نے پہلے ہی ایک میمورنڈم ترتیب دیا تھا۔ مرزائیوں نے اس میں نمایاں تبدیلی کرکے اس پر غلبہ حاصل کرلیا۔ اس طرح ان کا مسودہ منظور ہوگیا۔

مہاراجہ کے دربار میں حاضر ہونے اور اُن کے سامنے کورنش بجالانے کی شیخ عبداللہ نے غلام احمد جوئیلر کے گھر میں قدِ آدم آئینے کے سامنے دو دنوں تک پریکٹس کی، جس پر ان سے غلام احمد جوئیلر، گوہر رحمان اور سعد الدین شال نے سخت اعتراض کیا اور اس طرزِ عمل کو مسلم رہنماؤں کے وقار کے منافی قرار دیا۔ مگر شیخ عبداللہ نے ان کا اعتراض ایک کان سے سُنکر دوسرے کان سے اُڑا دیا۔ بعد میں مہاراجہ کے ہاں جاکر جو ہزیمت اُن کو اُٹھانا پڑی اس کا شیخ صاحب نے خود اعتراف کرلیا ہے۔

اس میمورنڈم میں جو مطالبات درج کئے گئے وہ اس طرح ہیں:۔

۱۔ ریونیو، پولیس اور جنگلات کے افسروں کی وادی کے کسانوں کی شکایات کی تحقیقات۔
۲۔ آزاد کمیشن برائے آفیسران پولیس دوبارہ فسادات گزشتہ۔
۳۔ جن آفیسروں نے مذہبی معاملات میں دخل دیا ہے ان کو بعدِ تحقیقات سزا۔
۴۔ قیدیوں کی رہائی اور ملازمت کی بحالی۔
۵۔ آزادیٔ تحریر و تقریر۔
۶۔ مذہبی آزادی کا اعلان اور ضبط جائیداد کی واگزاری، واگزاریٔ مساجد و مقابر۔
۷۔ تناسب آبادی سے ستّر فیصد ملازمتیں۔
۸۔ سالانہ دس فیصد ملازمتوں کا اضافہ۔
۹۔ مسلمانوں کے لئے فوجی کالج۔
۱۰۔ ذریعۂ تعلیم اسکولوں میں ہندی کے بجائے اُردو۔
۱۱۔ وزارت میں مسلمانوں کا حصّہ آبادی کی بناء پر۔
۱۲۔ وزراء کی میعاد پانچ سال بشرطیکہ لیجسلیٹر کے ستّر فیصدی پر اختلاف نہ ہو۔
۱۳۔ رائے عامہ کا احترام۔
۱۴۔ لیجیلیٹو اسمبلی کا اجراء۔
۱۵۔ ضرورت کے وقت مہاراجہ کو آرڈیننس کا اختیار۔
۱۶۔ ستّر فیصدی ممبران منتخب اور تیس فیصدی نامزد۔
۱۷۔ ہر ایک کو ووٹ دینے کا حق۔

۱۸۔ رشوت کی روک تھام۔
۱۹۔ پنجاب کے طریقے پر مالیہ کی وصولی۔
۲۰۔ کاہچرائی فیس میں مناسب کمی۔
۲۱۔ اسلحہ پر پابندی کی منسوخی۔
۲۲۔ باہر جانے والے مال پر محصول معاف۔
۲۳۔ مذہبی آزادی کے متعلق تقریر، تحریر اور پلیٹ فارم کی آزادی۔

مطالبات کے اس میمورنڈم پر مہاراجہ نے ہمدردانہ غور کرنے کا وعدہ دیا لیکن یہ میمورنڈم بھی مُسلم اتحاد میں فتنہ فساد کا باعث بن گیا۔

ریڈنگ روم میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ مطالبات کا میمورنڈم ایک کمیٹی ترتیب دے گی جن کے نام اوپر درج ہیں۔ مگر ان سے بعض ممبران کو اعتماد میں لئے بغیر ہی اس کو ترتیب دیا گیا۔ اگرچہ ان اعتماد میں نہ لینے والوں نے بعد میں اس پر دستخط کئے۔ لیکن منشی شہاب الدین نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کیا۔ ان کا اعتراض تھا کہ اس کی ترتیب کے وقت مجھے نظرانداز کیا گیا اور میرے پوچھے بغیر ہی اس کو مرتب کیا گیا۔ اگرچہ میں ان مطالبات کی حمایت کرتا ہوں لیکن اس میمورنڈم کی تیاری میں جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ ڈکٹیٹرانہ طریقہ ہے اور ایسا طریقہ ڈسپلن شکنی کا باعث بن گیا ہے۔ شیخ عبداللہ کو منشی شہاب الدین کی ان باتوں سے غصہ آیا اور وہ ان کے دستخط لئے بغیر ہی چلے گئے۔ منشی شہاب الدین کو شیخ عبداللہ کا یہ رویہ سخت ناگوار گزرا اور انھوں نے ایک خط لکھ کر شیخ عبدالصمد کے ہاتھ شیخ صاحب کو بھیجدیا۔

بقول شیخ عبدالصمد شیخ صاحب نے خط پڑھ کر اسے پھاڑ دیا۔

اگلے روز شیخ عبداللہ نے خانقاہ معلّی میں لوگوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ان پر مُسلم اتحاد کو توڑنے کا الزام لگایا۔ شیخ عبداللہ کے اس انکشاف نے لوگوں کو مشتعل کیا اور وہ منشی صاحب کے بارے میں شیم شیم کے نعرے لگانے لگے۔

مُسلم اتحاد کے رہنما جو اس ساری صورت حال سے واقف تھے۔ وہ شیخ عبداللہ کی اس قسم کی تقریر سے سخت مایوس ہوگئے اور جن اشخاص کو حقیقت حال کی کوئی علمیت نہ تھی۔ وہ منشی صاحب پر سخت ناراض ہوگئے۔

چنانچہ جب غلام عباس خان، مولوی عبداللہ اور علام نبی گلکار اس سلسلے میں منشی صاحب

سے ملے تو انھوں نے اس طریقۂ کار پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا، البتہ منشی شہاب الدین کی زبانی صورت حال سُنکر انھیں شیخ عبداللہ کو قصور وار گردانے میں کوئی تعمل نہیں ہوا۔

منشی شہاب الدین نے وفد کو بتایا جو خط میں نے اس بارے میں شیخ عبداللہ کو لکھا۔ اگر وہ خط آپ پڑھ لیں گے تو آپ کو بخوبی پتہ چلے گا میں نے کیا کچھ لکھا تھا جبکہ انھوں نے لوگوں کے اجتماع میں مسلم اتحاد کو توڑنے کا مجھ پر الزام لگایا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہی اتحاد کو پارہ پارہ کر رہا ہے۔ ہم نے نوجوان سمجھ کر اسے سامنے لایا لیکن یہ میری بلّی اور مجھ سے میاؤں کے مصداق کام کر رہا ہے۔ وہ تنظیم میں ایک ڈکٹیٹر کا رول ادا کر رہا ہے۔

،مولوی یوسف شاہ، مولوی یحییٰ شاہ کے ساتھ منشی شہاب الدین بھی ان سے فرنٹ ہو گئے

مولوی احمداللہ ہمدانی کے ساتھ مولوی یوسف شاہ، مولوی عبداللہ وکیل سے بھی نبرد آزما تھے مولوی عبداللہ کی شمولیت اِن دونوں مولویوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔

حالانکہ مولوی عبداللہ تحریک کے بانیوں میں فردِ واحد تھے۔ مولوی احمداللہ ہمدانی کی اگرچہ مولوی یوسف شاہ سے نہیں بنتی تھی لیکن مولوی عبداللہ کی مخالفت میں یہ دونوں ملاّ ایک ساتھ ہو گئے۔ انھوں نے ان پر مرزائیت کی لیبل لگا کر تنظیم سے انھیں نکالنے میں زبردست ضد اور ہٹ دھری سے کام لیا۔ چنانچہ مسلم اتحاد کے لئے مولوی عبداللہ نے یہ قربانی دینے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا۔

مولوی یوسف شاہ کو کمزور کرنے کے لئے شیخ عبداللہ مولوی ہمدانی کی پیٹھ ٹھونک رہے تھے۔ شیخ عبداللہ چاہے ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف بولتے مولوی یوسف کے خلاف تقریر کرتے تو اسٹیج پر آکر وہ خوش گلو آواز میں یہ شعر ضرور گنگناتے ؎

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لئے
بادلو ہٹ جاؤ چھوڑ و راہ جانے کے لئے

اِس کے بعد مترنم آواز میں قرآنی آیات کی تلاوت کرتے، اصل میں ان کا یہی طرز بیان، یہی ترنم، یہی سریلی آواز ان کی کامیابی کا باعث بنی، اپنی خوش گلو آواز کی وجہ سے وہ عام لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے۔

ہم سزاوارِ تمنا دھوپ میں چلتے رہے
دِل کو سہلاتا رہا سایہ تیری دیوار کا

تحقیقاتی کمیشن کا تقرّر اور مراعات کا اعلان

ہندوستان بھر میں "کشمیر کمیٹی" کی ہدایت پر ۱۴ راگست ۱۹۳۱ء کو "کشمیر ڈے" بڑے پیمانے پر منانے کا اعلان کیا گیا۔ مقامی لیڈروں نے ریاست کے اندر اس روز "یوم کشمیر" منانے کا فیصلہ کیا۔ اس کا مقصد کشمیر کے حالات کی طرف دُنیا کی توجہ مبذول کرانا تھا۔ اس روز ہندوستان کے بہت سے مقامات پر جلسے اور قرار دادیں پاس کی گئیں۔

سرینگر میں اس روز بے مثال ہڑتال رہی، مزارِ شہدا پر ایک بہت بڑا اجتماع ہوا۔ جس میں مردوں کے ساتھ ساتھ خاصی تعداد میں عورتوں نے بھی شرکت کی۔ اس روز جب شہیدوں کے بچے اجتماع سے متعارف کرائے گئے تو ڈوگرہ راج کے خلاف فلک شگاف نعرے بلند ہو گئے۔

خونی واقعات سے ہوئی بدنامی کو دھونے کے لئے مہاراجہ ہری سنگھ نے مسلمانوں کے مطالبات کی تحقیقات کے لئے سر برجور دلال جو اِن دنوں ریاست کے چیف جسٹس کے عہدے پر تعینات تھے۔ کو تحقیقاتی کمیشن کا سربراہ مقرر کیا۔ انھیں سرینگر میں ۱۳ رجولائی کے روز گولی چلانے کے واقعات کی تحقیقات کے لئے رپورٹ مرتب کرنے کا اختیار دیا گیا۔ مُسلم رہنماؤں نے اس کمیشن کو کسی قسم کا تعاون دینے سے صاف انکار کیا اور اس طرح انھوں نے کمیشن کا بائیکاٹ کیا۔ مُسلم رہنماؤں کا اعتراض تھا کہ جو شخص حکومت کا تنخواہ دار ملازم ہو۔ اس سے کسی قسم کی غیر جانبداری کی توقع کیسے رکھی جا سکتی ہے۔

دلال کمیشن میں مولوی یوسف شاہ کو بحیثیت ایک ممبر کے نامزد کیا گیا لیکن مُسلم رہنماؤں کے عدم تعاون کی وجہ سے انھوں نے یہ ممبری قبول کرنے سے انکار کیا، چنانچہ مسلمانوں کی طرف سے جب

دلال کمیشن کے سامنے کوئی شہادت پیش نہیں کی گئی تو سر برجور دلال نے اپنی طرف سے ایک تحقیقاتی رپورٹ مہاراجہ کی خدمت میں پیش کی لیکن اس پر کسی قسم کی کاروائی نہیں کی جاسکی اور اس طرح یہ تحقیقاتی رپورٹ داخلِ دفتر ہوگئی۔

اس کے بعد ایک اور کمیشن مقرر کیا گیا۔ اس کمیشن کے لئے ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ نے نواب آف بھوپال نواب حمیداللہ خاں کی خدمات حاصل کر لیں۔

۱۲ ر نومبر ۱۹۳۱ء کو جے۔ پی۔ گلینسی کو اس کمیشن کا سربراہ مقرر کیا گیا اور اُن کی مدد کے لئے چار ممبر نامزد کئے گئے۔ اس کیلئے دو مسلمان اور دو غیر مسلم ممبران لئے گئے کشمیر سے خواجہ غلام احمد عشائی اور جموں سے چودھری غلام عباس خان جبکہ کشمیری پنڈتوں کی طرف سے پریم ناتھ بزاز اور جموں کے ہندوؤں کی طرف سے لوک ناتھ شرما مقرر ہوئے۔

اس کمیشن کے بارے میں مہاراجہ ہری سنگھ نے حسب ذیل بیان جاری کیا:۔

"کچھ عرصے سے میری توجہ اس قسم کے بعض خاص شکایات کی طرف مبذول رہی ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ میری ریاست میں مذہبی آزادی پر قیود موجود ہیں۔ ان شکایات کی وجہ سے مجھے بہت ہی ایذا پہنچی ہے اور میں اپنی رعایا کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمیشہ میری یہ خواہش رہی ہے اور میری حکومت کی حکمتِ عملی و پالیسی رہی ہے کہ ریاست کی آبادی کے ہر گروہ کو مکمل ترین آزادی حاصل ہو کہ وہ جس مذہب کی پابند ہو۔ وہ اس مذہب پر عمل پیرا رہ سکے۔ میری خواہش یہ ہے کہ اس معاملہ کے متعلق جو غلط فہمی ابھی موجود ہے وہ فی الفور رفع ہو جائے اور اس پالیسی کے نفاذ میں ماتحت حکام سے جو غلطی بھی سرزد ہو وہ ظاہر کی جائے اور اس کا ازالہ کیا جائے۔

مسٹر گلینسی میری درخواست پر بیرون ریاست کے ایک غیر جانبدار افسر کی خدمات حکومت ہند نے میرے سپرد کی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ یہ افسران شکایات کی تحقیقات کرے جو اس وقت موجود ہیں اور ان کے ازالہ کے لئے سفارشات مرتب کرے۔ جس افسر کو میں نے اس غرض سے منتخب کیا ہے ان کا نام مسٹر جے۔ بی۔ گلینسی صاحب سی۔ آئی۔ ای ہے۔ ان صاحب کو اہلِ کشمیر سے متعارف کرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ آج سے چند ہی سال قبل انھوں نے غلہ کے انضباط کے طریقِ کار کے متعلق ہر قسم کا کام کرنے کے متعلق ریاست اور

اہلِ ریاست کی جو بیش بہا خدمات انجام دی تھیں وہ سب کو خوب معلوم ہیں۔ غلہ کے متعلق ہر قسم کا کام کرنے والوں کو پہلے جن مشکلات سے سابقہ پڑتا تھا۔ وہ خوش قسمتی سے رفع ہوگئی تھیں اور ان کے رفع ہونے سے سب کو آرام اور نفع حاصل ہوا تھا۔ جس کے لئے ہم اُن تدابیر کے ممنون ہیں جو میری حکومت نے گلینسی کے مشورے کے بعد اختیار کی تھیں۔ لہٰذا مجھے امید اور یقین ہے کہ مسٹر گلینسی کو میری رعایا کا اعتماد حاصل ہوگا اور کہ میری رعایا کی تمام جماعتیں اس کام میں جو مسٹر موصوف کو درپیش ہیں ان کا ہاتھ بٹائیں گے۔

پُرامن فضا کی ضرورت میری ہدایات کے مطابق مسٹر گلینسی نے مختلف فرقوں کے نمائندوں سے تبادلہ خیال کیا اور ان کے ساتھ موجودہ حالت کی ہر صورت پر نہایت صفائی سے بحث کی۔ اُن کا مدعا یہ تھا کہ پُرامن فضا پیدا ہو جائے۔ اس لئے کہ تحقیقات کی کامیابی سے پورا ہونے کے لئے ایسی فضا کا وجود ناگزیر ہے۔

مسٹر گلینسی کے مددگار اس تحقیقات میں مسٹر گلینسی کے چار غیر سرکاری مددگار ہوں گے جن میں سے دو مسلمان اور دو ہندو ہوں گے۔ ان چار آدمیوں کو ان کی قوموں کے مقتدرہ نمائندوں نے نامزد کیا ہے۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ وہ اپنی اپنی قوم کے مفاد کے نہایت مناسب اور پورے پورے نمائندے ہیں۔

شکایات کی تحقیقات اس کمیشن کا پہلا کام یہ ہوگا کہ میری ریاست میں کسی جماعت کا جو مذہب ہو اسی مذہب کی آزادانہ پیروی میں جو حالات یا واقعات کسی طرح بھی حائل ہوں ان کے متعلق اب تک جو شکایات میرے روبرو بغرض غور پیش ہو چلی ہیں ان کی جو تازہ شکایات کمیشن کے روبرو پیش کی جائیں گی۔ اُنکی تحقیقات کرے۔

مساجد کی واپسی اس تحقیقات میں ان مقامات و عمارات کی واپسی کے دعویٰ کی تحقیقات بھی شامل ہوگی جن کا مقصد یہ ہوگا کہ ایسی عمارات اور ایسے مقامات جو اس وقت کے قبضہ میں ہیں اور جن کو رعایا کی کوئی جماعت ایسا مقام یا ایسی عمارت سمجھتی ہے جو کہ وہ کسی مذہب کے شعار کی پیروی کے لئے مخصوص ہیں اور ان سے قبل جو احکام میں جاری کر چکا ہوں ان میں ان مقامات یا عمارات کا تذکرہ نہیں ہوا میری حکومت کا منشا ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی عمارت یا کسی ایسے مقام

پر قبضہ کئے رہے جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ مقام یا عمارت کسی مذہب کے شعار کی پیروی کے لئے مخصوص تھی اور جن ایسے مقامات یا عمارات کے متعلق کوئی جھگڑا نہیں ہو گا۔ ان کی واپسی کی تدابیر اختیار کی جائیں گی، نیز میری رعایا کا کوئی گروہ اگر کوئی ایسی فرقہ وار یا تمدنی شکایت ظاہر کرے گا جو اس گروہ کے خیال میں اس کے مذہب کے شعار کی پابندی کے راستہ میں حائل ہو۔ گلینسی کمیشن اس کی بھی تحقیقات کرے گا۔

دیگر شکایات کی تحقیقات اس کے بعد یہ کمیشن ان شکایات کی تحقیقات کرے گا جو عام قسم کی ہوں اور جن کا کسی مذہب کے شعار کی پابندی سے کوئی تعلق نہ ہو۔

ان تمام امور کے متعلق یہ کمیشن ممکن الوجود سرعت سے کام کرے گا اور اپنی رپورٹ اپنی سفارشات کے ساتھ میری حکومت کے روبرو پیش کرے گا جن کے موصول ہوتے ہی بلا تاخیر مزید حکومت اس رپورٹ اور ان سفارشات کے متعلق مناسب کارروائی کرے گی اور جو احکام ضروری معلوم ہوں گے وہ نافذ کئے جائیں گے۔

آزادیٔ تحریر و تقریر: میری خواہش یہ ہے کہ ریاست میں جو قوانین اس وقت جماعتیں اور انجمنیں بنانے کے متعلق اور اخبارات کے ذریعے سے یا جلوسوں میں اظہارِ خیالات کی آزادی کے متعلق اور دوسرے ایسے معاملات کے متعلق رائج ہیں ان کو بہتر بنایا جائے تاکہ جہاں تک میری رعایا کی بہبود اور اس کے امن سے زندگی گذارنے کی مقتضیات اجازت دیں۔ ان قوانین کے مطابق بنایا جائے جو اس وقت ایسے معاملات کے متعلق برطانوی ہندوستان میں رائج و نافذ ہیں۔ اس لحاظ سے ریاست کے قوانین میں تغیر و تبدل مسٹر گلینسی کے مشورہ کے مطابق ہوگا اور یہ کام فی الفور شروع کر دیا جائے گا۔

دستورِ اساسی کا مسئلہ جیسا کہ میں قبل ازیں اعلان کر چکا ہوں میری نیت یہ ہے کہ ایسے ذرائع کئے جائیں کہ میری رعایا کو ریاست کی حکومت میں دخل حاصل ہو جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر قوم کے نمائندوں کو مناسب موقع دیا جائے کہ وہ امورِ حکومت کے نظام میں دخل اور امداد بھی دے سکیں۔

گول میز کانفرنس میرا ارادہ یہ ہے کہ جب متذکرہ بالا کمیشن موجودہ شکایات و تکالیف کی تحقیقات کا کام ختم کر چکے تو میں ایک گول میز کانفرنس طلب کروں جس کے صدر مسٹر گلینسی ہوں اور جس میں میری رعایا کے تمام فرقوں کے نمائندے شامل ہوں تاکہ اس کانفرنس میں دستورِ اساسی میں اصلاحات کی ترویج کے بہترین اور مناسب ترین ذرائع پر تبادلۂ خیالات ہو سکے اور اس تبادلۂ خیالات کے نتائج کے موافق میرے غور اور میرے احکام کے لئے سفارشات مرتب کی جا سکیں۔

بعض مناسب احکام کا نفاذ اس تحریر کے ساتھ میری حکومت کے بعض اعلانات کئے ہیں۔ ان سے معلوم ہو گا کہ امورِ ذیل کے متعلق احکام نافذ کر دیئے گئے ہیں:

اوّل:۔ جن آفیسروں کو گذشتہ فسادات کے سلسلے میں محکمانہ طور پر سزا دی گئی تھی۔ ان کو پھر بحال کیا گیا ہے۔

دوم:۔ حال ہی میں جن لوگوں کو سیاسی جرائم کی وجہ سے سزا ملی ان کے لئے اپیل کی میعاد وسیع کر دی گئی۔

سوم:۔ گذشتہ چار ماہ میں جو فسادات ہوئے ان کی وجہ سے جو فاقہ مست ہو گئے ان کو فی الفور امداد دی جائے گی۔

چہارم:۔ سرینگر میں اوّل اوّل جو فسادات ہوئے ان کی تحقیقات کے لئے جو دلال کمیٹی مقرر ہوئی تھی اس کی تحقیقات کے بعد جو فسادات رونما ہوئے ہیں۔ ان کی اور ان فسادات کو دبانے کے لئے ریاست نے جو وسائل اختیار کئے ہیں ان کی تحقیقات کے لئے ایک آفیسر مقرر کیا گیا ہے۔

دستخط:۔ مہاراجہ ہری سنگھ

مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۹۳۱ء۔

۵ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو مہاراجہ بہادر نے ایک انگریز افسر مسٹر مڈلٹن کی سرکردگی میں ایک اور تحقیقاتی کمیشن کے قیام کا اعلان کر دیا جس کے ذمّے اُن واقعات کی تحقیقات کرنا تھا جو سرینگر، اسلام آباد، شوپیان اور کئی دوسرے علاقوں میں سیاسی قیدیوں کی گرفتاری کے دوران پیش آئے تھے۔

اِس کمیشن کے روبرو شہادتیں پیش کرنے کے لئے اور عدالت کے سامنے محمد اسحٰق کے

گھر میں ایک دفتر قائم کیا گیا۔ مکان کے عین سامنے ڈو ہاؤس بوٹ لگائے گئے جن میں "کشمیر کمیٹی" کی طرف سے بھیجے گئے وکیل اور دوسرے مہمان قیام پذیر ہوئے۔ کمیشن کا ہاتھ بٹانے کے لئے پہلی بار مرزا محمد افضل بیگ کو سامنے لایا گیا۔ افضل بیگ کے ساتھ جن اصحاب کو کمیشن کے کام پر معمور کیا گیا۔ ان میں غلام قادر گاندر بلی، محمد یحییٰ، مولوی عبدالرحیم اور محمد یوسف بی۔اے' قابلِ ذکر ہیں۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے مسٹر گلینسی اور مسٹر مڈلٹن کمیشن کے تاریخی اعلان سے کشمیر میں جد و جہدِ آزادی کا ایک نیا محاذ کھل گیا۔

ان دو کمیشن کے سامنے کوئی پچاسی شخصیتوں اور لوگوں نے اپنے اپنے بیان قلمبند کروائے۔ ہم یہاں پر مسلم تنظیم کی طرف سے پیش کئے گئے طویل انگریزی بیان کا خلاصہ درج کر رہے ہیں جو تنظیم کی طرف سے شیخ عبداللہ نے پیش کیا۔

"کمیشن کے دائرۂ اختیارات میں فسادات کے اسباب کی چھان بین بھی شامل ہے چونکہ ریاست جموں و کشمیر نے اپنی مفروضہ عنایات کا بڑا ڈھنڈورا پیٹا تھا۔ اس لئے میں اس کا اجمالاً تذکرہ کرنا مناسب خیال کرتا ہوں۔ ریاست کے مسلمانوں کو حکام ریاست کے غیر مساویانہ سلوک کا بہت احساس ہے۔ انھیں جان بوجھ کر ملازمتوں سے محروم رکھا جاتا ہے اور خوش قسمتی سے کوئی مسلمان ریاست کی ملازمت میں داخل بھی ہو جائے تو اس کے ساتھ ایسا توہین آمیز سلوک کیا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو اور اپنی ملازمت کو غیر محفوظ خیال کرتا ہے۔ مسلمان ملازموں کے خلاف جھوٹے مقدمات بنائے جاتے ہیں اور اکثر مسلمانوں کو معمولی وجوہات پر برخواست کیا جاتا ہے۔

سر ایلبین بنرجی نے عین موقع پر اپنا بیان شائع کرایا۔ اُسے دیکھ کر مسلمانوں نے اپنے دعوے پہلے سے زیادہ زور کے ساتھ پیش کئے چنانچہ ریاست کے مسلمان نمائندوں کی طرف سے مجمل طور پر مسلمانوں کے مطالبات ہز ہائی نیس کی حکومت کو بطور میموریل پیش کئے گئے۔

ریاست کے حکام جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ عموماً ہندو ہیں۔ وہ مسلمانوں کے خلاف حکمتِ عملی پر کاربند رہتے ہیں۔ غریب، تباہ حال مسلمان جو پہلے ہی مفلوک الحال ہو رہے تھے۔ رشوتیں دینے پر مجبور ہوتے رہے۔

جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ریاست کو اپیل کرنے کے باوجود ان کی حالت بہتر ہونے کی کوئی صورت نہیں تو انھوں نے مسلم اخبارات کے ذریعے شکایات پیش کرنی شروع کر دیں۔ یہ بات حکام کو بے حد ناگوار گزری۔ چنانچہ انھوں نے ذمہ دار مسلم اخبارات کا ریاست میں داخلہ ممنوع قرار

دیا اور ہمیں اپنی حالت کے متعلق دوسرے مقامات کے رہنے والے بھائیوں کے افکارات کے مطالعہ سے بھی محروم کر دیا۔

اس تشدد آمیز کاروائی کے بعد ایک یہ خبر ملی کہ ایک ہندو پولیس افسر نے خطبہ قرآن کی توہین کی ہے۔ اس موقع پر میں یہ امر ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان تمام بے عزتی برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن اپنے مذہب کے خلاف کسی توہین کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد ریاست نے مسلمانوں کی شکایات کے تدارک کے لئے ایک انوکھی تجویز پر عمل کیا اور مسجدوں میں جلسے منعقد کرنے کی مخالفت کر دی، ہم نے حکومت کے اشارے پر ایک جلسہ منعقد کرایا۔ تاکہ مسلمانوں میں سے نمائندے منتخب کئے جائیں۔ جو ہمارے معاملہ کو ہز ہائی نیس کی خدمت میں پیش کریں۔ جب جلسہ ختم ہونے کے قریب تھا تو مولوی عبدالقدیر نے ایک بے ضرر تقریر کی۔ مولوی عبدالقدیر کو گرفتار کر کے ان کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ ان کے مقدمے کی سماعت کے لئے روز ہزاروں مسلمان عدالت پر جاتے تھے لیکن علمبردارانِ امن و قانون نے جو سلوک ان لوگوں کے ساتھ کیا وہ ریاست کی تاریخ میں ایک بدنما دھبہ رہے گا۔

آپ کی تحقیقات کے اغراض میں یہ بات شامل نہیں کہ ماہ جولائی کے واقعات پر جن کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ کوئی فیصلہ صادر کیا جائے لیکن حکام ریاست کے خلاف مسلمانوں کے جذبات میں ہیجان کی وجہ یہی واقعات ہیں۔ اس لئے بدامنی کی تہہ تک پہنچے بغیر آپ حقائق پر عبور حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ریاست نے ہر موقعہ پر مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگائی اور ان کے جائز مطالبات کو کچلنے کے لئے عزم صمیم کا اظہار کیا۔

مسلمانوں کی پُرزور مخالفت کے باوجود دلال کمیشن کا ڈھونگ رچایا گیا۔ مسلمانوں نے بحیثیت قوم اس کا مطالبہ کیا۔

کمیشن کے تقرر کے بعد مجھے اور میرے رفقا کو جو قلعہ میں مقید تھے رہا کر دیا گیا اور ریاست نے مسلمانوں کے خیالات کی گہرائی کو بھانپ کر عارضی صلح کر لی۔

میں اپنا بیان اس مودّب اور الفت کے اظہار کے بغیر ختم نہیں کر سکتا جو مسلمانوں کو اپنے حکمراں کے ساتھ ہے۔ جن شکایات کا میں نے اس پر تذکرہ کیا ہے۔ وہ نظامِ حکومت کے خلاف ہیں۔ ہز ہائی نیس کی ذات کے خلاف نہیں۔ ہز ہائی نیس کے لئے مسلمانوں کے دلوں میں وفاداری محبّت اور اطاعت شعاری کے جذبات ہیں اور یہ جذبات برقرار رہیں گے۔"

مسلم اکابرین کی طرف سے شیخ عبداللہ نے مڈلٹن کمیشن کے سامنے جو تحریری بیان پیش کیا۔ اس پر اس وقت اوس پڑگئی جب مڈلٹن کی رپورٹ منظرِ عام پر آگئی۔ مڈلٹن نے جو اپنی تحقیقاتی رپورٹ حکومت کو پیش کی وہ حسبِ ذیل ہے:

"شوپیان میں گولی چلانی بے حد ضروری تھی۔ پولیس فائر کرنے میں بالکل حق بجانب تھی۔ مائیسمہ میں گولی چلانی ضروری تھی جونہی ضرورت پوری ہوگئی فائر بند کر دیئے گئے اس کے بعد صرف چند فائر ادھر اُدھر کئے گئے۔ جامع مسجد سرینگر میں فوج کے لئے صورت حال شدید خطرناک ہوگئی تھی۔ اس لئے گولی چلانے میں حق بجانب تھی لیکن اگر آفیسر معقول انتظام کرتے اور موقعہ پر موجود رہتے تو فوج سے کام لینے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اننت ناگ میں بھی گولی چلانی اس لئے ضروری ہوگئی کہ افسروں نے صورت حالات کا انتظام اچھا نہ کیا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے جب ضرورت پوری ہوگئی تو اس کے بعد بھی گولی چلتی رہی اور شدید طریق پر یہ جنگی کاروائی جاری رہی۔ فوجی قبضے کے دوران سرینگر کے یورپین باشندوں پر خوف و ہراس طاری ہوگیا۔ اگرچہ میں نے نوٹس شائع کئے تھے کہ جن لوگوں نے چشم دید واقعات دیکھے وہ آکر شہادتیں قلمبند کرائیں لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ میرا فرض یہ شہادتیں قلمبند کرنے سے پورا نہیں ہوا۔"

مڈلٹن نے اپنی رپورٹ میں مسلمان گواہوں کے بیانات کے ساتھ جگہ جگہ ایسے ریمارکس پاس کیے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ انھیں مسلمان گواہوں کے ان بیانات پر اعتبار نہیں۔ اُن کی نظر میں یہ بیانات غلط بہتان اور جھوٹ پر مبنی تھے۔

مڈلٹن رپورٹ جب پریس کے ذریعے مشتہر ہوا تو مسلمانوں میں سخت مایوسی ہوئی۔ مڈلٹن کمیشن کا خلاصہ ابتدا میں ایسوسی ایٹیڈ پریس نے شائع کیا جسے دیکھ کر مسلم رہنما اور عام مسلمان ناراض ہوگئے۔ ڈوگرہ مظالم کے متعلق رپورٹ سراسر غیر منصفانہ تھی چنانچہ جب بعد کو اصل رپورٹ منظر عام پر آگئی تو معلوم ہوا کہ اخبارات میں درج خلاصہ گمراہ کُن اور خلاف اصل تھا۔ یہ دشمنوں کی شرارت تھی جو ان کمیشنوں سے مسلم رہنماؤں کی طرف سے بائیکاٹ کروا کر اس دفتر کو بند کروانا چاہتا تھا۔ مڈلٹن رپورٹ کا اصل خلاصہ بعد میں اخبارات میں آنے کے سبب مسلمانوں کو جو مایوسی ہوئی تھی اس کی تلافی ہوگئی اور اس وجہ سے گلینسی کمیشن پر لوگوں کا اعتماد بحال ہوگیا

اور مسلم رہنماؤں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

اِن کمیشنوں کے سامنے شہادتیں پیش کرنا اور دلائل سے ان کو قائل کرنا ایک ایسا کام تھا۔ جس کے لئے ماہرین کی ضرورت تھی۔

مرزا بشیر الدین محمود کی سربراہی میں "کشمیر کمیٹی" نے جس تندہی لگن اور خوش اسلوبی سے یہ کام انجام دیا۔ وہ یقیناً ایک قابلِ تعریف کارنامہ ہے۔

"کشمیر کمیٹی" نے اس کام کی انجام دہی کے لئے جو نامور وکلاء اور دوسرے حضرات فراہم کئے ان میں بشیر احمد ایڈووکیٹ، چوہدری عصمت اللہ، مولوی عبد الرحیم درد، صوفی عبد القدیر نیاز، مولوی محمد اسماعیل غزنوی، سید میرک شاہ اور چوہدری ظہور احمد قابلِ ذکر ہیں۔

"کشمیر کمیٹی" نے ڈاو ہاؤس بوٹوں میں مقیم مہمانوں کا سارا خرچہ برداشت کیا اور دونوں کمیشنوں کے لئے مطلوبہ مواد فراہم کیا۔ اس مواد کو حاصل کرنے کے لئے کشمیر کمیٹی نے بھوپال، رام پور، جے پور، حیدر آباد، میسور، بھرت پور، بیکانیر، پٹیالہ، بڑودہ، بہاولپور، مالیر کوٹلہ اور کپورتھلہ کے وزرائے اعظم سے خط و کتابت کر کے مفید معلومات حاصل کر لیں۔

مجموعی طور پر گلینسی کمیشن کے سامنے وہی رپورٹ پیش کی گئی جو مڈلٹن کمیشن کو پیش کی گئی تھی۔

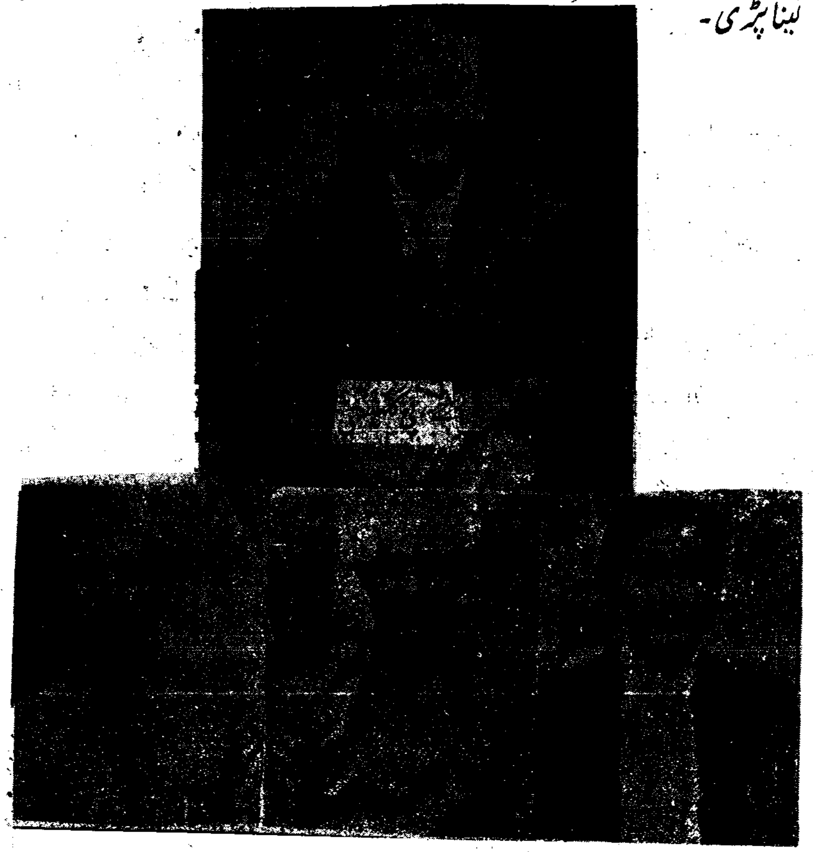
گلینسی کمیشن کی کاروائی شروع ہوتے ہی جب مسلم اکابرین نے اس کمیشن کو اپنا تعاون دینا شروع کیا اور اس نے شد و مد سے اپنی کاروائی شروع کی۔ پنڈت برادری نے باہم مشورہ کر کے اپنے مطالبات کا ایک چارٹر تیار کیا۔ اس چارٹر کو تیار کرنے میں کئی دن لگ گئے اور اس کی تیاری میں پنڈت جیالال کلم، پنڈت کیشپ بندھو، پریم ناتھ بزاز، رام ناتھ شاستری، لوک ناتھ شرما اور ڈاکٹر پشن نے بھر پور حصّہ لیا اور کوئی ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل مطالبات کا چارٹر انھوں نے کمیشن کے سامنے پیش کیا۔

اِن مطالبات میں بیشتر مطالبات وہی تھے جو ریاست کے مسلمان ڈوگرہ حکومت سے مانگ رہے تھے البتہ ان میں بعض مطالبات ضرور فتنہ انگیز تھے۔

سب سے بڑا فتنہ انگیز مطالبہ خانقاہ معلّی کے بارے میں تھا۔ چارٹر کے اکیاسٹھویں مطالبے کے مطابق یہ خانقاہ چونکہ شری کا مندر ہے۔ لہٰذا یہ پنڈتوں کو واپس ملنا چاہیے۔ ایک اور مطالبے میں سرینگر کی عید گاہ پر مسلم فرقہ کی اجارہ داری ختم کر کے اسے ہر ایک فرقہ کے لئے کھلا چھوڑنے کی تجویز تھی۔

مسجدوں اور خانقاہوں کی طرف سے سیاسی پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرنے پر فوری روک لگانے کا بھی ایک مطالبہ تھا۔

پنڈت برادری جب ایک ایک کر کے کمیشن کے سامنے پیش ہوئے اور اپنے مطالبات کی صفائی میں بیان دینے لگے تو پریم ناتھ بزاز بیشتر مطالبات سے دستبردار ہو گئے جس کی وجہ سے اُن پر پنڈت برادری نے "قافیہ تنگ کیا۔ یہاں تک کہ اسے نہ صرف اپنے محلے بلکہ اپنے گھر کو بھی خیر باد کہہ کر آبی گذر میں ایک مسلمان کے گھر میں پناہ لینا پڑی۔



گلینسی کمیشن کے ممبران: (۱) چودھری غلام عباس خان (۲) غلام احمد عشائی (۳) پریم ناتھ بزاز

عجب انقلاب جہاں ہے یہ کہ وفا کا دور نکل گیا
انہیں جب خیال کرم ہوا تو زمانہ رنگ بدل گیا

کمیشن کی رپورٹ پر مہاراجہ کی تصدیق

اپریل کے پہلے ہفتے میں مسٹر جے۔ بی۔ گلینسی نے کافی محنت اور عرق ریزی کے بعد حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ ۱۰ اپریل ۱۹۳۲ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے رپورٹ کی سفارشات منظور کرنے کے احکامات صادر کئے۔

چنانچہ اس کے نتیجے میں خانقاہ دارا شکوہ، شاہی باغ مسجد، خانقاہِ سوختہ، خانقاہ شاہدرہ زیارتِ مدین صاحب، خانقاہِ بلبل شاہ، خانقاہ صوفی شاہ، عیدگاہ کی مساجد کے علاوہ مقابر اور مقدس مقامات جو مدت سے ڈوگرہ حکومت کے قبضے میں تھے۔ واپس مسلمانوں کو کر دیئے گئے اور آئندہ کے لئے مہاراجہ نے اعلان کیا کہ اس نوع کے تمام مقدس مقامات مسلمانوں کے سپرد کر دیئے جائیں اور اگر ان پر قابض لوگوں کو معاوضہ دینے کا عدالتی فیصلہ ہو تو ریاست اسے معاوضہ ادا کرے گا اور نئی مساجد بنانے کی درخواست پر بھی ہمدردانہ غور کیا جائے گا۔

مہاراجہ بہادر نے یہ بھی اعلان کیا کہ ہر ایک قوم کو ریاست میں کامل مذہبی آزادی ہے اور اگر کوئی شخص اذان میں مداخلت کرے تو اسے سزا دی جائے گی یا کسی کو تبدیل مذہب کی بنا پر ہراساں اور خوفزدہ کیا جائے تو اس کی گوشمالی کی جائے گی خواہ وہ پولیس ہو یا اور کوئی سرکاری عہدیدار یا رعایا میں سے کوئی شخص۔

تعلیم کے متعلق سفارشات منظور کرتے ہوئے ابتدائی تعلیم کی توسیع، عربی کے اساتذہ کی تعداد میں اضافہ، اسلامی وظائف کی مقدار اور محکمۂ تعلیم کے مسلمان انسپکٹروں میں اضافہ کے احکام دیئے۔ مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے ایک خاص انسپکٹر کے تقرر کا فیصلہ کیا۔

مسلمانوں کا ایک اہم مطالبہ یہ تھا کہ زمینداروں کو حقوقِ مالکانہ دیئے جائیں۔ جو تسلیم کر لیا

گیا۔ جموں، سانبہ، اکھنور، کٹھوعہ، جمبر گڈھ، بھمبر گلی اور میر پور کی تحصیلوں سے کاہچرائی کا ٹیکس عارضی طور پر اُٹھا دیا گیا۔ دھاروں میں جو ٹیکس وصول کیا جاتا تھا اسے ہٹا دیا گیا۔

اخروٹ کے درخت کاٹنے پر پابندی ختم کر دی گئی، محکمہ پولیس، جنگلات اور محکمۂ مال میں بھی نئی اصلاحات جاری کی گئیں۔ بکروالوں پر ٹیکس کی تخفیف کر دی گئی۔

آزادی تحریر و تقریر سے متعلق اعلان کیا گیا کہ ریاست میں جلد از جلد وہی قانون رائج ہوگا جو برطانوی ہند میں رائج ہے۔ مالیہ کی شرح برطانوی علاقہ کے مطابق کرنے کے مطالبہ کی معقولیت تسلیم کر لی گئی۔ ریاست کے افسروں اور مہاراجہ کو رائے عامہ سے آگاہ کرنے اور ریاست کی قانون سازی اور حکام کے اعمال پر تنقید کرنے کے لئے گلینسی کی زیر صدارت اصلاحاتی کانفرنس نے ریاست میں آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کی سفارش کی۔ چنانچہ اس کو عملی تشکیل کے لئے مہاراجہ نے ایک فرنچائز کمیٹی قائم کر دی جس کے لئے سر برجور دلال صدر، مسٹر ایل۔ ڈبلیو جارڈین نائب صدر۔ خان بہادر عبدالقیوم رکن، ٹھاکر کرتار سنگھ رکن اور رام ناتھ شاستری سیکریٹری مقرر کئے گئے۔

اس کے علاوہ جنگلات، رکھ، کسٹم، دھرت محکمہ تعمیرات عامہ، میونسپلٹی، محکمۂ طبی ذبیحہ وغیرہ محکمہ جات میں مسلمانوں کی بھرتی کا اعلان کیا گیا۔ شادی صغر سنی سے متعلق ترمیم کرنا بھی مان لیا گیا۔

ریاستی مطالبے کو برطانوی ہند کے مطابق بنانے کے لئے ایک نیا ترمیم شدہ قانون جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ دیگر کئی مراعات کے احکامات بھی جاری کئے گئے۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے ان تمام مراعات کے بارے میں اخبار "ملاپ" نے ۱۲ اپریل ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں یہ شہ سرخی دے دی ؛

"کشمیر کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے"۔

گلینسی اور مڈلٹن کمیشن کی رپورٹ پر مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے تصدیق کے بعد خانقاہ معلیٰ کے ایک عظیم اجتماع میں مولوی یوسف شاہ اور خواجہ غلام احمد عشائی نے کمیشن کی رپورٹ پر خوشی و مسرّت کا اظہار کیا۔ مولوی صاحب نے عوامی اجتماع کے سامنے تقریر کرتے جہاں گلینسی کمیشن کی رپورٹ پر شادمانی دکھائی۔ وہاں مہاراجہ ہری سنگھ کی تعریفوں کے پُل بھی باندھے اور لوگوں سے مہاراجہ کے وفادار رہنے کی تلقین کی۔

گلینسی کمیشن کی رپورٹ اور اس پر عمل درآمد کے پیشِ نظر جہاں مسلمان اسے اپنی فتح سے تعبیر کر کے خوشیاں منا رہے تھے۔ وہاں کشمیری پنڈتوں اور جموں کے ڈوگروں نے مل کر مہاراجہ ہری سنگھ مسٹر کالون اور مسٹر گلینسی کو سخت بُرا بھلا کہا۔ شیتل ناتھ مندر میں غیر مسلموں نے اس رپورٹ کے خلاف زہر اگلنا شروع کیا۔ پنڈت کیشپ بندھو کو تقریر کے دوران زہر اُگلنے پر گرفتار کر لیا گیا۔

مسلمانوں کی فتح کے طور پر پہلی بار ۷ مئی کو شیعوں اور سنیوں کا محرم کا جلوس مشترکہ طور پر روزہ بھی دن میں نکلا۔ جڈیبل میں شیعوں نے سنیوں کا شکریہ ادا کیا۔

غیر مسلموں کے ایجی ٹیشن زور پکڑنے لگی تو اس نے فرقہ وارانہ فسادات کی صورت اختیار کر لی سرینگر، اسلام آباد، مٹن کے علاقے ہندو مسلم فسادات کی زد میں آ گئے۔

غیر مسلموں کے ایجی ٹیشن اور ہندوستان کے کٹر ہندو پریس نے مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف ایک مہم چلائی۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔

ریاست کے مسلمانوں کو بعض مراعات اور حقوق دینے کے خلاف غیر مسلموں کے ایجی ٹیشن کی حمایت میں کٹر ہندو پریس نے یقیناً جانبدارانہ رول ادا کیا۔

ریاست کے مسلمانوں کو غلام قوم، ٹھگ اور راکھشس سمجھنے والے کٹر ہندو فرقہ پرست مہاراجہ کے خلاف طوفانِ بدتمیزی پر اُتر آئے۔ انھوں نے ریاست کے غیر مسلموں کو مہاراجہ کے خلاف خوب اُکسایا۔ چنانچہ جب مہاراجہ جموں سے سرینگر آئے تو پنڈتوں نے ان کا راستہ روک کر مظاہرہ کیا، مظاہرین پر بذریعہ پولیس لاٹھی چارج کرایا گیا۔ موقع پر ہی پچاس کے قریب اشخاص گرفتار کر لئے گئے۔ ان میں جموں کا رام ناتھ شاستری بھی شامل تھا۔

غیر مسلموں کی اس ایجی ٹیشن سے مسلم رہنماؤں میں تشویش سی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ وہ ایک وفد کی صورت میں وزیر اعظم مسٹر کالون سے ملنے گئے تاکہ وہ کمیشن کی رپورٹ پر عمل آوری میں کسی قسم کی درنگی نہ کریں۔ مسٹر کالون نے وفد کو یقین دلایا کہ مہاراجہ بہادر کمیشن کی رپورٹ پر عمل درآمد کے لئے پُرخلوص ہیں اور جب مجھے محسوس ہوگا میں تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکتا تو میں مستعفی ہو جاؤں گا۔

مسلم نمائندوں کا جو وفد مسٹر کالون سے ملا اس میں میرواعظ احمد اللہ ہمدانی انجمن خانقاہ و نقشبندیہ، سید حسین جلالی پریزیڈنٹ انجمن امامیہ، خواجہ سعد الدین شال صدر نمائندگان جموں و کشمیر، شیخ محمد امین صدر ینگ مینز ایسوسی ایشن جموں، مولوی محمد سعادت پریزیڈنٹ انجمن ہمدرد اسلام

مولوی عبدالرحیم صدر ینگ مینز ایسوسی ایشن سرینگر اور خواجہ غلام احمد عشائی نمائندہ گلینسی کمیشن۔

شیخ محمد عبداللہ ۶ر جون ۱۹۳۲ء کو رہا کئے گئے ان کی رہائی پر شہر سرینگر میں ایک جشن سا منایا گیا اور جگہ جگہ خوشی و شادمانی کا مظاہرہ کیا گیا۔

گلینسی کمیشن کی رپورٹ منظرِ عام پر آنے پر کشمیری پنڈتوں نے اس رپورٹ کو اپنے لئے مایوس کُن رپورٹ تصوّر کیا۔ انھوں نے کھلے عام مہاراجہ ہری سنگھ وزیر اعظم کالون اور کمیشن کے سربراہ مسٹر گلینسی سے اپنی ناراضگی جتلانے کے لئے ایجی ٹیشن کا راستہ اختیار کر لیا اور دوران ایجی ٹیشن وہ حکومت کے ساتھ مسلمانوں کی دشمنی پر اُتر آئے۔

مسلمانوں نے اپنے وہ مطالبات جو غیر مسلموں کے لئے قطعی بے ضرر تھے۔ منوانے میں اگر کامیابی حاصل کر لی تو غیر مسلم وادی کے مسلمانوں سے ناراض کیوں ہو گئے؟ سمجھ سے بالا تر معاملہ تھا۔

شیتل ناتھ مندر میں روزانہ خفیہ اور عام جلسے ہونے لگے۔ کئی اجلاسوں کے بعد وادی میں "روٹی مومنٹ" کے نام سے ایجی ٹیشن چلانے کا فیصلہ لیا گیا۔ اس تحریک کو کالجوں اور اسکولوں کے لڑکوں کے سپرد کیا گیا۔

یہ طالب علم مخصوص جگہوں پر جمع ہو کر اُچھل کود کر کے اس طرح کے نعرے دیتے تھے۔

"بھائیو رے بھائیو" مجمع جواب دیتا۔ "ہاں رے بھائی ۔۔ کیوں رے بھائی"

نعرے دینے والا کہتا۔ "ہم کیا چاہتے ؟" تو سب مل کر اچھلتے کودتے "روٹی، روٹی، روٹی" پکارنے لگتے۔ اس کے بعد یہ طلباء دفتروں کا رُخ کرتے اور یہاں کلرکوں سے قلم چھین لیتے۔ سیاہی گرا دیتے اور فائلوں کو اکھاڑ پھینکتے۔

اس طرح کی یہ ہڑبھونگ کئی روز تک جاری رہی۔ اگلے پروگرام کے تحت ان طالب علموں نے دُکانداروں کو دُکانیں بند کرنے کے لئے اودھم مچانا شروع کیا۔ چنانچہ چنکرال محلہ میں دُکانداروں کو دُکانیں بند کراتے کے دوران طلباء اور دُکانداروں کے درمیان فساد بپا ہو گیا۔ پولیس جائے واردات پر پہنچ گئی۔ تو ڈیوٹی مجسٹریٹ کے حکم سے کئی طلباء گرفتار کر لئے گئے۔ باقی طلباء بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ ان طلباء کی گرفتاری کی خبر سنکر پنڈت جیالال کلم اور پنڈت کیشپ بندھو مہاراجہ ہری سنگھ سے شکایت کرنے گئے تو انھوں نے دو ٹوک جواب دے کر انھیں مایوس کر دیا۔ طلباء کی رہائی کے مطالبے میں پنڈت برادری نے جو چند مطالبے جوڑ دیئے وہ اس طرح ہیں:۔

(۱) ہندو طلباء کو بغیر کسی تاخیر کے چھوڑ دیا جائے۔
(۲) کاشت کے لئے ہمیں آراضیات مفت دی جائیں۔
(۳) صنعتی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہماری کمیونٹی کو خاص وظیفے دیئے جائیں۔
(۴) کارخانے اور دیگر کام کرنے کے لئے نقد امداد دی جائے۔

مطالبات کے حصول کے لئے ان کا ایجی ٹیشن کبھی گرم ہو جاتا تو کبھی سرد پڑ جاتا۔ ۲۱ر ستمبر ...صفائی کے ہفتے کے سلسلے میں اسلامیہ ہائی اسکول کے طلباء کا جلوس نکلا۔ جو شہر کا گشت لگاتے ...ئے گنپت یار پہنچا۔ چند من چلے غیر مسلموں نے جلوس پر پتھر پھینکنے شروع کئے اور جلوس کے ...راہ ٹیچروں کا گھیراؤ کیا۔ بعض شر پسندوں نے قومی لیڈر کے نام کے ماٹو پر پتھراؤ کیا اور اس پر تھوکا ...ل اس کے کہ فرقہ وارانہ فساد بھڑک اُٹھتا۔ اسکول کے ٹیچروں نے طلباء کا جلوس حبہ کدل پار کر دیا۔

حبہ کدل میں پنڈت جیالال کلم، کیشپ بندھو اور رام ناتھ شاستری مسلمانوں کے خلاف نفرت ...نگیز اور بھڑکانے والی تقریریں کر رہے تھے کہ اسی دوران اسکول کے طلباء یہاں پہنچ گئے۔ دیکھتے ہی ...یکھتے فساد بھڑک اُٹھا۔ اس فساد کی خبریں قرب وجوار میں پہنچ گئیں تو فرقہ وارانہ فساد نے آگ اور خون ...ی صورت اختیار کر لی۔

ان فرقہ وارانہ فسادات اور بلوؤں میں سینکڑوں کی تعداد میں طرفین کے لوگ زخمی ہوئے۔ ...رنے والوں کی تعداد چار اور سات بتائی گئی۔

فرقہ وارانہ آگ بھڑکانے والے جیالال کلم، کیشپ بندھو اور رام ناتھ شاستری کو جان سے ...ارنے والے ہجوم سے بچانیوالے مسلمان ہی تھے۔ جیالال کلم کو اگرچہ پولیس پارٹی نے گھر سے نکالا البتہ ...لیس انسپکٹر عبدالکریم نے ان کو پناہ بھی دی۔ اس طرح کیشپ بندھو کو خواجہ عمر بٹ نے پناہ دیکر ...بچالیا، فرقہ وارانہ آگ شہر سے نکل کر دیہات اور قصبہ جات میں پھیل گئی۔ چنانچہ اسلام آباد، بارہمولہ ...سوپور، ہندوارہ، کولگام، پلوامہ، پانپور، شوپیان، بڈگام پورہ، گاندربل، بانڈی پورہ وغیرہ ...علاقہ جات میں یہ وبا سرعت سے پھیلی۔ اس وبا نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ مسلم علاقوں سے ...غیر مسلم اور غیر مسلم علاقوں سے مسلمان آنے جانے سے ڈرنے لگے۔ کیونکہ اس طرح کے کئی ایسے ...واقعات رونما ہوئے جہاں مسلمانوں نے غیر مسلموں کو اپنے علاقوں میں دبوچ لیا وہاں غیر ...مسلموں نے بھی اپنے علاقوں میں مسلمانوں پر وار کیا۔ اس طرح خوف و دہشت کا ماحول پیدا ہو گیا ...اسی دوران گوبند رام نامی ایک تاجر کی بیٹی بیماری کے کارن جاں بحق ہوئی تو اس کی لاش چند

روز تک گھر میں پڑی رہی۔ جب یہ لاش سڑنے لگی تو مسلم رہنماؤں تک یہ بات پہنچ گئی چنانچہ شیخ عبداللہ کی سرکردگی میں مسلم اور غیر مسلم لیڈروں کا ایک وفد گوبند رام کے گھر آیا اور لاش کے کفن دفن میں ہاتھ بٹانے کے ساتھ اپنی معیت میں لاش کو شمشان گھاٹ پہنچادیا۔ جبکہ دل سے نسکار میں جب میت کو لیجا یا جارہا تھا تو کئی ناہنجار لوگوں نے اپنی کم ظرفی کا بدترین مظاہرہ کرکے ان پر پتھر پھینکے اور شیخ عبداللہ کو عبداللہ کاؤجی کہہ کر پکارا گیا۔

اِس واقعہ کی اطلاع پنڈت برادری کو ملی تو شرم سے ان کی گردنیں جھک گئیں۔ کئی ہندو، مسلم لیڈروں سے مل کر شرپسندوں کے شر سے بچنے کی تدابیر کرنے لگے۔ چنانچہ مشترکہ طور پر ہندو مسلم اتحاد کی اپیل شائع کی گئی اور دونوں نے مشترکہ طور پر گول باغ میں ایک پبلک جلسہ منعقد کیا۔ اس اجلاس میں دونوں طرف کے لیڈروں نے بھائی چارے اور میل ملاپ کے موضوع پر تقریریں کیں۔ ایک امن کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا جسے شرپسندوں پر نگاہ رکھنے کا کام سونپا گیا۔

اِس مشترکہ اجلاس کے بعد دونوں فرقوں کو آپس میں شیر و شکر ہونے کی جو اپیل کی گئی وہ بہت حد تک کارگر ثابت ہوئی۔

مشترکہ اجلاس کے ساتھ ساتھ الگ الگ اجلاس بھی بلائے گئے۔

خانقاہ معلیٰ میں مسلمان بھائی چارہ کا درس دینے لگے تو شیتل ناتھ مندر میں پنڈتوں نے یکجہتی پر زور دیا۔ اسی دوران ایک انگریز ینگ ہسبنڈ جو ایک انگریزی اخبار کا رپورٹر تھا۔ شیتل ناتھ مندر میں ہورہے اجلاس میں یہ شوشہ پھیلادیا کہ مسلمان بڑی تعداد میں گاڑیوں میں آکر اس مندر پر حملہ کرنے آرہے ہیں۔ اسی طرح انھوں نے مسلم برادری جو گاڑیوں میں سوار ہوکر دیہات اور قصبہ جات میں بھائی چارے کی اپیل کرتے جارہے تھے ان کو شیتل ناتھ مندر آنے کو کہا تاکہ وہاں سے پنڈتوں کے کئی افراد آپ کے ساتھ جاسکیں۔

اِس انگریز نامہ نگار نے دونوں کو ایک دوسرے کے عزائم سے بے خبر رکھا، چنانچہ جب مسلم برادری گاڑیوں میں شیتل ناتھ مندر کی طرف آنے لگی تو ان پر زبردست پتھراؤ کیا گیا۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے فرقہ وارانہ فساد بھڑک اُٹھا۔

اِن فرقہ وارانہ فسادات کی ہندوستان بھر میں خوب تشہیر ہوئی کئی مسلم رہنماؤں نے جن میں علامہ اقبالؔ قابلِ ذکر ہیں۔ ایسے فسادات پر شدید ناراضگی کا اظہار کیا۔ انھوں نے اس قسم کے فسادات روکنے کے لئے ریاست کی مسلم قیادت کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ ڈاکٹر علامہ اقبال کی ہدایت

پر ۲۵؍ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو مسلمانانِ کشمیر کی ایک نمائندہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں شیخ عبداللہ نے ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ اور خواجہ حسن نظامی کے پیغامات پڑھ کر سنائے۔ شیخ صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا :-

"گزشتہ تحریکِ فرقہ وارانہ اتحاد اور بلا لحاظ مذہب و ملّت اپنے ہم وطنوں کی ترقی اور خوشحالی کے لئے تھی۔ کچھ ناخوشگوار واقعات ایسے ضرور پیش آئے جن کا ہمیں بے حد افسوس ہے۔ ان حالات کے باوجود بھی ریاست کے لوگوں نے امنِ عامہ بحال رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی، ہم مہاراجہ بہادر کی ذات، تخت کی وفاداری کا اظہار کرنے میں ہرگز بخل سے کام نہیں لیں گے۔ گلینسی کمیشن کے مفید نکات کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں مہاراجہ بہادر کے ہمدردانہ رویے کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ البتہ مسٹر گلینسی کی تجویز کردہ اسمبلی قابلِ اعتنا نہیں اور اِس میں ترمیم کی ضرورت ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ مہاراجہ بہادر اس میں بھی اپنی فراخدلی کا ثبوت دیں گے۔ میں کشمیری عوام کی طرف سے گلینسی کمیشن کی رپورٹ کو کامیاب بنانے کا یقین دلاتا ہوں۔ میری تجویز یہ ہے کہ جس طرح مہاراجہ بہادر نے وادی کے حالات پر فراخدلی کا ثبوت دے کر گلینسی کمیشن کو مقرر کیا اسی طرح پونچھ کے حالات معلوم کرنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی جائے۔"

اِس طرح کا بیان دے کر شیخ محمد عبداللہ نے ایک طرح سے ڈوگرہ راج کے خلاف اپنی شکایات کا دفتر بند کیا اور مہاراجہ بہادر کا وفادار رہنے اور ان کے تخت و تاج کی اطاعت کرنے کا اظہار کرکے سارے جھگڑے کو ختم کردیا۔

لیکن یہ وفاداری اور اطاعت شعاری ناپائیدار ثابت ہوئی۔ مسلم رہنما آپس میں لڑنے لگے تو حکومت کو حرکت میں آنا پڑا۔



تحریکِ حرّیت کے جانباز سپاہی

(۱) محمد یوسف صرّاف (۲) میر عبدالعزیز (۳) اللہ دتّہ خان (۴) صدرالدین مجاہد
(۵) پیر مقبول گیلانی (۶) غلام محی الدین قرّہ (۷) محمد یحیٰ رفیقی (۸) خواجہ علی شاہ
(۹) عبدالعزیز خان

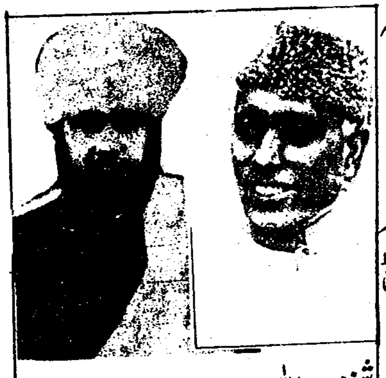
میں اُن کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں
جو گھر کو پھونک کر دُنیا میں نام کرتے ہیں

شیخ محمد عبداللہ اور مولوی یوسف شاہ کا ٹکراؤ

بعض اہم دستاویزات، اخبارات، رسائل اور کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد صاف طور پر پتہ چل گیا کہ مسلم اتّحاد میں جو رخنہ پڑ گیا وہ کسی اصول اور آدرش کی وجہ سے نہیں بلکہ مختلف اداروں سے ملنے والا چندہ اور مالی امداد کو مالِ غنیمت سمجھنے سے پڑا ہے۔

وادی میں "شیر بکرا" اور "ژیکہ وکٹہ" کا فتنہ بھی اسی کارن معرضِ وجود میں آیا ہے۔ اس فتنے کی وجہ سے نہ صرف دوستی دشمنی میں مبدل گئی بلکہ اس کے سبب تحریکِ حرّیت کو زبردست نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔

ڈوگرہ راج کے خلاف لڑنے اور مظلوم عوام کو ظلم و جبر سے نجات دلانے کے لیے جموں و کشمیر کا مسلم اتحاد مکمل طور پر دو حصّوں میں بٹ گیا۔ حالانکہ کئی برگزیدہ اشخاص نے ان کا ملاپ کرانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، لیکن شیشے میں جو بال آیا تھا وہ صاف کرنے سے دور نہیں ہو سکا۔



شیخ محمد عبداللہ — مولوی محمد یوسف شاہ

مولوی یوسف شاہ کی طرف سے شیخ عبداللہ پر اور شیخ عبداللہ کی طرف سے مولوی یوسف شاہ پر پارٹی فنڈس کا جو حساب مانگا جا رہا تھا اس نے ایک گھمبیر صورت اختیار کر لی۔

۲۵ جنوری ۱۹۳۳ء کو سرائے بالا کی مسجد میں دورانِ وعظ مولوی یوسف شاہ نے شیخ عبداللہ پر کئی الزامات لگائے ان میں سب سے بڑا الزام

کانفرنس کا ڈیڑھ ہزار روپیہ غبن کرنے کا تھا۔

شیخ عبداللہ نے اس کے جواب میں ۲۷ر جنوری ۱۹۳۳ء کو خانقاہ معلیٰ میں تقریر کے دوران مولوی یوسف شاہ پر کانفرنس کے ساڑھے تین ہزار روپے ہڑپ کرنے کا الزام لگایا اور سخت لہجے میں کہا۔

" مولوی صاحب کے مشیر مسجدوں کا روپیہ خُرد بُرد کرتے ہیں۔ مولوی یوسف شاہ ماما یقال کے ذریعے راجہ ہری کرشن کول کے ہاتھوں حقیر رقم کے عوض بک گئے ہیں۔"

ان دونوں لیڈروں کے درمیان ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کا سلسلہ شروع ہوا جو کئی مہینوں تک جاری رہا۔ دیگر مسلم رہنماؤں نے اس طرح ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے سے باز آنے کے لیے ان کی منت زاری کی، جتن کیے لیکن جوں جوں دوا کی درد بڑھتا ہی گیا۔

کئی مسلم رہنماؤں نے دونوں لیڈروں کے درمیان صلح صفائی کے لیے اپنی خدمات بھی پیش کیں لیکن یہ صلح ہر بار عارضی ثابت ہوئی۔

صلح صفائی کرانے والوں نے پھر بھی ہمت نہ ہاری۔

۱۱ر مارچ ۱۹۳۳ء کو شیخ صاحب نے خانقاہ معلیٰ میں سید میرک شاہ اندرابی کی موجودگی میں اجتماع کے سامنے دوران تقریر فرمایا:



مولانا میرک شاہ اندرابی

"..... میں صلح کے لیے اب بھی تیار ہوں، مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں، کوئی بغض نہیں لیکن مجھ سے جو حساب مانگا جا رہا ہے وہ میرے پاس نہیں ہے، آپ جانتے ہیں کہ وہ پولیس کے پاس ہے وہی سارا ریکارڈ اٹھا کر لے گئی ہے۔ میں اپنے ذاتی اخراجات اپنی جیب سے کرتا ہوں۔ کمیٹی فنڈ میں میرا ایک سو روپیہ جمع ہے۔ باہر سے میرے نام کوئی چندہ نہیں آیا ہے۔ صرف علی گڑھ کے میرے ہم جماعتوں نے کچھ رقم جمع کر کے بھیجی ہے ..... آپ دیکھیے میری قمیص پھٹی ہوئی ہے۔"

پھٹی قمیص کی نمائش پر جلسہ گاہ میں چند من چلوں نے ہوٹنگ کی، کئی لوگوں نے سیٹیاں بجائیں اور اس موقع پر آغا سید حسین نے کھڑے ہو کر شیخ صاحب سے مخاطب ہو کر اعتراض کیا تو انھوں نے کہا۔

"ہاں! مصر سے تین سو روپے کی رقم آئی ہے، باقی جو چندہ لوگوں نے یہاں جمع کیا وہ

سب کارکنوں میں صرف ہوا۔"

شیخ صاحب کا ایسا کہنا تھا کہ ایک کھلبلی مچ گئی جلسہ تتر بتر ہونے ہی والا تھا کہ سید میرک شاہ صاحب اندرابی نے جلسہ گاہ کو سنبھالا اور حاضرین سے فرمایا۔

"سنو، کسی پر خواہ مخواہ شک نہ کرو کسی کو بُرے نام سے نہ پکارو مخالف کو نرمی اور دلائل سے سمجھانے کی کوشش کرو۔"

اجتماع میں مولوی یوسف شاہ کے حامی خاصی تعداد میں شامل ہوئے تھے جو ہوٹنگ کر کے دراصل اجلاس کو تتر بتر کرانا چاہتے تھے۔ لیکن میرک شاہ صاحب کی اپیل پر لوگوں کے صبر تحمل نے ان کا پلان ناکام بنا دیا۔ البتہ شیخ صاحب کے حامیوں نے ان سے اس کا پورا بدلہ لیا۔

شہر میں جگہ جگہ "شیر بکرا" فسادات نے امن وسکون درہم برہم کر دیا۔ یہ فسادات کئی دنوں تک جاری رہے۔

۶ر اپریل ۱۹۳۳ء کو عیدالفطر کی تقریب پر شہر میں کشیدہ حالات کے پیش نظر حکومت نے میرواعظ مولوی یوسف شاہ سے عیدگاہ جانے کی مناہی کی تا کہ مولوی ہمدانی جن کی پشت پناہی شیر پارٹی کر رہی تھی ان کی موجودگی میں وہاں تصادم نہ ہونے پائے۔

مولوی یوسف شاہ نے عیدگاہ نہ جانا اپنی شان کے خلاف سمجھا چنانچہ انھوں نے عیدگاہ جانے کا اعلان کیا۔

مولوی احمداللہ ہمدانی نے مولوی یوسف شاہ کی جگہ جامع مسجد جانے کا فیصلہ کر لیا تا کہ اس طرح وہ جامع مسجد پر اپنا قبضہ جما سکے۔

چنانچہ عید کے موقع پر عیدگاہ میں مولوی یوسف شاہ اور شیخ عبداللہ کے حامیوں کے درمیان باضابطہ معرکہ ہوا۔ طرفین نے ایک دوسرے پر ڈنڈوں اور لاٹھیوں سے حملہ کیا، دیکھتے ہی دیکھتے سارے شہر میں فساد بپا ہو گیا۔ مولوی یوسف شاہ کے حامیوں کو جب پتہ چلا مولوی ہمدانی جامع مسجد میں نماز عید پڑھا رہے ہیں تو انھوں نے جا کر مولوی ہمدانی پر حملہ کیا اس وقت مولوی ہمدانی خطبہ پڑھ رہے تھے۔ جب ان پر جوتے پھینکے گئے۔

"شیر بکرا" فساد کی آڑ میں طرفین کے حمائیتیوں نے کئی دکانوں اور مکانوں کو لوٹا، درجنوں آدمی زخمی ہو کر ہسپتال میں بھرتی کیے گئے۔

عین عید کے روز مسلمانوں نے اپنی یگانگت اور یک جہتی کا جو ثبوت دیا اس سے مذہب اسلام

شیدائی شرمسار ہوئے ۔ اور غیر مسلموں کے سامنے وہ جگ ہنسائی کے موجب بن گئے ۔

دنگا فساد اور بلوہ کے الزام میں دونوں مولویوں کو جرمانہ کی سزا سنائی گئی ، میرواعظ ہمدانی نے جرمانہ ادا کیا ، لیکن مولوی یوسف شاہ نے جرمانہ ادا کرنے سے صاف انکار کیا ، انہیں اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ حکومت انھیں میرواعظ ہمدانی کے ساتھ پلڑے میں تولے گی ، چنانچہ جرمانہ ادا نہ کرنے کی پاداش میں انھیں گرفتار کرنے کا حکم دیا گیا ۔

پولیس پارٹی میرواعظ منزل انھیں گرفتار کرنے گئی تو مولوی صاحب یہاں ہاتھ نہ لگ سکے ۔ قبل اس کے کہ پولیس پارٹی نامراد ہوکر واپس چلی جاتی پولیس آفیسر عبدالرّشید نے انہیں حمّام سے نکال لایا جہاں وہ چھپے بیٹھے تھے ۔ چنانچہ انہیں پہلے تھانے پہنچا دیا اور پھر اودھم پور جیل کے لیے روانہ کیا گیا ۔

اتّفاق سے جس روز مولوی یوسف شاہ کو گرفتار کرکے جموں کی طرف لے جایا جا رہا تھا اُسی روز شیخ عبداللہ رہا ہوکر واپس آرہے تھے ۔ راستے میں ان دونوں کی ملاقات ہوگئی ۔ شیخ صاحب ۱۲ مئی ۱۹۳۳ء کو گرفتار کر لیے گئے تھے ۔

مولوی یوسف شاہ کی گرفتاری پر ان کے حامیوں کی طرف سے مظاہروں کا سلسلہ جاری ہوا ، ان مظاہرین میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین نے بھی بھرپور حصّہ لیا ۔

دونوں میرواعظوں کی خاندانی چپقلش سے تحریک کو جو نقصان پہنچا اس پر مسلم اداروں کی طرف سے خوب لعن طعن کی گئی ۔ کئی اخباروں نے اپنے مراسلوں میں ان مولویوں کی خوب خبر لی مسلم رہنماؤں کی اس مسلم کُش فتنہ انگیز کارروائی پر تبصرہ کرتے ہوئے اخبار " صداقت " سرینگر نے ۸ ستمبر ۱۹۳۳ء میں جو کچھ بھی لکھا اس میں طرفداری کی بو ضرور آتی ہے :

" مسلمانوں کی بدبختی نے سرینگر کی مساجد کو میرواعظوں کی جائیداد متنازعہ بنا دیا ہے اور جامع مسجد کو میدانِ کارزار بنایا گیا ہے تا آنکہ ان مساجد کے جھگڑے نے کشت و خون کا بازار گرم کیا ۔ بالآخر حضور مہاراجہ بہادر نے خاص وزراء کی کمیٹی زیر صدارت سر برجور دلال چیف جسٹس مقرر فرمائی تاکہ اس منحوس اور مسلم کُش تنازعہ کا خاتمہ ہو ، مولوی ہمدانی نے موقع غنیمت سمجھا اور فوراً کمیٹی کے احکام کی تعمیل کی کیونکہ اُن کو یقین ہے کہ جامع مسجد کسی کے باپ دادا کی میراث نہیں لیکن فریق مخالف اس کمیٹی کا نام سُن کر ہی لرزہ براندام ہے اور آگ بگولا ہو گیا ہے وہ

نہیں چاہتے کہ یہ جھگڑا ختم ہو ، انھوں نے جامع مسجد میں ہر روز جلسہ کرکے صدائے احتجاج بلند کی ہے ۔ ان کا اصرار ہے کہ دینِ اسلام کا حکم یا قرآن شریف کے حکم کو یہ کمیٹی فیصلہ کرکے پُرانے مُردے کو زندہ نہیں کر سکتی یعنی جامع مسجد وغیرہ ہمیشہ ہمیشہ فریقِ ثانی کی واحد مقبوضہ ملکیت رہے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نے کثیر التعداد رضاکاروں کو مسجد پر مستقل قبضہ رکھنے کے لیے اور ایجی ٹیشن شروع کرنے کے لیے جمع کیا ہے ۔

اگر کبھی مولوی ہمدانی جامع مسجد میں آئے تو اُن کی خوب خبر لینی ہوگی ، دیکھیے مسٹر وجاہت حسین کی بات چیت کا کونسا اثر ہوگا کہ مولانا ہمدانی کا فریقِ ثانی تقسیم مسجد کے بارے میں معقول طریق اختیار کرے گا یا نہیں ۔

بہرحال خدا کرے کہ اس منحوس تنازعہ کا خاتمہ ہو ، مسلمانوں کو اب آئندہ واعظوں پر قربان ہونے کی گنجایش نہیں ۔ معمور جبشی ، شیرینی اور رفع یدین وغیرہ جھگڑوں نے ان کو تباہ کر دیا ہے ۔"

احراری لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ذاتی ضمانت پر مولوی یوسف شاہ رہا کیے گئے انکی رہائی پر ان کے اعزاز میں استقبالیہ جلسے منعقد کیے گئے ۔ ایسے جلسے منعقد کرانے میں مولوی غلام نبی اور عبدالسلام دلاّل پیش پیش تھے ۔ مولوی یوسف شاہ کو جیل سے رہائی پر ایک ہیرو کے طور پر ان کے حامی انہیں عوام سے متعارف کراتے تھے ۔ گویا وہ جیل سے قوم کے لیے آزادی کا پروانہ لے کر آگئے تھے ۔ مَردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی ان کے استقبال میں سرگرم تھیں ۔ خواتین کے جلسے جلوس کو جان دید جسے جانہ گُندہ بھی کہتے تھے ، منظم کرتی تھی ۔ سرینگر کے ایک نامور گویّے عزیز بہاری نے مولوی صاحب کے بارے میں طنزاً کہا " جانہ گنڈہ مُوکلوو یوسف شاہ ۔"

مولوی صاحب کو گرفتار کرکے جب جموں لے جایا گیا تو شیخ صاحب رہا کرکے سرینگر لائے گئے راستے میں ان دونوں کی ملاقات ہوئی ۔ شیخ صاحب کی طرف سے مولوی یوسف شاہ کو بستر ، تولیہ ، صابن وغیرہ دینے کا چرچا ہوا ، البتہ جب مولوی صاحب رہا ہوکر آئے اور ان کے اعزاز میں جلسے منعقد ہوئے تو ان جلسوں میں یہ آواز بلند کہا جانے لگا ۔

" بستر ٹڑ ، تولیہ ٹڑ ، صابن ٹڑ ، یعنی سورُوئے ٹڑ ۔"

میرواعظ مولوی ہمدانی کے بارے میں بھی طرح طرح کی افواہیں پھیلائی گئیں ، انھوں نے اپنی طرف سے ایک پوسٹر چھپوایا جو ان کا تردیدی بیان تھا ۔

میرواعظ ہمدانی کا پیغام مسلمانانِ کشمیر کے نام

" برادرانِ اسلام ! ۔۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ !

آپ کو معلوم ہے کہ میرے برخلاف اور مولوی یوسف شاہ کے برخلاف گورنمنٹ کشمیر نے زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری کارروائی کی ، میں نے ضمانت داخل کردی ، اور مولوی یوسف شاہ نے انکار کردیا ۔ میں اس وقت نفسِ مقدمہ پر بحث کرنا نہیں چاہتا میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بعض لوگ اصل معاملہ نہیں سمجھتے اگر اس کارروائی میں کسی طرح مذہبی توہین یا مداخلت ہوتی تو خدا کی قسم میں سب سے پہلے قیدخانہ قبول کرتا اور مذہب کے لیے مجھے پھانسی پر لٹکانا بھی منظور تھا ۔ مگر مسلمانو ! ذرا عقل سے کام لو سوال صرف اس قدر تھا کہ فریقین کی پارٹیوں میں فساد نہ ہو ۔ پس فساد کو روکنا قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ کی رُو سے بھی اشد ضروری ہے ، پس اگر فساد کو بند کرنے کے لیے میرے یا مولوی یوسف شاہ کے نام نوٹس آیا تو اس کے مقابلے میں واقعات کی بنا پر ہمارے لیے ہائی کورٹ تک چارہ جوئی کا دروازہ کھلا ہے ۔ کیونکہ یہ سوال شخصیتوں کی ذات کے متعلق ہے نہ کہ مذہبِ اسلام . . . . مذہبی سوال بنا کر مجھ کو اور میری جماعت کو بدنام کرنا دشمنانانِ اسلام کا مکروہ پروپیگنڈہ ہے ۔، نوٹس جاری کرنا مداخلت فی الدین ہے ۔ بلکہ دشمنان اسلام نے سازش کرکے یہ بہانا بنایا ہے کہ مسلمانوں کے ٹکڑے ہو جائیں ۔ پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ مثل دیکھیں حالات معلوم کریں بے فائدہ شور مچا کر عوام کو نقصان نہ پہنچائیں . . . . . میں ثابت کردں گا کہ موجودہ کارروائی زیر دفعہ ۱۰۷ نہ مداخلتِ فی الدین تھی نہ مذہبی توہین تھی اگر کوئی ثابت کرے گا تو میں ایک تو پانچ سو روپے بطور تاوان ادا کروں گا ثانیاً میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر اعلان کرتا ہوں کہ اپنی ضمانت اور مچلکے کو منسوخ کرا کر جیل چلا جاؤں گا . . .

میرواعظ احمد اللہ ہمدانی

مرقوم ۲۷راپریل ۱۹۳۳ء

الزامات اور جوابی الزامات نے فساد کی صورت اختیار کرلی ، اس سلسلے کے ایک اجتماع میں چھتہ بل کے پاس تقریروں کے دوران "زبکہ اور کوٹہ" کے درمیان فساد بھڑک اٹھا یہ فساد دُور دُور

پھیل گیا ۔ نعلبند پورہ میں محمد خلیل وانی زدوکوب میں بُری طرح مجروح ہونے کے بعد انتقال کر گیا ۔ لوی پارٹی نے اُسے اپنی پارٹی کا رُکن جتا کر اُسے شہید کا درجہ دیا جبکہ شیر پارٹی نے اُسے اپنا حامی ہونے دعویٰ کیا ۔ اس پر کافی لے دے ہوئی اور لاش کو حاصل کرنے کے لیے دونوں پارٹیوں میں تصادم ہوا ن تصادم میں شیر پارٹی جیت گئی اور لاش کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی ۔ البتہ حکومت کی مداخلت لاش کو جمالٹہ میں روکے رکھا گیا ۔ مسلم رہنماؤں اور مسلم کارندوں کے درمیان بحث و مباحثہ کے شام کے قریب میّت کو خانقاہِ معلیٰ پہنچا کر سپردِ خاک کیا گیا ۔

میّت کو دفنانے کے بعد اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے مولوی یوسف شاہ ساتھ حکومت کی خوب خبر لی ، شہر میں شیر بکرا فساد کے پیشِ نظر مارشل لاء نافذ کیا گیا ۔ اور فوری طور ۱۹راپریل کا نفاذ عمل میں لایا گیا ۔ اخبارات کی اشاعت پر پابندی لگائی گئی جو بعد میں اخبار والوں کے اج پر اُٹھائی گئی ۔

شیخ عبداللہ ، مفتی ضیاء الدین ، غلام نبی گلکار اور بخشی غلام محمد کو حراست میں لیا گیا ، انکے تھ مولوی یوسف شاہ کی پارٹی سے بھی تین آدمیوں کو وزنِ شعر کے لیے گرفتار کر لیا گیا ۔ ورنہ حکومت ولوی یوسف شاہ کے ساتھ یا ان کی پارٹی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا حکومت رف سے اس پارٹی کے تئیں طرفداری کا کُھلم کھلا اظہار جلدی ہی مل گیا ۔

۱۷رجولائی کو حکومت کی طرف سے ایک حکمنامہ جاری ہوا جو حسبِ ذیل ہے :۔

" حضور مہاراجا بہادر نے منظور فرمایا کہ تعزیری چوکی چھ ماہ کے لیے ۱ساون سے مائیسمہ میں مقرر کی جائے جس کے اخراجات ایک ہزار آٹھ سو اٹھائیس روپے ہوں گے ۔ جو اُن اشخاص سے وصول ہوں گے جو نہ ہندو اور نہ سکھ اور نہ یوسف شاہی مسلمان ہوں گے ۔"

ہندوؤں ، سکھوں اور مولوی یوسف شاہی مسلمانوں کو چھوٹ دیکر مہاراجہ نے مولوی یوسف کے ساتھ UNDER STANDING کا اعتراف کر لیا ۔

مولوی یوسف شاہ کے حمایتیوں کو تعزیری ٹیکس سے مستثنیٰ رکھنے کی شانِ نزول یوں ہوئی تعزیری ٹیکس کی وصولی میں انتہائی سفاکی اور بے رحمی سے کام لیا جانے لگا اور کئی محلّوں رواعظ مولوی یوسف شاہ کی پارٹی کے افراد بھی اس زد میں آئے تو سرکردہ وفادارانِ سرکار ن پسند شہریوں نے اظہارِ ناراضگی شروع کیا ۔ ان ہی ایام میں مولوی صاحب کے سہ روزہ اخبار

"اسلام" سرینگر کی ادارت شری پریم ناتھ کنہ کے بجائے علامہ حسین میر کشمیری نے سنبھالی تھی۔ [illegible] لاہور کے کئی مشہور و ممتاز اخباروں میں کام کرچکے تھے، اور بہترین مقالہ نگاروں میں شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے تعزیری ٹیکس کی اندھا دھند وصولی کے خلاف زبردست اداریے لکھے اور حکومت یہ اعلان کرنے کے لیے مجبور ہوئی۔

کشمیری پنڈت، ہندو اور یوسف شاہی مسلمان جرمانوں اور تعزیری ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے۔ اس کے علاوہ وہ وفادار شہری جن کی شرافت اور نیک چلنی کی سفارش کمشنر پیش کرینگے وہ ٹکٹکی، تعزیری ٹیکس اور دیگر جرائم سے مبرا ہوں گے۔ پس کمشنروں میں کچھ وکیل، مولوی اور مفتی شامل تھے، جو حکومت نے نامزد کیے تھے۔ ان میں سے بعض حضرات نے اپنے اس "حکومت داد منصب" کو حصول آمدنی کے لیے استعمال کیا اور مظلوم و مجبور خلق خدا سے ایک ضرب بید معاف کرانے کے لیے ایک روپیہ حقِ خدمت مقرر کیا ــــ اور اپنے اس مشغلہ سے یہ ملا اور مفتیانِ کرام کافی روپے بٹورتے رہے۔

تعزیری ٹیکس کی وصولی کے لیے سب سے پہلے سرکاری احکام کی یہ نوعیت رہی کہ علاقہ خانیار سے ‎130/-‎ روپے، علاقہ زینہ کدل بھوری کدل و مہاراج گنج سے ‎600/-‎ روپے و باغ محلہ سے ‎50/-‎ روپے، محلہ راہ بابا صاحب سے ‎300/-‎ روپے، مائیسمہ سے ‎150/-‎ روپے، ڈب تل سے ‎125/-‎ روپے، خانقاہ معلّیٰ سے ‎130/-‎ روپے۔ اسی طرح کے حساب سے دوسرے متاثرہ علاقوں سے تعزیری ٹیکس وصول کیا گیا۔ اگر وصولی میں کسی آسامی سے کچھ توقف ہوتا تو اثاث البیت دریچے، چھت کے تختے، مستورات کے چرخے، کھانے پینے کے برتن وغیرہ نیلام کیے جاتے۔

اس بارے میں ایک واقعہ کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ دولت آباد خانیار کے عزیز مغل غریب تبر وار سے پولیس آفیسر عبدالکریم نے یہ ہدایت کی تھی کہ وہ امن کمشنر کسی مولوی یا مفتی سے "وفاداری" کی سرٹیفیکیٹ لائے تو اس گھر کے دروازے اور کھڑکیاں محفوظ رہ سکتی ہیں مگر اس شخص نے ایسا کرنے سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ "غدّارانِ قوم" کے پاس جانے سے بہتر یہی ہے کہ میرا یہ گھر نیلام کیا جائے"۔

۷ راگست کو شیخ صاحب اپنے دیگر ساتھیوں سمیت جیل سے رہا کیے گئے۔ ان کی رہائی پر شہر میں جگہ جگہ شادیانے منائے گئے۔ ۱۵ راگست کو ان کے اعزاز میں حضوری باغ میں جلسہ ہوا اس میں مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں اور سکھوں نے بھی جلسے میں شرکت کی، شیخ عبداللہ نے اپنی تقریر میں

[illegible] یوسف شاہ کو ہدفِ ملامت بنایا۔

۱۷ راگست کو میرواعظ مولوی یوسف شاہ سرائے بالا کے آستانہ عالیہ میں واعظ خوانی کے لیے [illegible] ابھی وہ واعظ شروع بھی نہیں کرنے پائے تھے کہ پتھراؤ شروع ہوگیا۔ [illegible] ملٹری اور پولیس نے فوری طور پر مولوی صاحب کو اپنے گھیرے میں باہر نکال لایا۔ دیکھتے ہی [illegible] ہری سنگھ ہائی اسٹریٹ، امیرا کدل اور مائیسمہ فسادات کی زد میں آگئے۔ مولوی یوسف شاہ [illegible] میوں کو بھاگتے دیکھ کر پہلی بار انہیں "بکراچے" کہہ کر ان کی تذلیل کی گئی۔ فسادات شہر [illegible] اندرونی علاقوں میں بھی پھیل گئے۔

اس طرح شہر سرینگر کے مسلمان باضابطہ دو حصّوں میں بٹ گئے۔

[illegible] لوٹ مار کے واقعات عام ہوئے "شیرا اور بکرا" زبان زدِ عام تھا ہی کہ اس میں حضرت علی [illegible] اللہ وجہہٗ کو شامل کر کے پست ذہنیت کا ثبوت دیا گیا۔

ایک دوسرے کی مار پیٹ اور لوٹ مار کے دوران مخالف جماعت کا فرد نظر آیا تو اس کو گھیرے [illegible] لے کر نعرہ لگایا جاتا "یا علی" اس کے جواب میں "ململی" پکارا جاتا اور اس کے ساتھ ہی گھیرے میں [illegible] شخص کے سر سے "ململی پگڑی" اُتار دی جاتی۔

اس حرکت کے لیے بدلے کی کاروائی میں جب کہیں دوسری پارٹی کے شخص کو پکڑا جاتا تو یکایک [illegible] کے گرد گھیرا ڈال کر نعرہ دیا جاتا "حیدری" اور جواب دینے والے کہتے "چادری" اور اس نعرے کے ساتھ ہی گھیرے میں لیے جانے والے شخص کے کندھے سے اونی یا سوتی جو بھی چادر اُتار دی جاتی تھی۔

ایک پارٹی کا شخص دوسری پارٹی کے محلے سے گزرتا تو اُسے کمرے میں بند کر کے ایک تو خوب [illegible] کیا جاتا تا دوسرا اُسے فاقہ رکھ کر ادھ مرا کیا جاتا، نیم بسمل ہونے کے بعد اسے رہا کیا جاتا۔

[illegible] شہر سرینگر میں "شیر بکرا" لڑائی نے ایسی صورت اختیار کرلی کہ خاوندوں نے بیویوں کو [illegible] اس لیے طلاق دیدی کہ اُن کے والدین شیخ عبداللہ یا مولوی یوسف شاہ کے معتقدوں میں سے [illegible] ہمارے یہ لیڈرانِ قوم ان باتوں کو اپنی فتح و نشان سمجھ کر فتنہ پروروں، فسادیوں اور کم [illegible] کو ان کے کالے کرتوتوں پر شاباشی دیتے تھے۔ ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے۔ دونوں لیڈرانِ [illegible] نے سانڈوں کو مسلمانوں کی پگڑیاں اُچھالنے چادریں اتارنے کے ساتھ ساتھ انھیں زدوکوب کی ترغیب دیتے تھے۔

شیخ عبداللہ تو بذاتِ خود اِسٹک ہاتھ میں لے کر مائیسمہ کے ڈرائیوروں کی قیادت کرتے ہوئے بکروں پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ شیر پارٹی نے تو بعد میں فسادیوں کی ایک ٹولی منظم کی جس کی کمانڈ بخشی غلام محمد کے سپرد کی گئی۔ فسادیوں کی ٹولی بنا کر انہیں مسلمانوں کو عبرت ناک سزائیں دینے کے لیے نہ صرف ڈنڈے فراہم کیے گئے بلکہ انھیں وردیاں بھی دی گئیں۔ اس 'فسادی ٹولی' کا نام "مائیسمہ رجمنٹ" رکھ دیا گیا۔

بقول چوہدری غلام عباس خان :-

"میر واعظ مولوی یوسف شاہ اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان شدید اختلافات رونما ہونا شروع ہو گئے۔ اختلافات کی یہ جنگ یقیناً مفادِ ملت کے خلاف تھی، دیکھا جائے تو اقتدار کی اس جنگ کے لیے یہ کوئی موزوں وقت نہ تھا۔ میر واعظ کو احساس ہو چلا تھا کہ عبداللہ اب ہماری خاندانی پوزیشن ملیامیٹ کر دے گا اور میر واعظوں کا قدیمی وقار و اعتبار ختم ہو جائے گا۔

ادھر شیخ عبداللہ جانتے تھے جب تک میر واعظ کا گھرانا سیاسی مذہبی اور قومی لحاظ سے سالم و ثابت ہے وہ کشمیر کا واحد لیڈر نہ بن سکے گا۔ اس بارے میں ابتدا کس نے کی یہ کہنا ذرا مشکل ہے۔ میر واعظ اپنے مخصوص مذہبی ماحول کی وجہ سے قید و بند کے لئے موزوں نہ تھے گو قید و بند کے معاملے شیخ عبداللہ بھی پھسڈی واقع ہوئے تھے جو چور دروازے کے ذریعے ہی سے جیل سے باہر آئے وہ وقت کی پکار، ضرورت اور مجبوری کے "محاسن" سے خوب واقف تھے۔"

شہر سرینگر کا "شیر بکرا" تناؤ شہر سے نکل کر دیہات اور قصبہ جات میں بھی پھیل گیا چونکہ دیہات اور قصبہ جات میں مولوی یوسف شاہ کے حامی بہت کم تعداد میں تھے اس لیے وہ شیر پارٹی کے مقابلے میں نہیں آسکتے، البتہ مولوی خاندان کے یہ حمایتی دیہات سے کسی کام کے لیے شہر آجاتے تو شیروں کے ہاتھوں ضرور پٹ جاتے۔ اس طرح کی حرکات سے وہ شیرِ کشمیر کے شیدائی بھی شیروں کے ہاتھ مار پیٹ سے بچ نہ سکے جو داڑھی کے ساتھ سر پر دستار اور کندھے پہ چادر رکھ کر شہر آجاتے تھے۔

مسلم رہنماؤں کے یہ سیاہ کارنامے جن سے مسلمان شرمسار تھے۔ غیر مسلموں کے ساتھ ڈوگرہ حکومت اس کا خوب حظ اُٹھا رہی تھی۔

سرفروشی کی تمنّا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

ڈوگرہ راج کے خلاف سِوِل نافرمانی کی تحریک

شہر میں "شیر بکرا" فسادات نے شدّت اختیار کر لی اور اس کے کارن جب کئی دُکانیں اور گھرانے لٹ گئے اور بہت سے لوگ زخمی ہو گئے تو حکومت حرکت میں آگئی۔ خلیل وانی کی موت پر جب طرفین میں باضابطہ جنگ شروع ہو گئی تو حالات پر قابو پانے کے لیے حکومت نے شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کرانے کا اعلان کیا۔ حالانکہ دفعہ ۱۹ ایل پہلے ہی نافذ کر دیا گیا تھا۔

لوگوں کو منتشر کرنے کے لیے حکومت نے طاقت کا بھرپور استعمال کیا تو مسلم رہنماؤں نے حکومت کی اس کارروائی کے خلاف سخت احتجاج کیا۔

احتجاجی جلسہ منعقد کرانے کے لیے لوگوں کو خانقاہ معلیٰ میں جمع ہونے کی منادی کرائی گئی، خانقاہ معلیٰ کے جلسے میں شیخ محمد عبداللہ نے غلام نبی گلکار، بخشی غلام محمد اور پیر افضل مخدومی کی موجودگی میں عوام سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔

"میں گرفتار ہو رہا ہوں میری گرفتاری کے بعد تحریک کو جاری رکھا جائے۔"

اس کے ساتھ ہی انھوں نے عوام سے رخصت مانگی۔ لوگ سخت جذباتی ہو گئے۔ انھوں نے شیخ صاحب کے ساتھ جیل جانے کی پیش کش کی — ایک افراتفری مچ گئی۔

لوگ مظاہرہ کرنے لگے۔ اسی دوران ملٹری نے علاقہ کو گھیر لیا۔ شیخ عبداللہ نے اسٹیج سے اُتر کر اپنے آپ کو پولیس کے حوالہ کیا۔ زینہ کدل کے پاس گورنر اور اسسٹنٹ ریذیڈنٹ ان کا انتظار کر رہے تھے۔

شیخ صاحب کی گرفتاری نے جلتی پر تیل کا کام کیا، جلسے اور جلوس شروع ہو گئے، بخشی غلام محمد کی میّت میں لوگوں نے دفعہ ۱۴۴ کی دھجیاں اڑا دیں، تو ہٹہ اور مائیسمہ میں ہجوم نے پولیس پر پتھراؤ کیا جس کے بعد میں گولیاں چلائی گئیں، کئی آدمی شدید زخمی ہوئے۔ اگلے روز مردوں کی دیکھا دیکھی عورتوں

اور بچوں کے جلوس بھی نکلے۔ ایک بڑا جلوس امیراکدل میں جمع ہوگیا۔ خانقاہ معلّی میں لوگ جمع ہوکر جلوس کی صورت میں نکلے تو اس جلوس کے آگے آگے سبز پرچم لہرا کر ایک نئی روایت کی ابتدا کی گئی، خواجہ غلام محی الدین ٹنکی سبز پرچم ہاتھ میں لیے ہوئے تھے، جی، ایم ڈار پاپولر موٹر کمپنی اور خواجہ غلام احمد خاں (ڈائریکٹر فوڈ کنٹرول) ان کے دائیں اور بائیں ہاتھ کھڑا کر کے لوگوں میں جوش اور جذبہ پیدا کر رہے تھے۔

جلوس کی قیادت عبدالغنی دلنہ، صوفی محمد اکبر، آغا مرتضیٰ جلالی، سید محمد امین، خواجہ سیف الدین گنائی، غلام محی الدین ہمدانی، ایم اے صابر، پیر ضیاء الدین، منشی امیرالدین، شیخ محمد اکبر، پیر حسام الدین گیلانی، منشی عبدالعزیز، محمد مقبول وانی، غلام حیدر خاں، مختار احمد، عبدالکبیر خاں، محمد یوسف کونٹل، ماسٹر ولی محمد ملک، غلام محمد حکین اور حکیم عبدالحیٔ کے ساتھ اور بھی بہت سارے کارکن کر رہے تھے۔

اس جلوس کو دیکھنے کے لیے نیڈوز ہوٹل روڈ، ڈلگیٹ اور سونوار میں لوگ کثیر تعداد میں جمع ہوگئے تھے۔ جلوس اتنا بڑا اور منظم تھا کہ چند میل کا فاصلہ اسے کئی گھنٹوں میں طے کرنا پڑا، اس جلوس کے انتظار میں دور دراز کے لوگ رات بھر سڑکوں پر پڑے رہے۔

امیراکدل پر سخت پہرہ بٹھا دیا گیا تھا۔ سارا شہر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ لوگ بڑی بڑی سڑکوں اور ناکوں پر پکٹنگ کر رہے تھے۔ سونوار، درگجن، ریذیڈنسی روڈ پر آنے جانے والے پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین اور بچوں کو بھی زدوکوب کیا گیا۔ جگہ جگہ گینگ کی گئی اور ٹکٹکی لگائی گئی۔ اس جور و ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے مولوی عبداللہ وکیل اور سعدالدین شال نے اعلان کرایا کہ لوگ خانقاہ معلّی میں جمع ہو جائیں۔

یہاں پر ایک عظیم الشان جلسہ ہوا مقررین نے بڑی جوشیلی تقریریں کیں، بخشی غلام محمد نے دس ہزار والنٹیئر بھرتی کرنے کی تجویز پیش کی جن کے لیے وردی کا انتظام کرانے کا سجھاؤ دیا گیا۔

اگلے روز میٹنگ میں تحریک کے لیے چندہ جمع کرنے اور والنٹیئروں کے لیے مختلف مقامات پر حکومت کے خلاف آوازیں بلند کر کے گرفتاریاں دینے کا فیصلہ لیا گیا۔

سول نافرمانی کی تحریک کو جیل بھرو تحریک کا بھی نام دیا گیا۔

والنٹیئروں کے لیے وردی کا انتظام احراری لیڈروں نے اپنے ذمّے لے لیا۔

سول نافرمانی کی اس تحریک کی پشت پر بھی احراری لیڈر تھے۔

سرینگر کے علاوہ جب یہ تحریک قصبات میں بھی پھیل گئی تو حکومت میں ایک لرزہ سا طاری

ہوگیا۔ اسی دوران خبر آئی، ہندواڑہ، بارہمولہ، سوپور، اسلام آباد اور گاندربل میں شورش نے شدّت اختیار کر لی۔ گورنر نے مولوی عبداللہ وکیل، غلام احمد عشائی، سعدالدین شال اور میر مقبول کو بلا کر ان سے شورش روکنے میں مدد مانگی اور اس کے عوض نظربندوں کی رہائی کا انہیں یقین دلایا گیا ــــ واپسی پر انھوں نے لوگوں میں خانقاہ معلّی میں جمع ہونے کے لیے اعلان کرایا، جب کافی لوگ جمع ہوگئے تو انھوں نے گورنر کے ساتھ بات چیت کے بارے میں عوام کو آگاہ کیا اور اس کے ساتھ ہی ان لیڈروں نے تحریک کو جاری رکھنے کا مکرّر اعلان کیا۔

۶ جون ۱۹۳۳ء کو رات کے وقت توپ چلی، آواز سُن کر لوگ ششدر رہ گئے اور اکثر لوگ اُٹھ کر کھڑکیوں اور چھتوں سے دیکھنے لگے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟

اسی دوران کئی لوگوں نے چھتوں پر چڑھ کر حکومت کے خلاف نعرے لگائے، اس طرح اس قسم کے مظاہروں کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔

ریشم خانہ کے مزدور لیڈر کی گرفتاری پر ریشم خانہ میں ہڑتال ہوئی۔ چنانچہ مزدوروں کو تحریک میں شامل ہونے کے لیے ریشم خانہ کے گیٹ پر بارہ بارہ کبن لگائے گئے۔

دن بھر جلسے جلوس اور رات کو چھتوں پر چڑھ کر حکومت کے خلاف نعرے لگانے کا سلسلہ جاری تھا کہ ۹ جون ۱۹۳۳ء کو خانقاہ معلّی میں ۲۴ ڈکٹیٹروں نے ایک ایک کر کے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا، ان میں سے سات ڈکٹیٹر وردی پہن کر آئے تھے۔ بڑے پیمانے پر گرفتاری دینے والے ان جوانوں کی قیادت صدرالدین بچھ کر رہے تھے۔ اسی روز ان کا نام مجاہد پڑ گیا۔ گرفتاری سے قبل ان نوجوانوں میں چند ایک نے بڑی جوشیلی تقریریں کیں۔ اسی روز باضابطہ طور پر سول نافرمانی کی تحریک کے ساتھ جیل بھرو تحریک شروع ہوگئی۔

اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے والے گینگ کھانے والے اور بید زنی کا شکار ہونے والے والنٹیئر جنہیں ڈکٹیٹر بھی کہا جاتا تھا تحریک میں نئی جان ڈالنے کے موجب بن گئے۔

وادیٔ کشمیر کے ساتھ ساتھ جموں میں بھی یہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہاں عبدالمجید قرشی اور محمد امین نے حکومت کے خلاف آواز بلند کر کے اپنے آپ کو گرفتار کروایا۔ گرفتاریوں کے سلسلے میں ملک شیر محمد خاں، سرفراز خان، مولوی محمد مقبول سیالکھوی، میجر محمد خاں صاحب، سید ولایت حسین، فتح محمد، فقیر سالک ہمدانی، قلندر شاہ، دین محمد، محمد اسماعیل ساغر، شوکت علی چوہدری، عبداللہ خاں بھلی، فقیر علی وغیرہ پیش پیش تھے۔

وادی میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے والے والنٹیئروں میں صدرالدین بچھ، غلام نبی

رفیقی، محمد سکندر خان، غلام نبی وانی، محمد امین فاروقی، نورالدین بانڈے، محمد امین قریشی، مفتی قوام الدین، عبدالغنی ترالی، محمد اسماعیل اور ثناء اللہ ڈار نے اگرچہ ابتدا کی لیکن یہ ایک ایسا سلسلہ بن گیا جو مدتوں تک جاری رہا۔ سول نافرمانی کی اس تحریک کے ساتھ ساتھ مولوی یوسف شاہ اور شیخ عبداللہ کے درمیان اختلافات کی خلیج بھی بڑھ گئی دونوں لیڈر دو مختلف لائنوں پر چلنے لگے، شیخ عبداللہ کے حامی والنٹیروں کی دیکھا دیکھی مولوی یوسف شاہ نے بھی والنٹیروں کی پلٹن ترتیب دی۔ انھوں نے اپنی پارٹی کا نام آزاد پارٹی رکھدیا۔

۱۴ر جون کو صفاکدل میں خالق حجام نے رات کو چھت پر چڑھ کر نعرہ بلند کیا، گشت پر لگے سپاہی اسی وقت ان کا دروازہ توڑ کر اندر آئے اور انہیں باہر نکال لائے پہلے اسے خوب زد و کوب کیا پھر اسے پل سے دریا میں پھینک دیا۔ دوسرے روز جب اس کی لاش دریا میں تیرتی دکھائی دی تو علاقہ میں سراسیمگی پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق خانقاہ معلیٰ میں جمع ہوگئے۔ لاش کو حاصل کرنے کے لیے ایک ہنگامی میٹنگ بلائی گئی۔ علی گوہر خاں کی مداخلت سے لاش ہسپتال پہنچائی گئی، انسپکٹر جنرل پیل نے ورکنگ کمیٹی کے وفد کو بلواکر انہیں متنبہ کیا کہ وہ کسی قسم کا فساد برپا نہ کریں۔ اس موقع پر شیخ عبدالحمید نے مسٹر پیل سے گاندربل کا پولیس آفیسر ہٹانے کو کہا جن کے بارے میں شکایت تھی کہ انھوں نے گاندربل میں مظاہرین پر اپنے حکم سے گولی چلوائی تھی۔ گاندربل کی اس واردات کی پاداش میں وہاں کے تھانیدار اور تحصیلدار کو معطل کیا گیا۔ مسٹر پیل کا خیال تھا ایسا کرنے سے شورش دب جائے گی۔ لیکن اگلے روز مولانا محمد سعید مسعودی اور میر غلام حسن قادری نے خانقاہ معلیٰ میں تقریر کرتے ہوئے حکومت کو وارننگ دی کہ اگر شیخ عبداللہ کو فوری طور پر رہا نہ کیا گیا تو ہم گرفتاریوں کا سلسلہ پھر شروع کریں گے۔

اس وارننگ نے انسپکٹر جنرل مسٹر پیل کے ہوش اُڑا دیئے، انھوں نے حکومت سے شیخ عبداللہ کی رہائی کی سفارش کی لیکن جب حکومت نے کوئی ایکشن نہیں لیا تو مختلف مقامات پر ہاتھ سے لکھے گئے پوسٹر چسپاں کر کے حکومت کو متنبہ کیا گیا۔ ان پوسٹروں میں دوکانداروں سے ہڑتال کرنے کو کہا گیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام دوکانیں بند ہوگئیں، صرف ہندوؤں کی دکانیں کھلی رہیں جن میں سے چند ایک دکانیں بلوائیوں نے لوٹ لیں۔

عبدالعزیز نامی ایک نوجوان کفن پہنکر اسٹیج پر آیا اور اپنے آپ کو گرفتار کروایا اس نوجوان کی تقریر اتنی پُر اثر تھی کہ حاضرین رونے لگے۔

ورکنگ کمیٹی کی ہدایت پر محلہ وار کمیٹیاں بنائی گئیں۔

ایک برطانوی لیڈی ندر سول کو مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی جتانے پر ملک بدر کیا گیا۔ مولوی یوسف شاہ پر دوران وعظ جامع مسجد میں ہوٹنگ کی گئی تو وہ سخت طیش میں آگئے۔ ان سے ہمدردی جتانے کے لیے چند مسلم رہنماؤں کے ساتھ جیا لال کلم، کیشپ بندھو، تاراچند ترسل اور نندلال کول ان کے ہاں آگئے۔ یہاں مشترکہ کئی قراردیں پاس کی گئیں اور یہ قراردادیں ہرگوپال کے ذریعے حکومت تک پہنچائی گئیں، ایک قرارداد میں مولوی یوسف شاہ کی بے حرمتی کرنے پر سخت ترین الفاظ میں مذمت کی گئی۔

نواکدل اور صفاکدل میں غیر مسلموں کو جو لوٹ کا نشکار بنایا گیا تھا۔ اس کے ذمہ دار افراد کی گرفتاری کا مطالبہ کیا گیا۔

مفتی قوام الدین نے جامع مسجد میں ان مطالبات کو دُہرا کر حکومت کو وارننگ دی تو اس کے جواب میں شیخ عبدالحمید نے مولوی یوسف شاہ پر حکومت کے ساتھ سازش میں شریک ہونے کا الزام لگایا۔

مولوی یوسف شاہ کے حکومت کا آلہ کار ہونے کا ثبوت اُن کے اخبار "اسلام" کے اجراء سے ملا، کسی اخبار کے اجراء کے لیے عام طور پر جو لوازمات پورا کرنے ہوتے ہیں ان میں برسوں نہیں تو مہینوں ضرور لگ جاتے تھے، اور اس کے لیے باضابطہ طور پر ضمانت ادا کرنی پڑتی تھی۔ لیکن ادھر مولوی صاحب نے درخواست دی اور ادھر اخبار کا ڈیکلریشن اجراء ہوا۔

"اخبار اسلام" کے فوراً بعد شیخ عبدالحمید قائمقام صدر مسلم کانفرنس نے ایک پمفلٹ نکالا جس میں شیخ عبداللہ کی رہائی سے متعلق جدوجہد کرنے کا ٹائم ٹیبل اُجاگر کیا۔ ۷ر اگست ۱۹۳۳ء کو شیخ عبداللہ، بخشی غلام محمد، مفتی ضیاء الدین، غلام محی الدین بیہقی مولوی غلام نبی، منشی اسد اللہ وکیل وغیرہ رہا کیے گئے۔

مولوی غلام نبی اور اسد اللہ وکیل کے بغیر باقی قیدیوں کو گاڑی میں بٹھا کر بچھوارہ کے ایک بنگلے میں لایا گیا۔ یہاں ان کے آمد کی اطلاع پھیلتے ہی سینکڑوں کی تعداد میں مرد، عورتیں بوڑھے اور بچے جوق در جوق آنے لگے۔

مفتی ضیاء الدین نے حاضرین کو خانقاہ معلیٰ میں جمع ہونے کے لیے کہا بعد میں ان سبھی رہا شدہ قیدیوں کو ایک جلوس کی صورت میں خانقاہ معلیٰ کی طرف لایا گیا۔ جلوس کے لیے گورنر نے پہلے ہی روٹ مقرر کیا لیکن یہ روٹ بعض من چلے جوانوں نے نامنظور کیا، چنانچہ مہاراج گنج پہنچتے ہی لوگوں نے

ستیہ گرہ شروع کی، یہاں پر غلام گیلانی نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔

بخشی غلام محمد نے دھمکی دی، ہم تب تک یہیں رہیں گے جب تک ہمیں اپنی مرضی کے روٹ پر چلنے کی اجازت نہیں ملتی، حکومت نے اس دھمکی کا سخت نوٹس لیا۔

جلوس پر ملٹری نے ڈنڈے برسائے ایک بھگدڑ سی مچ گئی، اس بھگدڑ میں ملٹری جن افراد کو پکڑ کر لے گئی ان میں سے ریکارڈ میں یہ نام دستیاب ہو سکے ہیں۔

میر مقبول گیلانی، خواجہ ثناء اللہ، چوہدری محمد شفیع، شیخ غلام علی، پیر مقبول شاہ، مفتی جلال الدین، پیر محمد افضل، عبدالرحیم، حسام الدین بانڈے، منشی امیر الدین، غلام رسول عارف، [illegible] اللہ، محمد امین محی الدین (نور) محمد یوسف، غلام احمد بٹ، منشی عبدالعزیز، پیر حسام الدین گیلانی، شیخ غلام محی الدین، چودھری عبداللہ خان، پیر ضیاء الدین، منشی غلام محمد خادم، عبدالعزیز شال، سید محمد امین، محمد مقبول گکرو۔ عبدالرحمان طوری، سید محمد مقبول بیہقی، نذیر احمد، شیخ محمد اکبر، شیخ محمد امین، عزیز کشمیری، غلام احمد خان زرو، مولوی عبداللہ شاہ، غلام رسول خاں، علی محمد طارق غلام احمد وانی، عبدالرزاق کنگ، محمد رجب، محمد یوسف، احمد اللہ شہدار، خواجہ علی محمد ہٹو، محمد سلطان لکڑی فروش۔ محمد سبحان بٹ، نور محمد (بک سیلر) شیخ عبدالصمد، ولی محمد وانی، حبیب اللہ زرگر اور عبدالرحمان اسٹور وغیرہ۔

ان اصحاب میں سے کئی جلدی ہی چھوڑ دیئے گئے البتہ بیشتر کو مختلف جیلوں میں بند کر دیا گیا۔

وادی کے ساتھ ساتھ جموں، راجوری اور پونچھ میں بھی گرفتاریوں کے ساتھ ساتھ جور و ظلم کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اس دوران حکومت کے عتاب کے جو لوگ شکار ہوئے ان میں مرزا منیر حسین، مولانا عبدالعزیز، آغا شبیر نواب، سردار خادم حسین، محمد رشید مرزا، محمد رفیق مرزا، محمد یعقوب درانی، چوہدری سلطان علی، چودھری نیاز احمد، عطاء اللہ خان، چودھری صحبت علی، نورالدین صحاف، مرزا فقیر محمد، راجہ کریم اللہ، عبدالمجید دائیں، سید حسن نقوی، مرزا مولاداد اور سردار فیض علی قابلِ ذکر ہیں۔

مولوی یوسف شاہ نے اسی دوران اپنے اخبار "اسلام" میں شیر پارٹی کے خلاف مضامین لکھ کر ایک زوردار مہم شروع کی۔ اس اخبار کے کئی اقتباسات پر دیگر مسلم رہنماؤں نے سخت اعتراض کیا چنانچہ مفتی ضیاء الدین نے مولوی یوسف شاہ کے پاس جا کر شکایت کی اور ان سے تحریک کی کامیابی کی خاطر شیخ عبداللہ کے ساتھ صُلح کرنے کا مشورہ دیا۔

مولوی یوسف شاہ نے اس سلسلے میں اپنی پارٹی سے مشورہ کرنے کی مہلت مانگی، اگلے روز

جب مفتی ضیاء الدین ان سے ملنے آئے تو انھوں نے ۸ صفحات پر مشتمل ایک چٹھی ان کے حوالے کر دی جس میں صُلح صفائی کے لیے شرائط درج تھیں۔ شیخ صاحب نے اس چٹھی کو پڑھ کر ورکنگ کمیٹی کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ بھی اس پر غور کر سکیں۔ چونکہ ان شرائط میں مولوی عبداللہ گروپ کو تنظیم سے نکالنے کی بھی شرط تھی، اس لیے اسے قابلِ غور نہ سمجھ کر معاملے کو ملتوی رکھا گیا۔

سیّد مبارک علی شاہین نے اپنے اخبار "مظلوم کشمیر" کے ذریعے مسلم اتحاد کے لیے نہ صرف زوردار آرٹیکل لکھے بلکہ مسلم رہنماؤں کو متحد ہو کر ڈوگرہ شاہی سے ٹکر لینے کے لیے اُکسایا۔ سیّد مبارک شاہین اخبار "مظلوم کشمیر" کی ادارت کرنے کے ساتھ ساتھ کشمیر کے مظلومین کے لیے ڈوگرہ راج سے خود بھی برسرِ پیکار تھے۔



جامع مسجد سرینگر

جہاں سے تحریکِ حرّیت کا آغاز کیا گیا

ہڑتال ہے فساد ہے کرفیو ہے بندھ ہے
کیا کیا ہیں میرے ہجر کے اسباب شہر میں

بخشی غلام محمّد کی والنٹیر فورس، ڈکٹیٹروں کی گرفتاریاں

بخشی غلام محمد کی قیادت میں ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو دو ہزار والنٹیروں پر مشتمل ایک ورس نے شہر کی بڑی بڑی سڑکوں پر مارچ پاسٹ کیا، اس جلوس کو احراری لیڈر تاج الدین احمد نے نظم کیا اور والنٹیروں کی وردیاں احراریوں نے ہی فراہم کی تھیں، اس جلوس کے آگے آگے گھوڑے سوار محمد مقبول حکاک سبز پرچم ہاتھ میں لیے ہوئے تھا۔ والنٹیر مختلف رنگوں کی وردیوں میں لبوس تھے۔



بخشی غلام محمد

یہ والنٹیر فورس پتھر مسجد سے امیراکدل، اور اپس براستہ مزار شہداء، نوہٹہ، زینہ کدل، مہاراج ج، بلبل لنکر، صفاکدل اور واپس براستہ عالی کدل گرٹی محلہ پتھر مسجد میں شام کو اختتام پذیر ہوا۔

ایسا ہی ایک اور جلوس اگلے ماہ نکالا گیا۔ اس لوس کی قیادت بخشی غلام محمد خود کر رہے تھے جلوس ے آگے آگے سائیکل سوار اور ان کے پیچھے گھڑسوار ھے، سب سے آگے بینڈ باجہ تھا۔ والنٹیر مختلف رنگوں ی وردیوں میں ملبوس تحریکِ حرّیت کی نظمیں پڑھتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

جلوس کے اختتام پر رات کو شہر کے مختلف علاقوں میں چھاپے مار کر جن اصحاب کو گرفتار لیا گیا۔ ان میں راجہ محمد اکبر خان، مرزا محمد افضل بیگ، غلام محی الدین قرّہ، غلام حسین کرمانی شفیع صرّاف، میر غلام نبی، جلال الدین قریشی، ڈاکٹر ہارون رشید، غلام رسول لاوے، دالسلام بیتو، مولوی عبداللہ شوپیانی، مفتی ضیاءالدین، سید مبارک شاہ اندرابی، سید

محی الدین قریشی، سید خادم حسین، غلام محی الدّین (رہبر) پیرزادہ طیوب شاہ، جبل بابا، حاجی غلام نبی، غلام قادر مصالحہ، خواجہ محمد سلطان وانی، عبدالغفار چاپری، محمد اسحاق، عبدالسلام ملرالبحر محمد عبداللہ لون، غلام محمد رفیق، ماسٹر کھانڈے خان، مولوی بشیر، علی محمد طارق، عبدالغفار، غلام احمد صوفی، غلام حسن خان، محمد عبداللہ ذیلدار، مرزا غلام قادر بیگ، عبدالکبیر خان، شیخ محمد اکبر، شیخ عبدالصمد، سیّد عبدالغفور، عبدالرحیم، پیر افضل مخدومی، عبدالرحیم ڈار، ڈاکٹر عبدالولحد، آغا مرتضیٰ جلالی، شیخ غلام محی الدین، احمد شاہ فاضلی، اور غلام محمد زندہ دل وغیرہ۔

جنوری ۱۹۳۴ء کے پہلے ہفتے میں پولیس آفیسر حکیم حبیب اللہ بی اے کو اے ایس پی کے عہدے سے تنزل کر کے انہیں انسپکٹر کے عہدے پر لایا گیا۔ ان کے تنزلِ عہدہ پر وادی بھر میں احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ سرینگر میں حکومت کی اس کارروائی کے خلاف ہڑتال ہوئی۔ تحریک کے حمایتی اخبارات نے حکیم حبیب اللہ کے تنزّلی عہدہ پر نہ صرف احتجاجی مراسلے شائع کیے، بلکہ اخبار "صداقت" نے اپنے ہفتہ وار اخبار کا ایک ضمیمہ بھی نکالا جس میں حکیم حبیب اللہ اے ایس پی کی عہدے سے تنزّلی پر ڈوگرہ حکمرانوں کا کچّا چٹھا نکال دیا۔ اور اسے مسلم دشمنی کے ساتھ تعبیر کیا۔

جنوری ۱۹۳۴ء کو مولوی محمد یوسف شاہ پنجاب کے لیے روانہ ہوگئے ان کے پنجاب جانے کی مختلف تاویلیں کی گئیں اور کئی افواہیں پھیلائی گئیں۔ اسی دوران خانقاہِ معلیٰ کے صحن میں ایک عظیم الشّان پبلک جلسہ منعقد کرانے کی اطلاع عام کرائی گئی۔

والنیٹر وردیاں پہن کر اور بستر وغیرہ ساتھ لیکر جلسے میں حاضر ہوئے تاکہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر سکیں، اس روز خانقاہ معلیٰ اور اس کے آس پاس کوئی پچاس ہزار کے قریب لوگ یہاں جمع ہو گئے۔ اجتماع سے مولانا محمد سعید مسعودی نے خطاب فرمایا۔ ایک جوشیلی تقریر کے بعد انھوں نے مطالبات کا ایک چارٹر پڑھ کر سنایا، اس دوران بخشی غلام محمد، منشی نصیرالدین، صوفی محمد اکبر، غلام محمد صادق، اور غلام محی الدین ہمدانی اسسٹنٹ گورنر کے پاس اس میمورنڈم کی کاپی لے کر گئے تھے۔ اسسٹنٹ گورنر نے میمورنڈم پر غور کرنے کا یقین دلایا۔ واپسی پر اجتماع میں وفد نے اس یقین دہانی کا اعلان کیا۔

جلسہ کے اختتام پر حکومت نے مولوی محمد سعید، غلام مصطفیٰ، محی الدین اندرابی اور بیگ عبداللہ کو گرفتار کر لیا۔ اور کئی لوگوں کے نام گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے گئے۔ شہر میں ایک طلاطم بپا ہو گیا۔ دکانیں احتجاجی طور پر بند ہو گئیں۔

پانچ پانچ ڈکٹیٹروں کا گروپ نکل کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے لگا۔ پتھر مسجد کے ...س پولیس نے بچوں کے ایک گروپ پر حملہ کیا، دو بچے شدید زخمی ہو گئے پولیس کے ساتھ مڈبھیڑ ...ں پیر محمد مقبول اور محمد ایّوب صابر کو گرفتار کر لیا گیا۔ دونوں کو ایک جلوس کی صورت میں تھانہ پہنچایا ...یا۔ غلام محمد پنڈت، عبدالعزیز فاضلی مقید تھے۔ صدرالدین بچھ کو دوبارہ گرفتار کر کے جلاوطن کیا گیا۔ اس روز تقریباً چالیس ڈکٹیٹر گرفتار کر لیے گئے۔ ان ڈکٹیٹروں کی گرفتاری کا منظر دیکھنے ...ے لیے لوگ جمع ہوتے تو پولیس انھیں بھگا دیتی، وہ پھر جمع ہو جاتے اور یہ پھر انھیں بھگا دیتے اس ...رح دن بھر ایک ہنگامہ جاری رہا۔

صدرالدین بچھ کی گرفتاری کے دوران جب لوگ بھاگنے کے بجائے زمین پر لیٹ گئے تو پولیس ...ے دردی سے ان پر کوڑے برسانے لگی، کئی لوگوں کی حالت خراب ہو گئی، بخشی غلام محمد نے سامنے ...کر پولیس کو پیچھے ہٹا دیا۔ زینہ کدل، امیرا کدل، نوہٹہ، درگجن اور سونوار میں مظاہرین پر ٹکٹکی لگائی ...ی۔ خانقاہ معلیٰ میں پیرزادہ محمد شفیع نامی جوان نے کفن پہن کر تقریر کی، انھوں نے صدرالدین ...ی جلاوطنی پر زبردست احتجاج کیا اور حکومت کو فیصلہ واپس لینے کی وارننگ دی۔ انھوں نے ...تک ایجی ٹیشن جاری رکھنے کا عہد کیا جب تک ان کا مطالبہ پورا نہیں کیا جاتا۔ انھوں نے یہ دھمکی بھی ...ی کہ ہم اپنی آزاد اسمبلی لے کر ہی دم لیں گے۔ محمد شفیع کی گرفتاری پر ایک کالج اسٹوڈنٹ شیخ محی الدین ...زبردست پروٹسٹ کیا۔ اپنی تقریر میں انھوں نے ڈوگرہ حکومت کو زبردست دھمکی دی۔ انکی ...فتاری پر کئی مقامات پر بلوے ہوئے، شہر کو فوج کے حوالے کیا گیا (اسی شیخ محی الدین کو ۱۹۴۸ء میں شیخ ...عبداللہ نے اپنی وزارت میں انجمن اقوام متحدہ کے نمایندے ڈاکٹر فرینک گراہم کے ساتھ مسئلہ کشمیر ...ات چیت کرنے کی پاداش میں نہ صرف پولیس کے ہاتھوں زدوکوب کرایا بلکہ انھیں مدّتوں قید ...ں رکھ کر انہیں اذیت ناک سزا دلائی)

سینٹرل جیل میں جب محمد شفیع کے ۱۸ بید لگانے کی اطلاع لوگوں تک پہنچ گئی تو خانقاہ معلیٰ میں ...الدین نقاش نے حکومت کی اس حرکت پر انھیں لعنت ملامت کی اور اس ظالمانہ حرکت پر عوام ...ے احتجاج اور دوکانداروں سے ہڑتال کرنے کی اپیل کی۔ محی الدین نقاش کو موقع پر ہی گرفتار کر لیا ...۔ البتہ ان کی اپیل پر شہر میں ساری دوکانیں بند ہو گئیں۔ صرف پنڈت دوکانداروں اور مولوی ...سف شاہ کے حامی دوکانداروں نے ہڑتال میں حصّہ نہیں لیا، خواتین نے سیاہ جھنڈے ...کر جلوس نکالا۔

بخشی غلام محمد نے مائیسمہ میں تقریر کے دوران فرمایا:۔

"میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوئے ہیں، میں گرفتار ہو رہا ہوں لیکن تحریک زندہ رکھنا تمہارے ذمّے ہے۔"

بخشی صاحب کی تحریک کو زندہ رکھنے کی اپیل پر خانقاشوں نے علم شریف اٹھا کر ایک بڑا جلوس نکالا خواجہ سلام شاہ نے ان خانقاشوں کو ایسا کرنے سے منع کیا، لیکن انھوں نے ایک نہ سنی وہ علم شریف لے کر جلوس کی صورت میں فتحکدل پہنچ گئے۔

اسی روز شام کے قریب بخشی غلام محمد خانقاہ معلیٰ کے اسٹیج پر پھر نمودار ہو گئے۔ انھوں نے اجتماع کے سامنے پلوامہ میں لوگوں پر کیے گئے جور و ظلم کی داستان سنائی اور کہا۔

"بلّہ کاک در روز بہ وزارت نے سری کنٹھ پنڈت تحصیلدار پلوامہ کے ذریعہ مسلمانوں کو نماز جمعہ پڑھنے سے روک دیا ہے، مسلمانوں نے عیدگاہ میں نماز جمعہ پڑھنے کا عزم کیا تو پہلے ان پر لاٹھی چارج کیا گیا پھر گولی چلائی گئی جس سے کئی مسلمان شہید اور درجن کے قریب زخمی ہوئے ہیں۔ اس طرح سوپور اور ہندوارہ میں بھی ڈوگرہ فوجوں نے گولی چلائی، سوپور میں چار مسلمان اور ہندوارہ میں دس مسلمان شہید ہو گئے ہیں اسلام آباد سے ۳۴ مسلمانوں کو گرفتار کر کے سرینگر لایا گیا ہے۔"

بخشی صاحب کے ان انکشافات سے لوگ مشتعل ہو گئے دنگا فساد شروع ہوتے ہی فوج نے شہر کو گھیر لیا۔ میر غلام حسن گیلانی عرف میر کلو نے جوش میں آکر بڑی تند و تیز تقریر کر ڈالی البتہ انھوں نے لوگوں کو تشدد سے پرہیز کرنے کی تاکید کی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں فرمایا۔

"اپنے مطالبات منوانے کے لیے جدوجہد جاری رکھو، لیکن جلاوطنوں اور قیدیوں کی رہائی کا ہرگز مطالبہ نہ کرو۔"

میر کلو کی تقریر جاری تھی کہ بخشی غلام محمد نے پھر اسٹیج پر آکر فرمایا:

"لوگو! میں گرفتار ہو رہا ہوں لیکن آپ لوگ میرے پیچھے نہ آئیں بلکہ جلسہ کے اختتام پر پُر امن طور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ ہاں، جمعرات کے روز "کشمیر ڈے" اس طرح مناؤ کہ کوئی بھی فرد اپنے گھروں سے باہر نہ نکلے۔"

بخشی غلام محمد کو گرفتار کر کے جلاوطن کیا گیا۔ شہر میں شورش دبانے کے لیے والنٹیئروں کی شیر گڑھی کے پاس کیننگ کی گئی۔ احمد وانی بوچھوارہ، عمرا ؤ خان اور غلام محی الدین بیہقی حراست

...ں لے کر پھر چھوڑ دیئے گئے۔

شہر میں دفعہ ۱۴۴ جو پہلے ہی نافذ تھی اس کا مکرر اعلان کیا گیا۔ رات کو چھتوں پر نعرے ...ے کی پاداش میں ۳۵ کے قریب لوگ گرفتار کر لیے گئے۔

دفعہ ۱۴۴ کے خلاف خانقاہِ معلیٰ میں جلسہ بلایا گیا۔

پیر افضل مخدومی، عبدالغنی ترالی، محی الدین رہبر اور شیر گاندربلی نے تقریریں کیں تقریروں ...ے اختتام پر محمد سبحان بٹ (ڈائمنڈ موٹرس) نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا ان کے ساتھ ...چھ آدمی گرفتار ہوئے وہ کفن پہن کر آئے تھے۔

جمعہ کے روز پلوامہ میں مؤذن کو ذاتی عناد کی بنا پر محمد ملک ذیلدار نے گرفتار کروایا تو لوگ ...ت مشتعل ہو گئے، انھوں نے محمد ملک کو اتنا زدوکوب کیا کہ وہ جاں بحق ہو گیا۔ پولیس فوراً جائے ...ردات پر پہنچ گئی، پہلے مظاہرین پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ پھر گولیاں چلیں، ۲۸ آدمی موقع پر ہی ڈھیر ... گئے۔

سرینگر میں اگلے روز کنہ کدل کا نوجوان لڑکا اسداللہ ڈکٹیٹر بن کر نمودار ہوا اور حکومت کے خلاف ...ے لگا کر گرفتار ہو گیا۔ گرفتاری سے قبل اس لڑکے نے اجتماع کے سامنے پلوامہ کے حالات سنائے ...ال کے ہمراہ پلوامہ کا ایک شخص بھی تھا جس کے کندھے پر گولی لگی تھی اس شخص نے اپنے خون سے لت ...کپڑوں کی نمائش کی جس سے مجمع سخت مشتعل ہو گیا۔

اسداللہ کے دیکھا دیکھی احمد سعید قریشی سامنے آیا اس نے ایک پُر جوش تقریر کر ڈالی اور بجبہاڑہ ...م دیدہ حالات بیان کر دیئے۔ جہاں تین آدمی شہید ہوئے تھے۔ بجبہاڑہ کے ان واقعات نے اسلام ...یں کشیدگی پیدا کر دی تھی۔ لوگ اسلام آباد چوک میں جمع ہو گئے تو ملٹری کے ساتھ ان کی مڈبھیڑ ...تھی۔ یہاں مشتعل ہجوم نے ملٹری سے چھ بندوقیں چھین لی تھیں۔ فائرنگ سے چار آدمی شہید اور گیارہ ...د زخمی ہوئے تھے۔

سول نافرمانی کی اس تحریک میں گرفتاریوں کا سلسلہ جاری تھا، بعض ڈکٹیٹروں کو گرفتار کر کے ...کیننگ کر کے چھوڑ دیا جاتا، جن میں بیشتر دوبارہ سٹیج پر آکر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرتے ...میں جان ڈالنے کے لیے لوگوں میں ایک جنون پیدا ہو گیا تھا۔

ایک نومسلم شیخ محی الدین جب اسٹیج پر آیا اور قبولِ اسلام کے بعد اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے ...ر گیا تو نعرۂ تکبیر اللہ اکبر سے سارا ماحول گونج اٹھا۔

خانقاہ معلیٰ کے سٹیج سے باہر ایک شیعہ نوجوان احمد علی خطائی نے ڈوگرہ حکومت کو للکارا تو انھیں پکڑ کر ایک درجن کین لگائے گئے ہر کین کے ساتھ وہ یا علی مدد پکارتے رہے۔ احمد علی کی حالت دیکھ کر حکیم قاسم علی شہیلی ٹینگ نے اسٹیج سنبھال کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ اگلے روز کوئی بارہ ڈکٹیٹروں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا، ان کے نام محمد رجب چنگال بینگ عبداللہ، حکیم غلام قادر، محی الدین گیلانی، عبدالعزیز دمہ کلاشپورہ، عبدالحق، عبدالعزیز پانڈو، راجہ غلام محمد، حبیب اللہ بزرلہ، خواجہ محمد شعبان اسداللہ خانیاری ہیں۔ ان میں سائیں محمد دین گاؤکدل کو ان کی صحت کی بناء پر کین لگانے سے پرہیز کیا گیا لیکن انھوں نے نعرے لگا کر سپاہی کو کین لگانے کی دعوت دی۔

دوسرے روز جمعہ کو غلام محمد گلکار جنہیں گرفتار کر کے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اجتماع کے سامنے اعلان کیا آج جہاد کا اعلان ہونے والا تھا لیکن مجھے ابھی ابھی وار کونسل سے اطلاع ملی کہ فی الحال جہاد کا پروگرام ملتوی کیا گیا ہے۔ لہٰذا سُرخ جھنڈے اتار کر سیاہ جھنڈے لہراؤ۔

غلام محمد گلکار کے ساتھ، غلام نبی امیراکدل، محمد احسن قاصد، راجہ غلام محمد ساکن، غلام مصطفےٰ، عبدالغفار لچہ، محمد سلطان، عبدالغفار بٹ اور غلام حسن مخدومی گرفتار کر لیے گئے۔

سرینگر کے ساتھ دیگر قصبات اور بیرونِ شہر بھی گرفتاریوں کا سلسلہ جاری تھا۔ اس سلسلے میں وار کونسل کو جو اطلاع ملی اس میں ماسٹر زبرہ، محمد امین گورکو، پیر قلندر شاہ، سیّد حسام الدین گیلانی، غازی عبدالرحمان خطیب، لطیف قریشی، نصراللہ خاں، غلام حیدر خاں، پیر مبارک شاہ، غلام رسول کشتواڑی، غلام محمد بانڈے، غلام قادر بانڈے، علی محمد نارا، عبدالغنی ملک، غلام قادر مصالحہ، عبدالکبیر خان، عبدالغفار وازہ، عبدالرحمٰن بھورا، ماسٹر غلام محمد اور غلام رسول کار قابلِ ذکر ہیں۔

خانقاہ معلیٰ کے اسٹیج پر گرفتاریوں کے سلسلے میں ایک ایک کر کے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے والوں میں امیرالدین خانیار، عبدالعزیز دمہ حاجی محمد شعبان، حکیم غلام قادر، نور محمد (کبیلہ) عبدالحق گرٹہ بل، صدرالدین ژھو کلاشپورہ، عبدالعزیز خاں دوز شامل تھے۔ ان کے بعد دوسرے روز گرفتاری کے لیے پیش کرنے والے ڈکٹیٹروں میں، عبدالغفار، شیر علی، صدرالدین شال، منشی غلام محمد، عبدالسلام پارمو، حکیم عبدالاحد، غلام الدین بانڈے، محمد یاسین اور غلام وٹالی شامل تھے۔

اس سلسلے کے اگلے پڑاؤ میں جن لوگوں نے ڈوگرہ راج کو للکار کر اپنے آپ کو گرفتار کروایا ان میں غلام حسن انقلابی، شیخ غلام محمد، سعید محی الدین اندرابی، غلام نبی رفیقی، محمد مقبول شاہ [illegible]

[illegible] الخالق رینزو، حاجی عبدالعزیز، عبدالغنی بٹ اور غلام محمد خان نلچہ، عبدالقادر وازہ، محمد مقبول [illegible]مرو، منشی غلام رسول خاں، سید غلام شاہ چناری مفتی قوام الدین، مختار احمد وغیرہ۔

سرینگر میں امیراکدل کے پاس ایک جوان عبدالغفار حکومت کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے [illegible]رفتار کر لیا گیا۔ لیکن یہ جوان سُلہ غلہ دار کی مدد سے پولیس کی گرفت سے بھاگ گیا۔ پولیس نے سُلہ غلہ دار [illegible]گرفتار کر کے اس کی کیننگ کی، اگلے روز عبدالغفار پھر اسٹیج پر نمودار ہوا اور اپنے آپ کو گرفتاری کے [illegible]لیے پیش کیا، گرفتاری سے قبل اسے ۱۸ کین لگائے گئے۔

خانقاہ معلیٰ کے اسٹیج پر ناؤ پورہ کے علی محمد نامی شخص گرفتاری دینے کی تیاری کر رہا تھا کہ [illegible] امیرالدین سکنہ گوجوارہ اسٹیج پر آیا اور بجبہاڑہ کے ایک شہید کے خونی کپڑے لہرا کر گریہ وزاری [illegible]نے لگا۔

ان کی حالت اور خونی کپڑے دیکھ کر عورتیں زار زار رونے لگیں۔

خانقاہ نقشبند صاحب پر عورتوں کا ایک جلسہ ہوا، جلسے کے اختتام پر ڈکٹیٹر غلام رسول [illegible]ساتھ غلام محی الدین رہبر ایڈیٹر "صداقت" محمد یحییٰ رفیقی، غلام محمد بٹ اور محمد امین گرفتار [illegible]لیے گئے۔ جب پولیس ان کو اپنے ساتھ لے گئی تو درگجن کے مامہ دین نے سٹیج سنبھال کر اپنے [illegible]کو گرفتاری کے لیے پیش کیا، مامہ دین کے بعد ڈکٹیٹر عبدالرشید بخشی سٹیج پر آیا اور حکومت [illegible]خلاف زہر افشانی کرنے کے بعد گرفتار ہوا۔

گرفتاریوں کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ مولوی احمد اللہ ہمدانی کو گرفتار کر کے جلاوطن کیے جانے [illegible]سنایا گیا۔ ان کے بارے میں یہ حکم جلتی پر تیل کا کام کر گیا۔ خانقاہِ معلیٰ کا اسٹیج حکومت [illegible]خلاف گرجنے لگا۔ غلام احمد گتائی، عبداللہ بٹ اور عبدالغنی مکرو گرفتار ہوئے۔

محمد مقبول حکاک، عبدالغفار، محمد خان وازہ، اقبال چاپری اور ایک کم سن لڑکا غلام [illegible]ل حکومت کے خلاف نعرے دیتے ہوئے گرفتاری کے لیے پیش ہوئے۔

شہر سرینگر کے ساتھ ساتھ قصبہ جات اور دیہات میں شورش جاری تھی، اسلام آباد، [illegible]رر، بارہمولہ اور ہندوارہ میں تشدد آمیز مظاہرے ہوئے، ان مظاہروں کے دوران کئی [illegible] مارے گئے جن کی تعداد حکومت نے بیس بتائی لیکن ان کی لاشیں متعلقین کو نہیں [illegible]یں، ان لاشوں کو حاصل کرنے کے لیے مظاہرے کرنے کی پاداش میں غلام نبی گلکار [illegible]بدالغنی پلوامی کو گرفتار کر لیا گیا۔ انہیں ایک ایک ماہ کی قید کی سزا سنائی گئی۔

خانقاہ معلیٰ کے سٹیج پر مائسمہ کا غلام محمد گلکار، برزلہ کا حبیب اللہ زرگر دباغ محلہ کا پیرزادہ غلام حسن خانیار کا اسداللہ ایک ایک کرکے اسٹیج پر آئے۔ اور حکومت کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے گرفتار ہوگئے۔

غلام حسن دباغ محلہ کو گرفتاری کے دوران ۱۸ بید لگائے گئے جس سے وہ بیہوش ہوگیا اسکے مرنے کی خبر پھیل گئی تو لوگ شیر گڑھی کے باہر جمع ہوگئے، عبدالغنی ترالی، غلام محمد حکین، شیخ عبدالصمد میر مقبول، علی محمد، اور غلام احمد قرہ نے شیر گڑھی کے باہر دھرنا لگایا۔

ملٹری اور پولیس نے ہجوم پر لاٹھی چارج کیا، خواتین سڑک پر لیٹ گئیں اسی دوران سلہ غلہ دار ہاتھ میں سرخ کپڑا لیے اور اسے لہراتے ہوئے آیا۔ چند پولیس جوانوں نے اس پر گھیرا ڈال کر ڈنڈے برسائے، سلہ غلہ دار ڈنڈے کھاتا رہا اور جہاد پکارتا رہا۔ اگلے روز نعلبند پورہ کے عبدالرزاق کے ساتھ چھ اور ڈکٹیٹر گرفتاری کے لیے پیش ہوئے ان میں ایک کم سن لڑکا بھی تھا جسے بعد میں رہا کیا گیا۔

مزار شہداء پر خواتین کے جلسہ کا اعلان کرایا گیا تو مختلف اطراف سے خواتین آکر یہاں جمع ہونے لگیں۔ مزار شہداء کے گیٹ پر ان خواتین کو مجسٹریٹ عبدالغنی فاضلی نے رکوا دیا۔ خواتین اندر جانے کے لیے بضد رہیں انہیں چار چار کے گروپ میں اندر جانے دیا گیا۔

ان عورتوں کے اجتماع میں غلام محی الدین قرہ محمد یوسف قریشی، کے، ایچ خورشید نے جو طالب علم تھے کوئی دو گھنٹے تک پرجوش تقریریں کیں۔ اور اس کے بعد یہ جلوس کی صورت میں خانقاہ معلیٰ گئے۔ یہاں بھی انھوں نے تقریریں کیں۔ کے، ایچ خورشید کے بارے میں کوئی پتہ نہ چلا البتہ غلام محی الدین قرہ اور محمد یوسف قریشی کشتی میں بیٹھ گئے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ کنارے پر ان کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اور حکومت کے خلاف نعرے لگا رہے تھے، کیونکہ پولیس ان کو پکڑنے کے لیے آگن بوٹ میں ان کا پیچھا کر رہی تھی۔

دوسرے روز غفار چاپری جو دوسرے قیدیوں کے ساتھ چھوڑ دیئے گئے تھے دوبارہ پانچ ڈکٹیٹروں کے ہمراہ گرفتاری کے لیے پیش ہوئے، ان کے ہمراہ گرفتار ہونے والے سبھی افراد ہانجی تھے۔

خانقاہ معلیٰ کے اسٹیج پر ہر روز پانچ سے دس ڈکٹیٹر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرتے رہے۔ بیشتر والنٹیروں کو حکومت گرفتار کرکے چھوڑ دیتی تھی۔ البتہ جن کے بارے میں سخت قسم

کی تقریر کرنے کا الزام ہوتا انہیں نہ صرف قید و جرمانہ کی سزا دی جاتی بلکہ ان پر بید بھی لگائے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں شیخ عبدالغفار اور محمد سلطان نے حکومت کے خلاف تقریریں کیں اور گرفتاری کے لیے پیش ہونے سے قبل انھوں نے اجتماع سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"کل ۷ مارچ کو یوراج کے جنم دن پر چراغاں ضرور کرنا اور مہاراجہ ہری سنگھ کو مبارکبادی کے پیغامات بھی بھیج دینا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں ڈوگرہ راج کے ظلم و ستم بھی لکھ دینا۔

۹ مارچ ۱۹۳۴ء کو "کشمیر ڈے" منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور اس دن کے لیے اعلان کیا گیا کہ شہر اور قصبات میں نصف دن تک دوکانیں بند رہیں گی۔ اور ۱۲ بجے دن کے بعد لوگ مزار شہداء پر جمع ہوں گے، یہاں سے شام کے چار بجے مردوں اور خواتین کے دو علیحدہ علیحدہ جلوس خانقاہ معلیٰ کی طرف روانہ ہوں گے۔

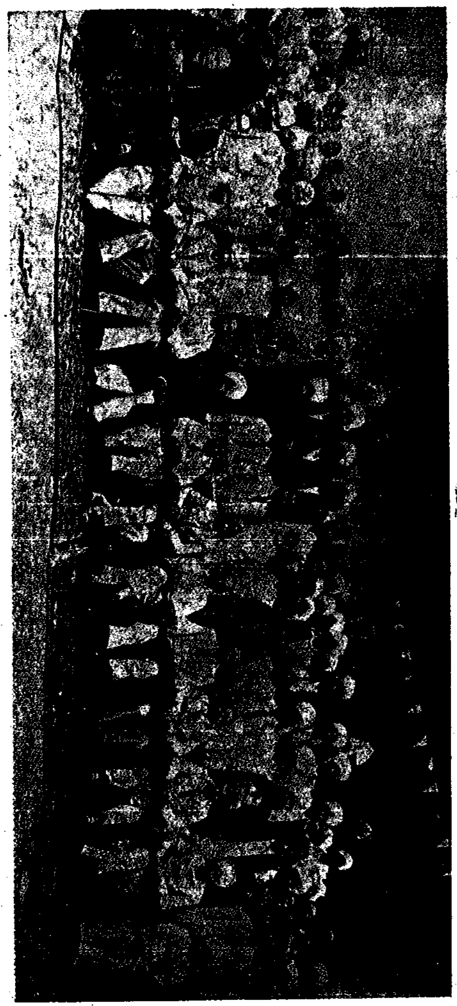
حسب پروگرام جب ایک کے بعد دوسرا جلوس خانقاہ معلیٰ پہنچ گیا۔ تو جمالٹہ کا مبارک شاہ اور محمد عثمان کا بیٹا گرفتار کیا گیا۔ یہ دونوں جلوس میں مہاراجہ کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ ۱۶ مارچ ۱۹۳۴ء کو خانقاہ معلیٰ میں ایک بہت بڑا عوامی اجتماع ہوا عید کی آمد کے پیش نظر سول نافرمانی کی تحریک کو فی الحال بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

عید سے چند روز قبل غازی محمد یوسف بانڈی پورہ نے اپنی تقریر میں لوگوں کے اجتماع سے کہا:

"میں وہ والنٹیر ہوں جس نے افغانستان میں بچہ سقہ کے ٹکڑے کر دیئے، اب میں یہاں آیا ہوں میں ڈوگرہ راج کو ختم کرکے ہی دم لوں گا — آؤ میرے ساتھ جیل چلو۔"

لوگ بے قابو ہوگئے، ایک افراتفری مچ گئی، پولیس حرکت میں آگئی تو بے قابو ہجوم کو منتشر کیا گیا۔ اسٹیج سے سول نافرمانی کی تحریک کو ملتوی کیے جانے کا اعلان کیا گیا۔

سول نافرمانی کی تحریک مئی ۱۹۳۳ء میں شروع ہوئی جو مارچ ۱۹۳۴ء تک برابر جاری رہی، اس تحریک کے دوران شہر اور قصبہ جات میں ۱۷۴۳ لوگ گرفتار ہوئے۔ ۳۸۴۔ اشخاص کو بید زنی کی سزا دی گئی، ان میں ۲۶۸۔ اشخاص چالیس سال کی عمر تک کے تھے، ۴۰ سے کم عمر کے ۴۵ اور طالب علم بھی تھے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں سے جو جرمانہ بطور سزا وصول کیا گیا۔ -/۱۳۴۱۱ روپے ہے۔ اس کے علاوہ تعزیری ٹیکس کے ذریعے -/۴۶۳۶۲ روپے مسلمانوں سے حاصل کیے گئے۔



۱۹۳۵ء میں نڈوز ہوٹل سرینگر میں محمد علی جناح کے ساتھ اتاری گئی ایک تصویر

فکرِ منزل ہے نہ ہوشِ جادۂ منزل مجھے
جا رہا ہوں جس طرف لیجا رہا ہے دل مجھے

سُبحان حجّام کی یلغار

ڈوگرہ دورِ حکومت میں کشمیر افلاس، غربت، قحط سالی اور ظلم و تشدد کے نتیجے میں سخت اضطراب میں مبتلا تھا۔ مردوں سے بیگار لی جاتی تھی۔ طرح طرح کے جور و ظلم سے کام لے کر ان کی زندگی اجیرن کر دی گئی تھی۔ ڈوگرہ حکومت کی زیادہ المناک اور روح فرسا حرکت کشمیری لڑکیوں اور جوان عورتوں کی خرید و فروخت کا واقعہ تھا۔ اس خرید و فروخت پر کئی یورپین سیّاحوں نے جنہوں نے ان ایام میں وادیٔ کشمیر کا دورہ کیا اپنے سفرناموں، کتابوں اور پمفلٹوں میں نامناسب اور ناجائز تجارت کی نشاندہی کی ہے اور اسے انسانی زندگی کی خرید و فروخت کا ایک اندوہناک واقعہ قرار دیا ہے۔

ڈوگرہ عہدِ حکومت میں انسانی زندگی، گوشت و پوست کی خرید و فروخت کا یہ سلسلہ مدتوں رہا۔ غربت اور افلاس کے نتیجہ میں والدین اپنی بچّیوں کو کنجروں کے ہاتھوں فروخت کر دیتے تھے۔ کنجر اور ان کے ایجنٹ دیہاتوں میں جا کر بہلا پھسلا کر ان بچّیوں کو افلاس زدہ دیہاتیوں سے فرضی نکاح یا روپے دے کر خرید لیتے تھے۔ اور انہیں ریاست سے باہر کلکتہ، لکھنؤ، بمبئی، لاہور، راولپنڈی کے بازارِ حسن میں بٹھا دیتے تھے۔

ان بازاروں میں دخترانِ کشمیر کو رنگ اور حُسن کی وجہ سے بڑی قیمت اور مقبولیت ملتی تھی، جس کی وجہ سے کنجر اور ان کے ایجنٹ سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں دخترانِ کشمیر کو لے جا کر ان بازاروں کی نذر کر دی جاتی تھیں۔

باہر کی منڈیوں میں بیچنے کے ساتھ ساتھ سرینگر کے دو نامور قحبہ خانے جن میں ایک گاؤکدل اور دوسرا تاشواں میں تھا دخترانِ کشمیر شب و روزِ عیش پسندوں کے لیے کھلے رہتے تھے۔ یہ دو قحبہ خانے جنسی بے راہ روی کے مراکز کے لیے مشہور تھے۔ ان قحبہ خانوں سے بھی کشمیری مال دوسری منڈیوں میں سپلائی ہو جاتا تھا۔

دختران کشمیر کی اس بے راہ روی کے خلاف سب سے پہلے اپریل ۱۹۳۴ء میں مولانا عبداللہ وکیل نے احتجاج کیا اور کنجر خانوں کو بند کرنے کا فتویٰ دیا۔ انھوں نے اسمبلی میں کنجر خانوں کو بند کرنے کا سجھاؤ دیا۔

۱۹۳۵ء میں سبحان حجام نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ سبحان حجام کی امیرا کدل میں پلیڈیم سینما کے پاس دوکان تھی۔ ان قحبہ خانوں کو بند کرانے کے لیے سبحان حجام نے سب سے پہلے شیخ محمد عبداللہ سے رابطہ قائم کیا کیونکہ ان دنوں سارے کشمیر میں آن کا ڈنکا بج رہا تھا اور وہ اس بدکاری کو بند کرانے میں مؤثر ثابت ہوسکتے تھے۔ لیکن اس کارِ نیک میں شیخ صاحب کی عدم دلچسپی نے سبحان حجام کو مایوس کر دیا۔ لیکن کئی لوگوں نے جوان کی دوکان پر حجامت کرنے کے لیے آتے تھے ان کا حوصلہ بڑھایا اور اس کام میں ان کا ساتھ دینا شروع کیا چنانچہ سبحان حجّام نے ان قحبہ خانوں کو بند کرانے کی تحریک شروع کی، کنجروں نے سبحان حجام کی اس تحریک کا توڑ کرنے کے لیے روپے اور اثر و رسوخ کا استعمال کر کے اسے کئی فوجداری مقدموں میں پھنسایا اور اس کی زندگی اجیرن بنا دی، سبحان حجام پھر شیخ محمد عبداللہ سے ملا تاکہ وہ اس میں مداخلت کر سکیں، لیکن انھوں نے اس معاملے میں الجھنے سے صاف انکار کیا۔ اس کے بعد سبحان حجّام نے مسٹر ٹنڈل بسکو کو یہ ساری روداد سنائی۔ سبحان حجّام ٹنڈل بسکو کی حجامت کرتے تھے۔ بسکو صاحب نے سبحان حجّام کی اس کارِ نیک میں پوری مدد اور مقدمات میں پیروی کے لیے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

بسکو صاحب کی جہاں اہلِ کشمیر پر تعلیمی خدمات کو کشمیری عوام کبھی نہیں بھول سکتے وہاں دخترانِ کشمیر کی خرید و فروخت کا دھندا رُکوانے میں ان کے رول کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

ہندوستان میں دخترانِ کشمیر کو بازارِ حُسن کی زینت بنانے کا سلسلہ معدوم ہونا تھا۔ اس کا سہرا ٹنڈل بسکو اس کی مسز اور سبحان حجّام کو جاتا ہے، ان تینوں نے جس اسپرٹ سے یہ کام کیا وہ تاریخِ کشمیر میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔

قحبہ خانوں اور دخترانِ کشمیر کی خرید و فروخت کے دھندے میں ملوّث افراد کے خلاف تحریک میں سبحان حجّام کو آگے رکھ کر بسکو صاحب نے کشمیریوں میں احساس بیداری پیدا کرنے کے لیے پوسٹر اور پمفلٹ چھپوانے اور والنٹیروں سے قحبہ خانوں پر پکٹنگ کے لیے تیار کرنا شروع کیا۔

بسکو صاحب اور سبحان حجّام کی اس تحریک نے مسلم کانفرنس کے بعض لیڈروں کے ہوش ٹھکانے لائے اور وہ اس تحریک کے لیے دامے درمے اور سخنے ہمنوائی کرنے لگے۔ ان احباب کی طرف سے مہاراجہ ہری سنگھ کو میمورنڈم پر میمورنڈم تار اور خطوط روانہ کیئے گئے۔ اس طرح یہ

تحریک شہروں کے بعد قصبوں میں بھی پھیل گئی۔

پکٹنگ میں قحبہ خانوں کے سامنے ڈوگرہ پولیس نے نقص امن کے تحت گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا — کہتے ہیں جب قدرت کو جلال آتا ہے تو اس کے اسباب خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیڈی ڈاکٹر فریڈم جو ریاست میں زنانہ ہسپتال کی سپرنٹنڈنٹ تھیں وہ ریاست میں آٹھ سال ملازمت اور ان عورتوں کے علاج میں جو ہندوستان کے مختلف قحبہ خانوں سے بھاگ کر واپس اپنے وطن آئی تھیں ان کے امراض خبیثہ اور ان کی بیکسی سے متاثر ہوئی تھیں، شومئ قسمت سے یہ جنیوا میں لیگ آف نیشن کی سکریٹری بنی۔

جب انسانی خرید و فروخت اور غلام رکھنے کے مسئلے پر لیگ آف نیشن میں بحث ہو رہی تھی تو لیڈی فریڈیم نے کشمیر میں عورتوں اور لڑکیوں کے بارے میں برطانوی حکومت پر الزام لگایا کہ تاج برطانیہ کے تحت ہندوستان میں ایک ریاست میں عورتوں اور لڑکیوں کی خرید و فروخت اب بھی ہو رہی ہے اور وہ عورتیں برٹش انڈیا کے بازارِ حسن کی زینت بنادی جاتی ہیں جس وجہ سے ان عورتوں میں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور بعض حالات میں ان کا علاج انسانی بس سے باہر ہو جاتا ہے اور انسانی خرید و فروخت انگریزی حکومت جو عیسائیت پر یقین رکھتی ہے اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے اور اس سلسلے میں ریاست اور تاج برطانیہ کا قانون اس ناجائز تجارت کے تدارک کے لیے سرے سے موجود نہیں ہے۔

اس چونکا دینے والے بیان پر لیگ آف نیشن کے چیرمین نے حکومت برطانیہ سے سوال کیا اور وضاحت طلب کی۔

تاج برطانیہ نے بذریعہ سکریٹری فارسٹیٹ نے وائسرائے سے جواب طلبی کی، وائسرائے ہند نے مہاراجہ ہری سنگھ سے جب وضاحت طلب کی کہ وہ اس انسانی تجارت کے بارے میں رپورٹ دیں تو یہ معاملہ ریاستی کونسل میں پیش ہوا۔ فوری طور پر انسپکٹر آف پولیس جن میں ایک شیخ عبدالکریم اور دوسرا جیالال درباری تھا، انہیں کلکتہ، بمبئی، دہلی، لکھنؤ، راولپنڈی لاہور وغیرہ شہروں کے لیے روانہ کیا گیا، تاکہ بازارِ حسن میں دخترانِ کشمیر برآمد کر کے واپس ریاست میں لائیں، چنانچہ ان ریاستوں اور صوبوں کی پولیس کی مدد سے بازارِ حسن سے بیشتر عورتیں واپس لانے میں یہ آفیسر کامیاب ہوئے۔

ریاست میں عورتوں کی خرید و فروخت تعزیری جرم قرار دیکر ریاستی حکومت نے گزرگاہوں پر

جو برٹش حدود کو جاتی تھیں مستقلاً پولیس اسٹیشن قائم کردیں۔ سرینگر کے دونوں قحبہ خانوں کو ہمیشہ کے لیے تعزیری جرم کے تحت بند کر دیا گیا۔ دختران کشمیر کی خرید و فروخت اور ملک کے بازار حسن میں ان کے پیشے کے بارے میں پولیس انسپکٹر شیخ عبدالکریم نے اپنی رپورٹ حکومت کو ایک کتابچہ کی صورت میں پیش کی اس کا نام انھوں نے (IMMORALE TRAFIC IN WOMEN) رکھا ہے۔ اس رپورٹ میں انھوں نے صاف طور پر شیخ محمد عبداللہ پر نہ صرف کنجروں سے چندہ وصول کرنے کا الزام لگایا بلکہ دوسری نوعیت کے الزامات بھی لگائے ہیں۔ یاد رہے کہ شیخ عبدالکریم وہ پولیس انسپکٹر تھا جو اے، ایس، پی حکیم حبیب اللہ کا دست راست تھا، یہ دونوں پولیس آفیسر "تحریک حریت کشمیر" میں شیخ محمد عبداللہ اور دیگر مسلم رہنماؤں کو حکومت کے راز پہنچاتے تھے۔ تحریک کے بارے میں حکومت جو بھی کارروائی کرنا چاہتی اس کی پیشگی اطلاع مسلم رہنماؤں کو یہی دو آفیسر پہنچاتے تھے۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے جب مسلم کانفرنس کی سائیکلواسٹائل پریس مشین پکڑنے کے لیے ۱۱ ہزار روپے کا انعام مقرر کیا تو ان دونوں پولیس آفیسروں نے منشی نصیر الدین اور مولوی عبدالرحیم بانی ریڈنگ روم سے سائیکلوسٹائل مشین پیش کرنے کو کہا تاکہ حکومت سے انعام میں ملنے والے ۱۱ ہزار روپے وہ تحریک کو دے سکیں، اور چند سو روپے کے خرچے سے دوسری مشین خریدی جاسکے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور گیارہ ہزار انعام کے روپے "تحریک حریت" کے فنڈ میں دیئے۔


سبحان حجام

مہاراجہ ہری سنگھ نے جب انسپکٹر شیخ عبدالکریم کی رپورٹ پڑھ لی تو ایک میٹنگ بلائی۔ جس میں حکومت کے بعض ارکان کے ساتھ معززین شہر کو بھی مدعو کیا گیا۔

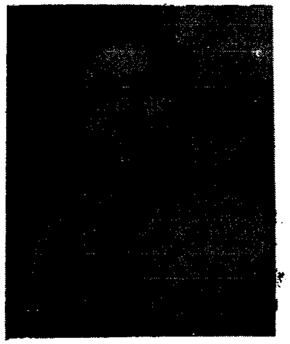
اِن معززین شہر میں میرواعظ احمد اللہ ہمدانی، سعد الدین شال، آغا سید حسین، خواجہ غلام محی الدین، جعفر خاں، سید حسین شاہ جلالی اور محی الدین کاوسہ شامل تھے۔

اور بھی بہت سے معززین شہر مدعو کیے گئے تھے جو بعض وجوہات کی بنا پر حاضر دربار نہیں ہو سکے۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے اِن اصحاب کے ساتھ عورتوں کی خرید و فروخت کے ساتھ ساتھ بےکاری، بے روزگاری اور دوسرے اہم مسائل پر حاضرین کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا اور حاضرین دربار کی رائے کے ساتھ اتفاق کر کے ان کے "تدارک" کا یقین دلایا۔

اِس میٹنگ کے بعد سبحان حجّام نے اپنی دوکان پر چراغاں کیا۔ اور انھوں نے راہ چلنے والوں میں اپنی طرف سے مٹھائی تقسیم کی۔

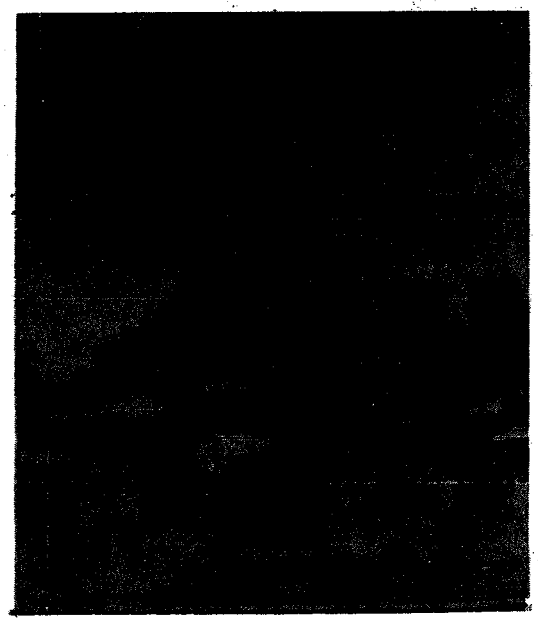

اے، ایس، پی حکیم حبیب اللہ


انسپکٹر شیخ عبدالکریم

تحریکِ حرّیت کے دو اہم مراکز



درگاہ حضرت بل



خانقاہِ معلّیٰ

باب ۵

مُسلم کانفرنس کا جنم
اور
اُس کی موت کا آغاز

ڈگمگاتے ہیں قدم راہِ وفا میں بار بار
یاد ہے پیماں شکنی شرم دامن گیر ہے

جُز :

دل کی باتیں دوسروں سے مت کہو لٹ جاؤ گے
آج کل اظہار کے دھندے میں ہے گھاٹا بہت

مسلم کانفرنس کا ایک اہم اجلاس

تمام مسلم رہنماؤں کو ایک مالا میں پرونے خاص طور پر مولوی یوسف شاہ اور شیخ عبداللہ کا ملاپ کے لیے پھر دوڑ دھوپ شروع کی گئی، چنانچہ اللہ رکھا ساغر، چودھری عباس خاں، گوہر رحمان، مستری ب علی کے ساتھ غلام احمد قرہ، غلام نبی گلکار اور مولوی عبدالرحیم ان دونوں لیڈروں کو ملانے میں ب ہو گئے، غلام احمد قرہ کی بیٹھک میں ان سبھی رہنماؤں نے پچھلی ساری رنجشیں، کدورتیں اور ناراضگیاں جانے اور آیندہ ایک ساتھ چلنے کا عہد کیا اور جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی ایک تنظیم بنانے کا لیا گیا۔

جون ۱۹۳۲ء کے آخری ہفتے میں شیخ عبداللہ لاہور گئے اور وہاں عبدالرحیم درد سے موٹر کی ی کرائی اور اس کے بعد وہ مرزا بشیر الدین محمود سے ملے۔ مرزا صاحب سے انھوں نے پولیٹکل رنس کے سلسلے میں مدد کی اپیل کی۔ سرینگر واپس آنے کے دوران انہوں نے مرزا صاحب کو ایک خط لکھا۔

۸ر جولائی ۱۹۳۲ء

S. M. ABDULLAH

M.SC (ALIG)

جناب حضرت میاں صاحب! دام اقبالہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

میں حضور کی نوازشات کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔ آج میں لاہور ہوتے ہوئے جموں اور پھر کشمیر واپس جا رہا ہوں جیسا کہ میں نے ظاہر کر دیا ہے کہ ستمبر کے پہلے ہفتہ میں ایک پولیٹکل کانفرنس کشمیر میں بلوا رہا ہوں۔ اس کے بعد شملہ جانے کا خیال ہے، جیسا کہ حضور کو بھی معلوم ہے اگر حضور اگست کے دوسرے ہفتے میں کشمیر چند دن کے لیے تشریف لے آویں تو کانفرنس کے کامیاب بنانے میں ہمیں

باب کا حرف اوّل سبز ہلالی پرچم اور جماعت جس کا یہ منتخب نشان قرار پایا ہے اس کی حفاظت کرے اس کے زیرِ سایہ مہاراجہ جو ریاست کے تمام فرقوں کے درمیان محبت و آشتی کا پیامبر ہے اور اُن کے لیے یہ امن، خوش حالی اور فارغ البالی کا ضامن رہے، آج جس پرچم اور تنظیم کا ہم اپنے جوان اور بلند عزائم سے اس صحن پاک میں افتتاح کر رہے ہیں خدا تعالیٰ سے اس کی کامیابی اور کامرانی کے لیے دعا مانگنی چاہیے۔"

کئی قرار دوں کے بعد اجلاس برخاست ہوا تو چودھری غلام عباس خان، اللہ رکھا ساغر اور گوہر رحمان شیخ صاحب سے ملے اور ان سے اس رویے کے بارے میں شکایت کی جو رویہ انھوں نے جموں کے مسلم رہنماؤں کے تئیں اختیار کیا تھا۔ بجائے اس کے کہ ان کو اپنی دلیل سے مطمئن کیا جاتا ان سے کہا گیا:

"آپ جموں والے ہم کشمیریوں کو لاعلم اور بے شعور سمجھتے ہیں اسی لیے ہم پر برتری حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن میرے ہوتے ہوئے ایسا نہیں ہو سکتا۔"

جموں کا یہ وفد اپنا سا منہ لے کر اٹھ گیا، ابھی وہ آیندہ لائحہ عمل کے بارے میں غور و خوض ہی کر رہے تھے کہ اسی دوران شیخ عبداللہ نے ایک عوامی اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے جمّوں کے مسلم رہنماؤں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"..... ہم نے پچھلے دنوں یہاں مسلم کانفرنس کی داغ بیل ڈال دی، آپ نے دیکھا ہوگا کشمیر کے کونے کونے سے جو نمایندے شرکت کے لیے آئے تھے۔ وہ مولوی قسم کے لوگ تھے، جنہیں دُنیا کے کیف و کم کا کم ہی علم تھا اور جو سادہ لوح تھے۔ اس اجلاس میں جموں کے نمایندوں کا طور طریقہ مجھے قطعاً نہیں بھایا، میری رگِ حمیّت کو اس سے زبردست چوٹ لگی۔ یہ نہایت ہی رنج دہ مقام ہے کہ قربانیاں کشمیریوں نے دی ہیں، انھوں نے سرزمین کشمیر کو اپنے خون سے لالہ زار بنا دیا ہے، انھوں نے مال و متاع کو وطن کی راہ میں لُٹا دیا ہے، لیکن جموں کے سبکسارانِ ساحل ان ہی کو کوس رہے ہیں اور ان کا مذاق اڑا رہے ہیں.....!"

شیخ عبداللہ نے اپنی ایک گھنٹہ کی تقریر میں جھوٹ بول کر جموں کے مسلم رہنماؤں کے بارے میں غلط بیانیوں کا مظاہرہ کرنے کے ساتھ وادی کے مُلّاؤں پر بھی کئی چوٹیں کیں۔ اس طرح مسلم کانفرنس کے جنم پر اس کے جسم میں انھوں نے جو زہر بھر دیا، وہ زہر آہستہ آہستہ اس کے سارے

جسم میں سرایت کر گیا۔

بات اتنی سی تھی کہ جمّوں والے مسلم کانفرنس میں وادی کی ساٹھ فیصد کے مقابلے میں اپنی چالیس فیصد نمایندگی مانگ رہے تھے۔ شیخ صاحب نے دینے سے انکار کیا، بات آئی اور گئی لیکن ان پر جو الزامات لگائے گئے وہ سراسر بے بنیاد تھے، وادیٔ کشمیر کے ملاؤں نے اگر اجلاس میں شرکت کی تو کونسا گناہ کیا۔ ان کی پھبتیاں کس کر جو طنز یہ تیر برسائے گئے، اس کا ان کے پاس کیا جواز تھا؟

مسلم کانفرنس کے قیام اور اس کا تاریخ ساز اجلاس جو بظاہر سبز زمین پر سفید ہلال اور تین تاروں پر مشتمل پرچم لہرا کر کامیابی کی بشارت دے رہا تھا۔ غیر مسلموں میں بُری طرح کھٹک گیا۔ اور انھوں نے شیخ صاحب کی اس تقریر جس میں انھوں نے جموں کے مسلم رہنماؤں اور وادی کے مُلّاؤں کو خوب رگڑا اس کا فایدہ اٹھا کر شیخ عبداللہ سے رابطہ قائم کیا، چنانچہ اس سلسلے میں چشمہ شاہی باغ میں پنڈت پریم ناتھ بزّاز اور شیخ عبداللہ کے درمیان ایک طویل گفتگو ہوئی، اسی گفتگو کے دوران نیشنلزم پر دونوں کے درمیان کھُل کر بات چیت ہوئی۔

مسلم کانفرنس کے جنم کا اگرچہ ڈوگرہ رجواڑوں نے بھی سنجیدہ نوٹس لیا، لیکن اس موقع پر انھوں نے مصلحت سے کام لے کر حالات کا جائزہ لینا شروع کیا البتہ انھوں نے "جموں کی قربانیاں اور کشمیر کی قربانیاں" موضوع بحث بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تا کہ دونوں صوبے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں لیکن جموں کے رہنماؤں نے صبر و برداشت کا جو مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

مسلم کانفرنس کا احیا نہ صرف جمّوں و کشمیر کے غیر مسلموں میں کانٹے کی طرح کھٹک گیا۔ بلکہ ہندوستان بھر کے کٹّر ہندو بھی اس تنظیم سے سیخ پا ہو گئے۔

پنڈت برادری نے کانگریس کے ساتھ رابطہ قایم کر کے اس مسلم رَو کو روکنے کے لیے اپنی سرگرمیاں شروع کیں۔ ہندوستان کے ہندو پریس نے ان کی حمایت میں ایک آواز بلند کی۔

شیخ عبداللہ نے ان ہنگاموں سے فرصت ملتے ہی احمدیہ فرقے کے امام کو خط لکھا۔

" سرینگر

S. M. ABDULLAH

M.S.C. (ALIG)

22 OCT 1932

جنابِ محترم میاں صاحب، دام اقبالہٗ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ،

نہ میری زبان میں طاقت ہے نہ میرے قلم میں زور اور نہ میرے پاس وہ الفاظ ہیں

جن سے جناب کا اور جناب کے بھیجے ہوئے کارکن مولانا دردؔ، سید زین العابدین صاحب وغیرہ کا شکریہ ادا کر سکوں۔ یقیناً اس عظیم الشان کام کا بدلہ جو کہ آں جناب نے ایک بیکس اور مظلوم قوم کی بہتری کے لیے کیا ہے، صرف خدائے لایزال سے ہی مل سکتا ہے میری عاجزانہ دُعا ہے کہ خداوند کریم آنجناب کو زیادہ سے زیادہ طاقت دے تاکہ آنحضور کا وجودِ مسعود بے کسوں کے لیے سہارا ہو۔

شاید جناب عاجز سے ناراض ہوں کہ میں نے جناب کے ارشادات گرامی کے جواب دینے میں تساہل سے کام لیا۔ میں مانتا ہوں کہ یقیناً صریح گستاخی ہے مگر خدا کو حاضر و ناظر جان کر میں جناب سے عرض کیے دیتا ہوں کہ میری گوناگوں پریشانیوں نے مجھے مجبور کر رکھا تھا ایک طرف ..... (مولوی یوسف شاہ) اس کی پارٹی، ایک طرف پنڈتوں اور مسلمانوں کا افسوس ناک فساد، مالی پریشانیاں، اپنوں سے بیگانگی کانفرنس کی تیاری وغیرہ وغیرہ، ان سب باتوں نے مجھے پریشان کر رکھا تھا۔ اس کی شہادت جناب کے پاس زین العابدین صاحب دے سکتے ہیں۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے مجھے کامل یقین ہے کہ جناب مجھے معاف فرمائیں گے اور بزرگانہ کریمانہ صفات کو مدِنظر رکھتے ہوئے مجھے یقین کر لینا چاہیے کہ جناب کا تسلّی بخش جواب باصواب میری پریشانیوں کو جلد از جلد رفع کر دے گا۔

حالات بالکل ٹھیک ہیں جناب دردؔ صاحب اور شاہ صاحب وغیرہ کام میں مصروف ہیں۔ جو لوگ قومی کام میں مخل ہونا چاہتے ہیں اللہ میاں نے انہیں کافی سزا دی ہے۔ الحمدللہ دردؔ صاحب سے موٹر کا روپیہ بھی وصول ہو چکا ھے۔ بہت بہت شکریہ۔

کانفرنس بخیر و خوبی ختم ہوئی۔ بجائے تین دن کے کانفرنس پانچ دن ہوتی رہی اور بڑی شان سے، دستور اساسی نے بڑا وقت لیا ..... اخراجات تقریباً آٹھ ہزار آئے ہیں ... الغرض جناب کی دُعا سے کانفرنس نہایت ہی کامیاب رہی مفصّل کارروائی جناب دردؔ صاحب نے آنحضور کو بھیجدی ہوگی، میرا خیال بھی ہے پنجاب آنے کا۔ انشاءاللہ شرف قدمبوسی حاصل کروں گا۔ احراری خیال کے چند افراد غلط پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ میں کشمیر کمیٹی کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کا کھیل بنا ہوا ہوں۔

کبھی کہتے ہیں کہ میرا عقیدہ بھی بدل گیا ہے، مگر خداوند کریم بہتر جانتا ہے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں اس لیے ان کو ہمیشہ ذلیل ہونا پڑتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ جناب کی دعائیں ہمیشہ میرے شاملِ حال ہوں گی، آخر مجھے اپنا بچہ سمجھتے ہوئے مجھے حق حاصل ہونا چاہیئے کہ کبھی کبھی مجبوری کی وجہ سے جناب سے گستاخی کا بھی مرتکب ہو جاؤں اور پھر معافی بھی طلب کروں۔ امید کرتا ہوں کہ جناب کا ارشاد گرامی جلدی ہی میری تسلّی کرے گا۔ عبدالرحیم صاحب اور محمد یحییٰ صاحبا رفیقی کی طرف سے مؤدّبانہ عرض و سلام۔

آپ کا تابعدار
شیخ محمد عبداللہ

(نقل مطابق اصل تحریک آزادی کشمیر اور جماعت احمدیہ جلد ششم حصّہ دوئم)

مسلم کانفرنس کا یہ پہلا ابتدائی اجلاس تلخیوں، رنجشوں اور کدورتوں کے باوجود بخیر و خوبی تمام پذیر ہوا، ریاست بھر کے مسلمانوں میں اس یکجہتی سے جوش اور ولولہ پیدا ہوا مسلم کانفرنس اس اجلاس کے چرچے بہت دنوں تک جاری رہے۔ ریاست کے تمام مسلمانوں نے اس دو یک جہتی پر شادمانی کا اظہار کر کے اس تنظیم کو اپنی نجات کا واحد آسرا سمجھ لیا۔

مسلم کانفرنس کے وجود میں آنے پر جہاں غیر مسلموں نے اس تنظیم اور تنظیم کے رہنماؤں کے ف اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے اپنے غم و غصّے کا اظہار کیا وہاں مسلم رہنماؤں نے سلموں کے تئیں نرم روی اپنائی، اس سلسلے میں چودھری غلام عباس خاں نے اپنے ایک بیان ں فرمایا :-

"گزشتہ تلخ کامیوں کو بُھلا کر میں مسلمانانِ ریاست کی طرف سے نہایت صدق دلی سے اپنے غیر مسلم ہم وطنوں سے اپیل کروں گا کہ وہ ہمارے ساتھ تعاون کریں میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ مسلمان کسی قوم کے جائز حقوق پر غاصبانہ ڈاکہ ڈالنا نہیں چاہتا وہ ہر قوم کے لیے انصاف کا طلبگار ہے اور اپنے لیے صرف اپنا حق مانگتا ہے آؤ ہم سب مل کر استخلاص وطن کے لیے جد و جہد کریں میں غیر مسلم ریاستی رہنماؤں سے متوقع ہوں کہ وہ مصالح ملکی نظام پیش نظر میری اپیل پر جرأت اور نیک نیتی سے غور کریں گے

انہیں یقین رکھنا چاہیے کہ ان کی اپنی قوم کی بھی حقیقی فلاح اسی میں ہے۔"

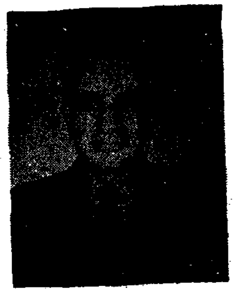
شیخ محمد عبداللہ نے غیر مسلموں سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"میری جدوجہد اپنے وطن کی ترقی اور بہبود کے لیے ہے آؤ ہم سب کے سب فرقہ وارانہ اختلافات سے بالاتر ہو کر عوام کی بہبود کے لیے اشتراک اور تعاون سے کوشش کریں۔ میں اپنے ہندو بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ وہم خوف و خطر اور شک و شبہ کو اپنے دماغ میں جگہ نہ دیں، ہم انھیں یقین دلاتے ہیں کہ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ اشتراک عمل اختیار کریں تو ان کے حقوق کسی طرح بھی خطرے میں نہیں پڑیں گے۔"

مسلم رہنماؤں کے ان بیانات سے پریم ناتھ بزاز اور سردار بدھ سنگھ متاثر ہوسکے چنانچہ انھوں نے مسلم کانفرنس کے پلیٹ فارم سے غیر مسلموں کے حقوق کا پرچار کیا۔



سردار بدھ سنگھ



پریم ناتھ بزاز



۱۹۳۵ء میں چوہدری غلام عباس خان مسلم کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے
بائیں سے دائیں
قاضی عبدالغنی دلنہ۔ بخشی غلام محمد، چوہدری غلام عباس خان، شیخ محمد عبداللہ اور
شیخ محمد اکبر۔ والنٹیروں کے ساتھ۔



(بیٹھے ہوئے دائیں سے بائیں):-
جناب مولانا محمد سعید مسعودی۔ جناب مولانا غلام مصطفٰے مسعودی
جناب سیّد غلام محی الدین اندرابی
(کھڑے ہوئے بائیں سے دائیں):-
جناب سیّد محمد مقبول بیہقی ۔ جناب صدرالدین مجاہدؔ اور ینگ عبداللہ

یہی انتہا ہے حقیقتاً مرے دوستوں کے خلوص کی
کہ مصیبتوں میں کبھی کبھی مری دشمنوں پہ نظر گئی

مُسلِم کانفرنس کی عمارت میں شگاف

مسلمانوں کے اتحاد و یکجہتی جس کا نام "جموں وکشمیر مسلم کانفرنس" رکھدیا گیا تھا۔ غیر مسلموں نے اس سے بہت خار کھایا، ہندوستان کے کٹّر ہندو پریس نے اس تنظیم کے خلاف زوردار آرٹیکل لکھ کر نہ صرف ریاست کے غیر مسلموں کو اس تنظیم سے خبردار کیا بلکہ بیرون ریاست کے ہندوؤں کو اس قسم کی تنظیم غلام قوم میں وجود میں لائے جانے کے خطرات سے آگاہ کیا۔

جیساکہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ ہندوستان کا کٹّر ہندو پریس کشمیری مسلمانوں کو غلام سمجھتا ہے اور ان کا کہنا ہے اس غلام قوم کو ہمیشہ غلام ہی رہنا ہے۔ لہٰذا ان کا اتحاد انہیں ہرگز نہیں بھایا۔ ہندوستان کے کٹّر ہندو پریس کے علاوہ کئی ایسے لیڈر بھی اس تنظیم سے خار کھانے لگے جو اپنے آپ کو سیکولر نظریے کے قائل ہونے کے دعویدار تھے، چنانچہ "مسلم کانفرنس" جیسی تنظیم کے خدشات سے آگاہ کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ غیر مسلموں کے اس واویلا نے آخر کار پنڈت جواہر لال نہرو کو اس میں مداخلت کرنے کے لیے مجبور کیا اور انھوں نے شیخ محمد عبداللہ کو اس سلسلے میں بات چیت کے لیے لاہور بلایا۔

شیخ محمد عبداللہ پنڈت جواہر لال نہرو جیسے نامور لیڈر کی طرف سے ملاقات کا پیام ملنے پر خوشی سے پھولے نہیں سمائے چنانچہ وہ ملاقات کے لیے لاہور روانہ ہو گئے انہوں نے اپنے ساتھ غلام احمد عشائی کو بھی لیا۔

لاہور گیسٹ ہاؤس میں ان کے قیام وطعام کا خاصا انتظام کیا گیا تھا لیکن پنڈت نہرو مصروفیت کی وجہ سے لاہور نہ آسکے، البتہ اپنی طرف سے بات چیت کے لیے انھوں نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو بھیجدیا۔

ڈاکٹر کچلو کے ہاتھ پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کے نام جو پیام بھیجا تھا اس میں یہ بات واضح کردی گئی تھی کہ :

"کشمیر میں مظلوم صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی ہیں۔ لہٰذا اپنی تنظیم میں انہیں بھی جگہ دی جائے کانگریس اگر ایک غیر مسلم کے مقابلے میں آپ جیسے مسلمانوں کی حمایت کرتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ آپ غیر مسلموں کو نظر انداز کریں۔ ایک قومی لیڈر عوام کو دین و مذہب کی نظروں سے نہیں دیکھتا۔"

شیخ صاحب اور عشائی صاحب پر اس بات کا کچھ اثر ضرور رہا، چنانچہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کے ذریعے پنڈت نہرو کو یہ سندیسہ بھیجدیا گیا کہ وقت آنے پر آہستہ آہستہ غیر مسلموں کو بھی اس تنظیم میں جگہ دی جائے گی، فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

لاہور میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو کے ساتھ ملاقات کے بارے میں جب اخبار "انقلاب" کے نمائندے نے شیخ صاحب سے پوچھا تو انھوں نے واضح الفاظ میں بتایا :۔

"کشمیر میں فرقہ وارانہ کھچاؤ بہت حد تک پنجاب کے فرقہ پرست لیڈروں کے پروپیگنڈے کا نتیجہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ پنجاب کے لوگ ہمارے اندرونی معاملات میں کوئی مداخلت نہ کریں، میرا آئندہ پروگرام کانگریس کے اصولوں پر کام کرنا ہوگا اور میں عنقریب وطن جاکر اس قسم کی انجمن کی بنیاد ڈالنا چاہتا ہوں جو مسلم پرور کے بجائے قوم پرور کے نظریئے کی حامی ہو۔"

شیخ عبداللہ کے اس بیان سے پنجاب کے مسلم رہنما جو تن من اور دھن سے کشمیر کی تحریک حرّیت کے لیے کام کررہے تھے حیران و پریشان ہوگئے۔ چنانچہ شیخ محمد صادق کی قیادت میں ایک وفد ان سے گیسٹ ہاؤس میں ملاقاتی ہوا اور ان سے اس اخباری بیان کی وضاحت چاہی۔

شیخ عبداللہ نے وفد کا مُوڈ دیکھ کر ان سے کہا۔

" میرے بیان کو پریس نے غلط طور پر پیش کیا ہے۔ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ہمارے لیے جو کام کررہے ہیں وہ تب تک جاری رکھیں جب تک ہماری ناؤ کنارے نہیں لگتی۔"

اس موقع پر شیخ صادق نے شیخ عبداللہ سے پوچھا :۔ "کشمیر میں مسلم رہنماؤں کے درمیان

جو رنجشیں پیدا ہوگئی ہیں۔ کیا، وہ دوستی میں بدل نہیں سکتی؟"

شیخ صاحب نے جواب دیا۔ "ہاں! کیوں نہیں۔"

غلام احمد عشائی نے بات آگے بڑھائی۔

" اگر آپ جیسے مخلص لوگ اس کام میں پہل کریں گے تو ضرور دشمنی دوستی میں بدل جائے گی۔"

وفد کے ارکان جب شیخ صاحب کا جواب سن کر مطمئن ہوئے تو شیخ عبداللہ کے لیے پریس کو غلط بیانی کا مرتکب ٹھہرانا ایک کارآمد اور مفید نسخہ ہاتھ آگیا۔ پہلے ہی مرحلے پر وہ اپنے بچاؤ میں پریس پر الزام لگانے میں کامیاب ہوگئے، تو بعد میں اس مفید اور کارآمد نسخے کو مرتے دم تک استعمال میں لائے۔

لاہور میں ان دونوں لیڈروں نے جموّں میں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس بلانے کا فیصلہ کرلیا تاکہ جموّں کے مسلم رہنماؤں کی سرینگر کی ناراضگی دور کرسکیں اور وقتِ ضرورت جب مسلم کانفرنس کو دفنانے کا وقت ہو اس وقت یہ رہنما کسی قسم کی رکاوٹ نہ بنیں۔

چنانچہ ۱ر دسمبر ۱۹۳۲ء کو جموّں میں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کرلیا گیا جموّں کے اس اجلاس میں حکومت کی توجہ ان مطالبات کی طرف مبذول کرائی گئی جو ورکنگ کمیٹی نے پہلے ہی ترتیب دے کر مشتہر کرائے تھے۔

اجلاس کے سلسلے میں شیخ عبداللہ ابھی جموّں میں ہی تھے کہ پنڈت تاراچند کول دہلی کانگریس کمیٹی سے پنڈت جیالال کلم کے نام یہ ہدایت لے کر آئے کہ جب شیخ عبداللہ جموں سے سرینگر تشریف لائیں تو کشمیری پنڈتوں کی طرف سے ان کا شایانِ شان استقبال کیا جانا چاہیئے۔

۲۰ر جنوری ۱۹۳۳ء کو جب شیخ عبداللہ جموّں سے سرینگر آئے تو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ پہلی بار پنڈتوں نے بھی ان کا استقبال کیا۔ حالانکہ ڈوگرہ راج کے خلاف شیخ عبداللہ کی تحریک کے کارن یہ لوگ شیخ عبداللہ کی شکل دیکھنا گوارہ نہیں کرتے تھے، اور مسلم کانفرنس بن جانے پر تو یہ لوگ ان کا نام تضحیک کے ساتھ لیتے تھے۔

سرینگر آکر شیخ عبداللہ نے اپنی مختصر تقریر میں پہلی بار "ہندو مسلم اتحاد" پر زور دیا۔ ہندو مسلم سکھ اتحاد ایک ایسا اتحّاد ہے جس پر اگرچہ جان سے قربان ہونا پڑے تو وہ بھی کم ہے لیکن جب نیت میں فتور نہ ہو، جب مقصد میں کھوٹ نہ ہو اور جب نظریہ میں اختلاف نہ ہو، حالاں کہ حقیقت یہ ہے درمیان میں یہی سب کچھ تھا، پنڈت رہنماؤں نے دیر سویر تسلیم کرکے سچّائی کا

ثبوت دیا کہ ہم مسلم کانفرنس میں اس تنظیم کو مٹانے اور اس کا پرچم ہٹانے کے لیے آئے لیکن شیخ عبداللہ کو اس سچائی کے اظہار کی توفیق بھی نہیں ہوئی کہ وہ بھی کہتے کہ ہم نے اس تنظیم کو ختم کرنے کے لیے دراصل "ہندو مسلم اتحاد" کا نعرہ لگایا۔ ورنہ ہماری ایسی نیت نہ تھی۔ ۵ رمارچ کو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا گیا اور ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، اس میں چودھری غلام عباس خان، خواجہ سعدالدین شال، آغا سید حسین جلالی، مولوی عبداللہ وکیل، پیر حسام الدین گیلانی، خواجہ غلام احمد بٹ، میاں احمد یار خان، منشی عبدالعزیز، عبدالمجید قریشی اور مولوی محمد حسین شامل کیے گئے۔ اس کمیٹی کے ذمے غیر مسلم نمائندوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنا رکھا گیا۔ یہ رابطہ کس غرض سے رکھنا تھا؟ اور اس کا مدعا و مقصد کیا تھا؟ اس سے شیخ عبداللہ، غلام احمد عشائی اور بخشی غلام محمد کے سوا اور کوئی واقف نہ تھا۔ دراصل یہ مسلم کانفرنس کی تجہیز و تدفین کی تیاری تھی۔

۱۱ رمارچ کو شیخ صاحب کے ساتھ جیالال کلم اور رام ناتھ شاستری نے ملاقات کی اور ان سے پوچھا: "آپ نے پنڈت برادری کے ساتھ بات چیت کے لیے جو وفد منتخب کیا ہے اس وفد کے ارکان کے سامنے کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب تک مسلم کانفرنس کا نام اور اس کا پرچم بدل نہیں جاتا تب تک ہم اس تنظیم کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے"۔

شیخ صاحب کے لیے یہ سوال بڑا پیچیدہ تھا اور اس موقع پر ان کے پاس اس کا کوئی جواب بھی نہ تھا۔ اس سوال سے شیخ صاحب کو پنڈت برادری کے عزائم کا بخوبی پتہ چل گیا، انہوں نے جواب دینے سے پہلے اس سلسلے میں پنڈت نہرو سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ کئی بار ارادہ کرنے کے باوجود بھی وہ دہلی نہ جا سکے حالانکہ اندر ہی اندر وہ پنڈت برادری کے عزائم پر کڑھتے تھے۔

۳ رمئی کو بڈگام کے گاؤں کنہ کوٹ میں پنڈت گاشہ لال کا گھر جل گیا۔ یہ آگ یہاں رات کے پچھلے پہر لگی، اس آگ میں سبھی گھر والے زندہ جل گئے صرف ایک جوان لڑکی ادھ جلی بچ سکی۔ اس اندوہناک آگ نے علاقے کے باشندوں کو ششدر کر کے رکھ دیا جس نے بھی اس دلدوز حادثہ کے بارے میں سنا اُسے سخت صدمہ ہوا، پنڈت برادری نے اس آگ کو انتقام گیری سے تعبیر کر کے مسلم فرقے پر اس کا الزام لگایا اور اس بہیمانہ حرکت کے خلاف احتجاج کے لیے شیتل ناتھ مندر میں جمع ہونے کا اعلان کیا۔ کئی اطراف سے پنڈت لوگ جب شیتل ناتھ مندر کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں بعض من چلے لوگوں نے ان پر پھبتیاں کس کر ان کے جذبات مجروح کر دیئے۔ کئی جگہوں پر ان پر پتھر بھی پھینکے گئے۔ اس زور زبردستی اور اس نامناسب حرکت کے خلاف شیتل ناتھ مندر میں احتجاجی جلسہ

میں حکومت سے ملزموں کو پکڑنے اور انھیں سخت سزائیں دینے کی مانگ کی گئی۔ مطالبات منوانے کے لیے کئی پنڈت رہنماؤں نے اسی مندر کے احاطے میں بھوک ہڑتال بھی شروع کی۔

پنڈت علاقوں میں مظاہرے جلسے اور جلوس شروع کیے گئے۔ ان جلسے اور جلوسوں میں مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ساتھ شیخ عبداللہ کو بھی بُرا بھلا کہا گیا۔ کنہ کوٹ کے واقعہ کو مسلم کانفرنس کی کارستانی جتا کر اس تنظیم کے خلاف شدید غم و غصّہ کا اظہار کیا گیا۔

شیخ عبداللہ نے ۵ رمئی کو پتھر مسجد میں ایک بڑے عوامی اجتماع کے سامنے کشمیری پنڈتوں کو متنبہ کرتے ہوئے کہا:

"... اگر وہ اپنی حرکات سے باز نہیں آئیں گے تو وہ خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گے آج تک ہم سیاسی طور ہندوؤں کے غلام تھے اب کسی قدر آزاد ہو گئے ہیں۔ اگر ہندو سمجھتے ہیں کہ وہ ہم کو تجارتی اور اقتصادی معاملات میں کمزور کریں گے تو یہ ان کی بھول ہے اب یہ لوگ ہم پر تسلّط قائم نہیں رکھ سکتے......"

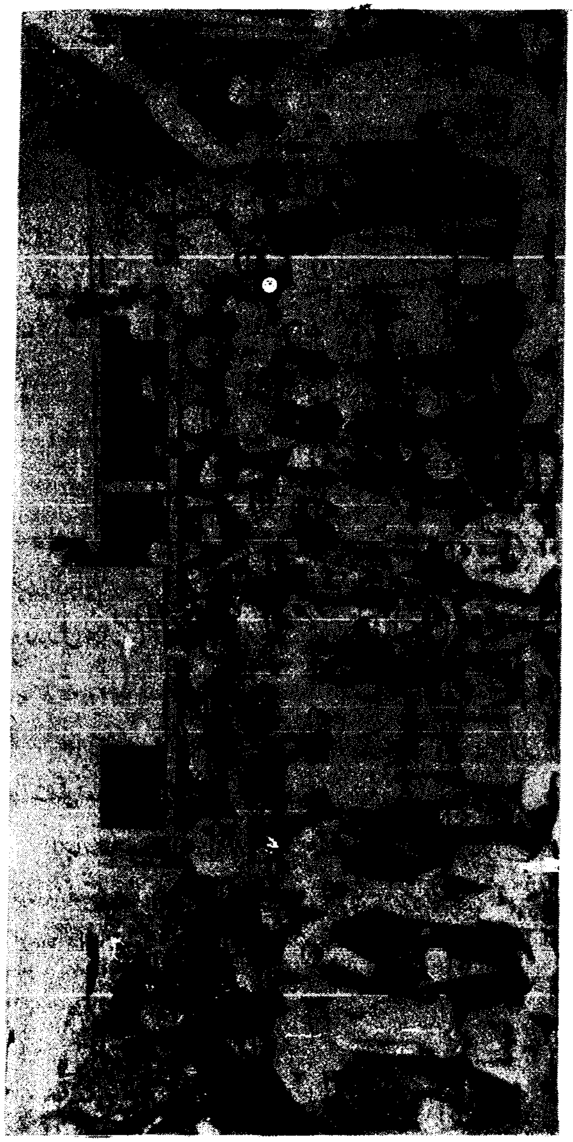
شیخ عبداللہ کی اس تقریر کا جب دور دور تک چرچا ہوا تو پنڈت رہنماؤں نے آپس میں صلاح و مشورہ کر کے ایک وفد دہلی روانہ کیا جو دہلی جاتے ہوئے دو دنوں تک جموں میں بھی رُکا اور یہاں کے بعض ہندو لیڈروں کے ساتھ مشورہ کیا۔

۱۳ رمئی کو یہ وفد سرینگر واپس آگیا اور ۱۴ رمئی کو پنڈت جیالال کلم کے گھر پر پنڈت رہنماؤں کو دورے کی تفصیلات بتائی گئیں۔

اخبار "پاسبان" کے ایڈیٹر سید معراج الدین احمد کے بیان کے مطابق پنڈت جیالال کلم کے گھر میں اسی روز شیخ عبداللہ کی دھمکی کے پیشِ نظر "مسلم کانفرنس" کو شیخ عبداللہ کے ہاتھوں ختم کرنے کا وچن لیا گیا۔


جناب منشی معراج الدین


پنڈت جیالال کلم



۱۹۳۵ء میں جب مسلم کانفرنس کا انعقاد ہوا تو غیر مسلموں نے اس تنظیم سے خار کھایا۔ شیخ محمد عبداللہ جو پچھلی صف کے وسط میں کھڑے ہیں۔ انہیں آگے لاکر ان سے مسلم کانفرنس کو توڑنے اور مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کا کام لیا گیا۔

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

تحریکِ حرّیت پر فتنہ وفساد اور غبن کے سائے

تنظیم مسلم کانفرنس میں غیر مسلموں کی گھس پیٹھ کو دیکھ کر مولوی یوسف شاہ اور ان کے قریبی ساتھی اندر ہی اندر سخت پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ لیکن کھلے بندوں اس کی مخالفت کر کے اپنے اوپر یہ لیبل لگوانا نہیں چاہتے تھے کہ وہ تنظیم میں صرف تفرقہ پیدا کر رہے ہیں۔ البتہ مسلم کانفرنس کے خلاف غیر مسلموں کی سازشیں دیکھ کر وہ زیادہ دیر تک خاموش بھی نہیں رہ سکتے۔ اس بارے میں وہ اس سازش کی کھلم کھلا مخالفت کرنے کے بجائے چور دروازہ استعمال کرنے لگے۔

انھوں نے چیدہ چیدہ جوانوں کی ایک ایسی جماعت منظم کی جو شیخ عبداللہ اور اُن کے قریبی حمایتیوں پر وار کرنے پر مامور کی گئی۔ اس سلسلے کی پہلی کارروائی انھوں نے ۲۹ جون ۱۹۳۳ء کو پتھر مسجد کے احاطے میں اس وقت کی، جب شیخ صاحب ایک بڑے عوامی اجتماع سے خطاب کرنے لگے۔ شیخ صاحب اسٹیج پر کھڑے ہوکر ابھی لوگوں کی تالیوں کی گونج میں کچھ کہنے ہی والے تھے کہ اچانک بھگدڑ مچ گئی، لوگ بھاگنے لگے۔ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہوا؟ کہاں ہوا؟ اور کیسے ہوا؟ جلسہ گاہ سے شیخ عبداللہ، مولانا مسعودی اور بخشی غلام محمد چلا چلا کر عوام کو پُرامن رہنے کی تلقین کر رہے تھے لیکن لوگ تھے کہ بھاگ رہے تھے۔

اس بھاگ دوڑ میں یہ لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ مجمع منتشر ہونا تھا سو ہوا۔ بہت لوگ دھکم پیل میں زخمی ہونے تھے سو ہوئے لیکن یہ کیا ہوا؟ اور یہ سب کس نے کیا، کرایا؟ اس سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ چنانچہ یکم جولائی کو شیخ صاحب نے مولوی یوسف شاہ اور اُن کی پارٹی کو دھمکی دی کہ "اگر وہ ہمارے خلاف تخریبی کارروائی بند نہیں کریں گے تو ہم اُن سے نپٹ

لوں گا۔ اگرچہ میں لڑنا نہیں چاہتا ہوں لیکن ان کے کرتوتوں کے طومار میرے پاس ہیں۔ میں لاری اڈے کے ڈرائیوروں کے بغیر اکیلا ہی ان سے مقابلہ کرسکتا ہوں لیکن میں ابھی خاموش رہوں گا جب حالات قابو سے باہر ہوجائیں گے تب دیکھا جائے گا اور اس کی ذمہ داری مجھ پر عاید نہیں ہوگی۔"

شیخ عبداللہ کی اس دھمکی سے مولوی یوسف شاہ خاموش رہنے والے کہاں تھے۔

دھمکی اور جوابی دھمکی کئی دنوں تک جاری رہی۔ آخر ۱۱ر جولائی ۱۹۳۳ء کو ان دھمکیوں نے فساد کی صورت اختیار کرلی، اس فساد کی ابتداء گوجوارہ میں ہوئی۔ فساد میں طرفین کے بہت سے لوگ زخمی ہوگئے۔ دکانداروں کو لوٹا گیا اور کئی مکانوں پر پتھراؤ کیا گیا۔ چنانچہ پولیس کو مداخلت کرنا پڑی۔ پولیس کی آمد سے حالات پر قابو تو پا یا گیا لیکن فتنہ فسادات کا جو پودا یہاں لگایا گیا تھا اس نے ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرلی۔

اس فساد کا الزام شیروں نے بکروں پر لگایا اور بکروں نے شیروں کو ملزم ٹھہرایا۔

مولوی یوسف شاہ زہر اُگلنے کے لئے دلال محلہ گئے اور شیخ عبداللہ نے پتھر مسجد کا رُخ کرکے وہاں مولوی خاندان پر تابڑ توڑ حملے کئے۔

فساد بڑھتے بڑھتے عالی کدل پہنچ گیا۔ لڑائی میں طرفین کے کئی آدمی شدید زخمی ہو گئے۔ آتشبازوں اور قصائیوں نے چھریوں کا مظاہرہ کیا۔ گورنر سلام شاہ نے پولیس پارٹی لے کر علاقے کا محاصرہ کرایا۔ محمد سلطان وڈو اور ایم اے حلوائی ہسپتال میں بھرتی کیے گئے۔

ادھر سرینگر میں "شیر بکرا" لڑائی جاری تھی کہ اسلام آباد میں چشمہ پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فساد ہوگیا۔ اس فساد میں شامل ہونے کے لئے جموں سے ڈوگروں کا ایک وفد بھی آگیا تھا۔

مسلم رہنماؤں کے درمیان صلح صفائی کا دور پھر شروع ہوگیا۔ مولوی عبدالرحیم اور بخشی غلام محمد نے اس میں اہم رول ادا کیا۔ عالی کدل کے ایک معزز گھرانے میں ان کے لئے دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ جس روز دونوں مخالف شام کو دعوت میں شامل ہو رہے تھے اسی روز صبح مولوی یوسف شاہ نے جامع مسجد میں دوران واعظ فرمایا:

"ہم تب تک کوئی صلح نہیں کریں گے جب تک مرزائی اس تحریک سے علیحدہ نہیں ہوجاتے"

یہ اصل میں مولوی غلام نبی کا کھڑا کیا ہوا فتنہ تھا جو ہر صلح کے موقعہ پر کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا کر دیتا تھا۔

شیخ عبداللہ کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو انھوں نے جاکر خانقاہ معلیٰ میں حاضرین کے سامنے فرمایا:

"مولوی اور ملّا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مرزائی مولوی ہیں اور یوسف شاہ مولوی نہیں بلکہ ملّا ہے اور ملّا مسلمانوں میں نفاق ڈالتا ہے۔"

شیخ صاحب کے اس بیان نے جلتی پر تیل کا کام کیا، دونوں طرف رسّہ کشی بڑھ گئی۔

نور محمد (بک سیلر) کے گھر میں تعلیم یافتہ جوان جمع ہوگئے اور انھوں نے مسلم رہنماؤں کی آپس کی رسّہ کشی پر اظہارِ افسوس کیا اور نور محمد صاحب کو اختیار دیا گیا کہ وہ دو ناراض لیڈروں کے درمیان صلح صفائی کی کوشش کریں۔

ابھی نور محمد صاحب اس صلح صفائی کی ابتدا ہی کر رہے تھے اور اپنے دیگر ساتھیوں سے اس بارے میں مشورہ کر رہے تھے کہ سرائے بالا میں دوران واعظ مولوی یوسف شاہ پر حملہ کیا گیا۔ اکیس ۲۱ آدمی زخمی ہوگئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس فساد نے ایسی صورت اختیار کرلی کہ کئی محلوں میں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے مورچے بنائے گئے۔ کئی دکانداروں کو لوٹا گیا اور راہ چلتے لوگوں سے "شیر" ہو یا "بکرا" پوچھ کر پیٹا گیا۔ کسی بزرگ پر شک ہوجاتا کہ یہ "بکرا" ہے تو اس کے گرد گھیرا ڈال کر ان کے جذبات مجروح کرنے کے لئے کہا جاتا۔

"بکراچے، کورِ چھے ترٛے، ژٛہ گیہ ژٛے اکھ دِن مٹے۔"

"اے بکرے تمھاری تو تین بیٹیاں ہیں، دو تم رکھ لو، ایک مجھے دیدو!"

شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کی گئی۔ گورنر نے پولیس آفیسروں کی ایک میٹنگ بلائی اور فیصلہ کیا گیا کہ مولوی یوسف شاہ جامع مسجد میں، مولوی احمد اللہ ہمدانی خانقاہِ معلی میں، اور شیخ عبداللہ پتھر مسجد میں صرف مذہبی تبلیغ کر سکتے ہیں۔ ان جگہوں کے بغیر کسی اور جگہ بغیر اجازت تقریر نہیں ہوگی۔

شہر کے کئی علاقے فساد کی زد میں آگئے۔ اِن فسادات کی سرسری تحقیقات کے دوران کسی نے اس کا الزام شیخ عبداللہ کے گروپ پر لگایا تو دوسرے نے مولوی یوسف شاہ کو موردِ الزام ٹھہرایا۔ اس طرح ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے والے ایک دوسرے کے دشمن بن گئے اور ان دشمنوں کا ایک دوسری پارٹی کی طرف سے قافیہ تنگ کیا جانے لگا۔

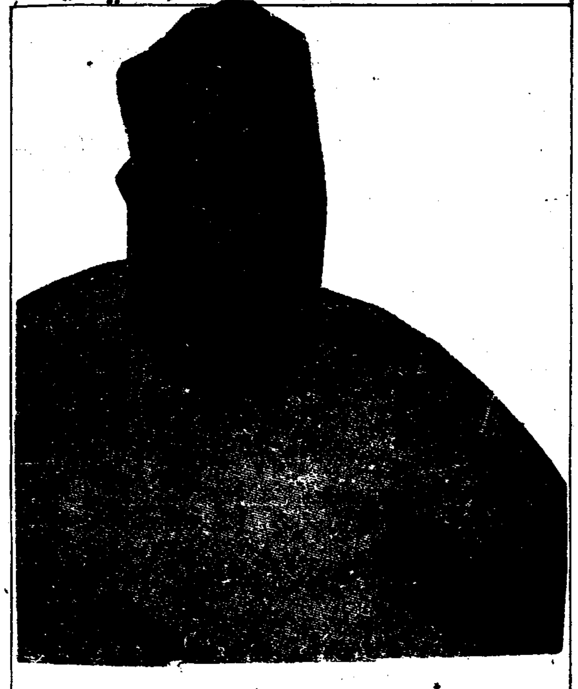
عبدالمجید سالک اور محمد حسین نے پھر صلح صفائی کی کوشش کی، مولوی یوسف شاہ نے اس شرط

پر صلح کرنا مان لیا کہ مرزائیوں کو تنظیم سے نکال دیا جائے۔ شیخ صاحب نے یہ شرط قبول کرلی تو دونوں کو سعدالدین شال کے گھر بلایا گیا۔ عین اسی روز خانیار اور زینہ کدل میں دونوں پارٹیوں کے درمیان جم کر لڑائی ہوئی۔

سعدالدین شال کے گھر میں اور لوگوں کے علاوہ مولوی یوسف شاہ اور شیخ محمد عبداللہ وازہ وان تناول فرما رہے تھے اور خانیار سے لے کر زینہ کدل تک طرفین کے درجنوں لوگ مارپیٹ میں زخمی ہو رہے تھے۔ کئی گھرانے لوٹے جا رہے تھے۔

ان فسادات سے حکومت کے لئے لاء اینڈ آڈر کا مسئلہ پیدا ہوگیا۔ چنانچہ وزیر اعظم نے مسلم رہنماؤں کو بلاکر ان میں صلح کرائی لیکن یہ صلح بھی عارضی ثابت ہوئی۔

مولوی یوسف شاہ نے مسلم کانفرنس سے علیٰحدگی اختیار کرلی اور ایک الگ تنظیم بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ محمد عبداللہ بسو مہاراج گنج کے مکان پر ان کے حامیوں کی ایک میٹنگ کا انعقاد ہوا۔ جس میں نئی تنظیم کے نام اور اس کے لائحہ عمل پر غور وخوض کیا گیا۔ تنظیم کے کئی نام زیر غور آئے اور آخر پر "آزاد مسلم کانفرنس"، کو اکثریت کی تائید حاصل ہوگئی۔ اس روز میٹنگ میں مولوی یوسف شاہ کے ساتھ ان کے زبردست حامی عبدالسلام دلال کے علاوہ عبدالرحیم بانڈے، عبدالسلام پارمو، منشی اسداللہ، صوفی غلام احمد، خضر محمد زور، غلام محمد ملک المعروف مامہ بر بجو اور



میرواعظ مولوی یوسف شاہ صدر آزاد مسلم کانفرنس

حاجی اسداللہ سوکالی پورہ وغیرہ شامل تھے۔ بعد میں اس تنظیم میں غلام محی الدین رہبر بھی شامل ہوگئے۔

یہیں پر "آزاد مسلم کانفرنس" کا پہلا اجلاس جامع مسجد کے احاطے میں کرنے کا اعلان کیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے مولوی ہمدانی اور اُن کے عقیدتمندوں کو اُکسایا کہ وہ مولوی یوسف شاہ کو جامع مسجد میں کوئی جلسہ کرنے سے روکیں، چنانچہ مولوی ہمدانی نے مولوی یوسف شاہ کے اس اعلان کو ایک چیلنج کے طور پر قبول کرلیا اور اس نئی کانفرنس کو ناکام بنانے کے لئے انجمن اتحاد المسلمین کے نام سے ایک اور جماعت قائم کی۔

مولوی یوسف شاہ کے حمائیتوں نے اس کانفرنس کو "شورہ کانفرنس" کہہ کر اس کی تذلیل کی، ۲۴ نومبر کو سارے شہر میں بڑے بڑے پوسٹر دیواروں پر چسپاں دیکھے گئے۔ جس میں انجمنِ اتحاد المسلمین کا دو روزہ پروگرام درج تھا۔ یہ کارروائی آزاد مسلم کانفرنس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے کی گئی تھی۔ اس کا تخیل نور محمد (کتب فروش) غلام محمد فاروقی، غلام جیلانی اور غلام الدین بانڈے نے دیا۔ اسی دوران سرینگر کے مختلف تکیوں کے شوروں نے اپنی کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان پوسٹروں کے ذریعے کیا تھا اور یہ پوسٹر انجمن اتحاد المسلمین کے پوسٹروں کے ساتھ ساتھ دیواروں پر لگے تھے۔ حاجرہ بی بی کے تکیہ، شہام پورہ تکیہ، سراج بازار تکیہ، کلاش پورہ تکیہ اور مائیسمہ کے تکیہ داروں نے بڑی سرگرمی شروع کی تھی۔ اسی مناسبت سے آزاد مسلم کانفرنس اور انجمن اتحاد المسلمین کی کانفرنس پر شورہ کانفرنس کا خطاب ملا۔

حسبِ پروگرام جامع مسجد میں "آزاد مسلم کانفرنس" کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ مولوی یوسف شاہ نے اپنے صدارتی خطبہ میں ریاست کے حکمرانوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ آزاد مسلم کانفرنس کا یہ اجلاس جاری تھا کہ خانقاہ معلیٰ میں مولوی ہمدانی کے زیر اہتمام ایک جلسہ ہوا۔ جس میں مولوی عبداللہ وکیل، میاں احمد یار خاں، غلام نبی گلکار اور بخشی غلام محمد نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

جامع مسجد کے اجلاس میں خانقاہ معلیٰ کی "شورہ کانفرنس" کو کوسا جا رہا تھا اور خانقاہِ معلیٰ کے اجتماع میں "بکرہ کانفرنس" ہدفِ ملامت بن رہی تھی۔

مولوی ہمدانی کے حمائیتی جامع مسجد کے باہر دھما چوکڑی کرتے تو مولوی یوسف شاہ کے حمائیتی خانقاہ معلیٰ کے پاس ہڑ بھونگ مچانے لگے۔

دونوں طرف کی یہ فسادی ٹولیاں ایک دوسرے کو پچھاڑنے پر تُلی ہوئی تھیں۔ دونوں مولویوں کی اس صورت حال نے خانہ جنگی کا سماں باندھ لیا۔ جس میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔

مولوی یوسف شاہ اور مولوی احمد اللہ ہمدانی کے حمایتی جو "زیکہ اور کوٹھ" کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ شیر اور بکرا کے بعد زیکہ اور کوٹھ کی لڑائی شرمناک حدود کو پھاندنے لگی۔

یہ دور مسلمانوں کی انتہائی بدقسمتی اور ذہنی دیوالیہ پن کا ایسا دور تھا جس میں سبھی مسلمان انتہائی پستی کی طرف جا رہے تھے۔ یہ دور اگرچہ پورے پانچ برس تک جاری رہا لیکن اس کے آثار برسوں تک قائم رہے۔

یہی وہ دور تھا جب ایک طرف "شیر بکرا" لڑائی تھی اور دوسری طرف میرواعظ مولوی یوسف شاہ اور میرواعظ مولوی ہمدانی میں پشتینی دشمنی اور جماعتی اختلافات نمایاں طور پر منظرِ عام پر آنے لگے۔ ان دونوں میرواعظوں کی ذاتی دشمنی کے ساتھ ساتھ مولوی عبداللہ وکیل پر مرزائی ہونے کا شوشہ اور جگہ جگہ ان کی ہوٹنگ بھی جاری رہی۔

واعظ خوانی اور تبلیغ کی آڑ میں دین و مذہب کے نام پر لوگوں کو بے وقوف بنا کر ان کا استحصال کیا جانے لگا۔

"شیر اور بکرا"، "زیکہ اور کوٹھ" کے نام سے مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ کرنے کا بیڑہ جو مسلم رہنماؤں نے اُٹھایا اور اس غرض کے لئے جامع مسجد، خانقاہ معلی اور حضرت بل جو دین و مذہب کے اہم مراکز مانے جاتے تھے تخریبی کارروائیوں اور فتنہ و فساد کے اڈّوں میں تبدیل ہو گئے۔

اِن مذہبی اور دینی مراکز پر جہاں مسلمانوں کو اتحاد و یکجہتی کا درس دیا جاتا، اخوت اور مساوات سے روشناس کرایا جاتا وہاں مسلمانوں کو آپس میں لڑنے مارنے اور ایک دوسرے کا خون بہانے اور ایک دوسرے کو لوٹنے کی تحریک مِل گئی۔ اس نئی تحریک نے تحریک حریت کا جو حشر کیا وہ آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

چونکہ مولوی یوسف شاہ کی آزاد مسلم کانفرنس میں کوئی معروف شخصیت شامل نہیں تھی اس لئے یہ پارٹی لوگوں میں ہدف ملامت بن گئی۔ ہر محبّ وطن نے ان کی اس علیحدہ پارٹی بنانے پر اظہارِ ناراضگی کی اور اسے اتحاد کے لئے نقصان دہ قرار دیا۔

لوگوں کی اِس پارٹی کے تئیں ناراضگی اور عدم توجہ کو مدنظر رکھ کر مسلم نمائندگان نے مُسلم

کانفرنس کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے اور اسے ریاست بھر میں پھیلانے کا فیصلہ کر لیا۔ سب سے پہلے مسلم کانفرنس کو تنظیمی اور مالی اعتبار سے مضبوط بنانے کے لئے عملی جد و جہد شروع کی گئی۔ صوبہ کشمیر کے ساتھ صوبہ جموں کے تمام قصبوں اور دیہاتوں میں مُسلم کانفرنس کی شاخیں قائم کی گئیں۔

سوپور سے صوفی محمد اکبر، سرینگر سے مولوی محمد یاسین، بارہمولہ سے عبدالرحیم ڈار، حاجن سے عبدالکبیر خان المعروف جبل بابا، سُنبل سے مختار احمد، ترال سے عبدالغنی ترالی، اسلام آباد سے مرزا افضل بیگ، گاندربل سے غلام قادر گاندربلی کو تنظیم کی شاخیں کھولنے پر معمور کیا گیا۔ قومی فنڈ کے نام سے ادارۂ بیت المال کے منتظم اعلیٰ بخشی غلام محمد مقرر کئے گئے۔

شیر اور بکرا کے ساتھ زیکہ اور کوٹھ کی معرکہ آرائی جاری تھی کہ اچانک اس کا رُخ بدل گیا۔ اب کی بار صفائی کے ہفتہ کے سلسلے میں اسکولوں کے بچّے مارچ پاسٹ کرنے نکلے، اسلامیہ اسکول کے بچّوں پر کئی شرپسند پنڈتوں نے حملہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندو مسلم فساد ہو گیا۔ جب اس فساد نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور زینہ کدل و مہاراج گنج میں غیر مسلم دُکانوں پر ہلہ بول دیا گیا تو زیارت ریشی صاحب جبہ کدل پر لوگوں کو جمع کر کے انھیں پُرامن رہنے کی تلقین کی گئی، یہاں مولوی یوسف شاہ اور شیخ محمد عبداللہ نے ایک ساتھ اسٹیج پر آکر لوگوں کو شرپسندوں کی حرکات سے خبردار کیا۔ انھوں نے واضح الفاظ میں کہا:

"یہ حملہ دراصل ہندوؤں نے نہیں بلکہ چند فسادیوں نے کیا ہے۔"

یہاں ریشی صاحب کے آستانے پر مسلمانوں کا جلسہ ہوا اور ادھر گنپت یار مندر میں کیشپ بندھو اور جیا لال کلم کی سربراہی میں پنڈتوں کا احتجاجی جلسہ ہوا۔

اِس فساد میں طرفین کے کوئی پانچ سو آدمی زخمی ہوئے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔

ریشی صاحب کے اجتماع سے خطاب کرنے کے بعد مولوی صاحب اور شیخ صاحب گنپت یار گئے اور فساد کی روک تھام کے لئے ایک امن کمیٹی ترتیب دی۔

مسلمانوں کی طرف سے سعد الدین شال، غلام احمد عشائی، شبیر علی، میر مقبول گیلانی اور پنڈتوں کی طرف سے اے۔ کے۔ رازدان، تارا چند ترسل، آنند کول بامزئی اور کیشپ بندھو مقرر ہوئے۔

یہیں پر ۱۵ راگست کو حضوری باغ میں دونوں فرقوں کا مشترکہ جلسہ کرنے کا اعلان

کیا گیا۔ جلسہ کی تیاریاں شدومد سے ہونے لگیں۔ امیراکدل سے حضوری باغ تک محرابیں لگائی گئیں۔ کانگریس کی طرف سے کشمیری پنڈتوں کو اس اجلاس میں بڑے پیمانے پر شرکت کی ہدایت مل گئی تھی۔ لیکن کیشپ بندھو، رام ناتھ شاستری اور جیالال کلم اس میں شریک نہ ہوئے۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز نے پنڈت برادری کی طرف سے شیخ صاحب کو ایک سپاسنامہ پیش کیا جو دہلی میں کانگریس پارٹی نے ترتیب دیا تھا۔ لیکن دیگر پنڈت رہنماؤں کی عدم شرکت کی وجہ سے اکثر پنڈت جلسہ میں شریک نہ ہوئے۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز کی اس حرکت پر پنڈت برادری نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ چنانچہ انھوں نے نہ صرف بزاز صاحب کا قافیہ تنگ کیا۔ بلکہ اُن کا سوشل بائیکاٹ بھی کیا گیا۔ ایک موقعہ پر ان کے گھر پر پتھراؤ بھی کیا گیا۔

پنڈت جیالال کلم، کیشپ بندھو، ڈاکٹر پشن وغیرہ اس بات پر بضد تھے کہ پہلے مُسلم کانفرنس کا نام مِٹایا اور اس کا پرچم ہٹایا جائے پھر ہم شرکت کریں گے۔

پنڈت رہنماؤں کی اس ضد اور ہٹ نے شیخ عبداللہ کے لئے عجیب صورت حال پیدا کردی انھوں نے پنڈت برادری سے کہا۔ میں اِس سِلسلے میں پنڈت نہرو سے بات چیت کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں لیکن عدیم الفرصت ہونے کے سبب میں اس دوران دہلی نہیں جاسکا۔ چنانچہ اب کی بار انھوں نے اس سِلسلے میں بخشی غلام محمد کو دہلی روانہ کیا۔ دہلی میں پنڈت نہرو سے ملاقات کے فوراً بعد ڈاکٹر سیف الدین کچلو سرینگر آکر خواجہ احمداللہ شہداد کے گھر میں ٹھہر گئے اور یہیں پر شیخ عبداللہ، پنڈت جیالال کلم اور پریم ناتھ بزاز کی کئی میٹنگیں ہوئیں۔ ڈاکٹر کچلو نے اس اُلجھے ہوئے معاملے پر ان رہنماؤں کے ساتھ تفصیل کے ساتھ گفتگو کی، پنڈت رہنماؤں کو یقین دلایا گیا کہ دیر سویر ان کا مُطالبہ پورا ہوگا لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ شیخ صاحب کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

۱۲ اکتوبر کو خانقاہ معلیٰ میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا مشترکہ جلسہ ہوا۔ اس میں ہوم منسٹر وجاہت حسین، نواب خسرو جنگ اور سر عبدالقادر بھی موجود تھے مسلم کانفرنس کی صفوں میں غیر مسلموں کو شامل کرنے میں حکومت نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کام کی عملآوری میں حکومت نے مسلمان وزیروں کو جھونک دیا۔

خانقاہ معلیٰ کے اسٹیج پر غیر مسلم رہنماؤں کی شرکت اور مسلم کانفرنس کی تبدیلی کے سجھاؤ نے کئی مسلم رہنماؤں کو ناراض کردیا۔ اِن میں مولوی یوسف شاہ پیش پیش رہے، انھوں نے

شیخ عبداللہ کی اس کارروائی کی مخالفت دوسرے انداز سے کی۔

مولوی صاحب نے شیخ عبداللہ پر تنظیم میں پھوٹ ڈالنے اور تنظیم کے فنڈس غبن کرنے کے الزامات لگائے۔ شیخ صاحب خاموش رہنے والے کہاں تھے۔ انھوں نے مولوی یوسف شاہ کا کچا چِٹھا نِکال دیا۔ اس طرح جب ایک دوسرے پر پارٹی فنڈس غبن کرنے اور حکومت کا آلہ کار بننے تنظیم کے خلاف سازشیں کرنے کے الزامات اور جوابی الزامات نے شدّت اختیار کرلی تو تحریک دوسرا رُخ اختیار کرنے لگی۔

وہ مرد جو اپنا پیٹ کاٹ کر اور وہ عورتیں جو اپنے زیوات بیچ کر مُسلم اِتحاد کے لئے چندہ دے رہی تھیں۔ وہ دوسری تنظیمیں مالی امداد جمع کرکے کشمیری مظلومین کے لئے بھیج رہی تھیں۔ اس سب کو مالِ غنیمت جان کر یہاں کے بعض مسلم رہنما لوٹ رہے تھے اور سرِ راہ اس کا بھانڈا ابھی پھوڑ رہے تھے۔ ان حالات نے اکثر مُسلم رہنماؤں کو شرمسار کیا۔ شرمسار ہونے والوں میں وہ مسلم عہدیدار بھی شامل تھے جو بظاہر حکومت کے تابعدار تھے مگر بہ باطن مُسلم اتحاد کے طرفدار تھے۔

ان میں وزیر محمد خاں ڈی۔ آئی۔ جی، مسٹر عبدالرشید اے۔ ڈی۔ ایم اور اے۔ ایس۔ پی حکیم حبیب اللہ شامل تھے۔ ان پولیس آفیسروں نے صبح سویرے شیخ محمد عبداللہ اور مولوی، یوسف شاہ کے گھر جاکر انھیں گاڑی میں بٹھا دیا اور گگری بل میں چوہدری خوشی محمد ناظر کی کوٹھی پر پہنچا دیا۔ یہاں ناظر کے ساتھ اس وقت ملک محمد شیر خان بھی موجود تھے۔

دونوں مسلم رہنماؤں کو یہاں لاکر پہلے انھیں چائے پلائی گئی اور اس کے بعد ان کی خوب خبر لی گئی۔ انھیں مسلمانوں کا نام و ناموس بدنام کرنے پر اُن کی ملامت کی گئی۔

خوشی محمد ناظر نے ان سے کہا:

"آپ کو یہ جاننا چاہیئے کہ مجھے خوشی محمد ناظر سابقہ گورنر اور ریونیو منسٹر کہتے ہیں۔ میں وہ شخص ہوں جس نے یہاں ظلم و زیادتی اور بیگاری کے خلاف ایک موثر قدم اُٹھایا۔ میں نے رشوت خوری اور لوٹ کھسوٹ کے خلاف یہاں ایک کامیاب تحریک چلائی۔ میں نے بھیس بدل کر رنگے ہاتھوں کئی بڑے بڑے آفیسر پکڑ کر انھیں کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ بددیانتی، لوٹ کھسوٹ اور رشوت خوری کے خلاف میرا جہاد لوگوں کو آج بھی ازبر یاد ہے۔ آپ کو جاننا چاہیئے مظلوم کشمیریوں کے لئے امداد کے نام سے جو رقومات یہاں آرہی ہیں ایک تو آپ ان رقومات پر ہاتھ صاف کررہے ہیں۔ دوسرے اس کا جو چرچا کررہے ہیں۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟"

وزیر محمد خان نے دونوں سے مخاطب ہوکر فرمایا:

"اوّل تو آپ امدادی رقومات ہڑپ کرکے گنہگار بن رہے ہیں اور دوسرا سرِ راہ اس کا چرچا بھی کر رہے ہیں اور ایسا کرکے آپ کو شرم بھی نہیں آتی!"

شیخ صاحب نے مولوی صاحب کی موجودگی میں کہا:

"مجھے خود بھی اس کا احساس ہے مگر اس مولوی کو کیا کیا جائے، انھوں نے وقت وقت پر مسلمانوں میں نفاق ڈالا۔ یہ مرزائیوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ مرزا بشیر محمود کو کشمیر کمیٹی سے نکالنے پر بضد ہیں۔ حالانکہ کشمیر کمیٹی نے ان کو پانچسو روپے دیئے ہیں۔ خود مرزائیوں کا کھاتا ہے اور مجھے مرزائیوں سے دور رہنے کو کہتا ہے۔ آپ تو خود بھی جانتے ہیں۔ وزیر اعظم ہری کرشن کول نے مامہ بقال کے ذریعے انھیں پھنسایا اور کئی روپیوں کی خاطر یہ تحریک کو کمزور کرنے کا باعث بنا۔ مجھ پر یہ کانفرنس کے ہزاروں روپے ہڑپ کرنے کا الزام لگا رہے ہیں، آپ عشائی سے جاکر پوچھ لیجیے۔ میں نے انھیں بھی اپنے حصے کے ۲۵ سو روپے دیئے ہیں۔ اس کے باوجود بھی یہ مجھے بدنام کر رہے ہیں۔"

غلام احمد عشائی کو گواہ بناکر مولوی صاحب کو غبن کی رقومات میں سے ۲۵ سو روپے دینے کا اقرار کرکے شیخ عبداللہ نے جس بات کی تصدیق کر دی اس سے خوشی محمد ناظر، وزیر محمد خان، ملک شیر محمد خان، مسٹر عبدالرشید اور حکیم حبیب اللہ دم بخود ہوکر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے

تھوڑی دیر بعد مولوی یوسف شاہ سے اس بارے میں کچھ بولنے کو کہا گیا لیکن انھوں نے گویا ہونٹ سی لئے تھے۔ آخر پر انھوں نے ان دونوں مسلم رہنماؤں کی صلح کرادی۔ دونوں کو ایک دوسرے کے گلے لگوایا گیا اور ان سے وعدہ لیا گیا کہ وہ آئندہ نہ کسی قسم کا غبن کریں گے اور نہ ہی پبلک جلسوں میں ایک دوسرے پر اس قسم کے الزام لگائیں گے۔

نور محمد (بک سیلر مہاراج گنج) جو شیخ محمد عبداللہ کے حمائیتیوں میں تھے۔ انھوں نے اپنی ڈائری کے صفحہ نمبر ۳۶ ۷ میں اس رقم کو جو مولوی یوسف شاہ کو مالِ غنیمت میں سے دی گئی تھی ۲۷ سو بتائی ہے۔ مگر اخبار "صداقت" کی ۸ ر فروری ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں یہ رقم ۲۵ سو روپے درج ہے۔

پولیس آفیسر حکیم حبیب اللہ کے گھر سے جو ریکارڈ دستیاب ہوا ہے اس میں رقم کے بارے میں ۲۲ سو کا ذکر ملتا ہے۔

کہنے سننے میں کہاں غلطی ہوئی ہے اور اصل رقم کتنی ہے اس بات کو الگ رکھ کر کشمیری مظلومین کے ریلیف کی رقم میں غبن کی تصدیق چاہے یہ ۲۲ سو، ہو یا ۲۵ سو یا ۲۷ سو حد درجہ افسوسناک حرکت ہے اور اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے؟

کشمیری مسلمانوں کے یہ رہنما تحریکِ حریّت کی آڑ میں جن ذلیل قسم کی حرکات کے مرتکب بن رہے تھے اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

وادی کے مسلمانوں نے ان دونوں خاندانوں کی پیروی میں جو قربانیاں دیں ان قربانیوں کے ضائع ہونے کا ایک بڑا سبب یہی ہے کہ ان کی نیت صاف نہیں تھی۔ ان رہنماؤں کی حرکات نے تحریک کو داغدار بنا دیا۔ تحریکِ حریّت پر اس قسم کا داغ مظلوم کشمیریوں کے خون سے بھی نہ دھل سکا۔ نہ دھلے گا۔

ریاست کے وہ لوگ جو تب سے اب تک اِن دو خاندانوں کی پیروی کرتے آئے ہیں۔ کبھی اپنی منزل نہ پائے اور نہ پاسکیں گے۔ کیونکہ انھوں نے جن اصحاب کو اپنی عقیدت کا محور سمجھا ہے اور جنھیں عزّت و احترام کا منبع سمجھ لیا ہے۔ وہ اس کے ہرگز مستحق نہیں تھے۔ نہیں ہیں۔

کشمیری عوام اپنی راہ سے کیوں بھٹک گئے۔ کشمیری عوام اپنی تمنائیں، آرزوئیں اور ارمان جو ملیامیٹ ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ اس کا اہم سبب یہی ہے کہ انھوں نے ناخداؤں کو خدا سمجھ کر ان کی پوجا کی۔

کشمیری عوام جو ان دو خاندانوں کو تب سے اب تک برابر اپنا اعتماد دے رہے ہیں۔ وہ خود ہی اس اعتماد کو ٹھیس پہنچا رہے ہیں۔ عقیدت کے یہ اندھے لوگ دوسروں کے لئے وبالِ جان بن رہے ہیں۔

شیخ محمد عبداللہ اور مولوی یوسف شاہ گلے ملنے اور ایک دوسرے کی مخالفت سے توبہ کرنے کے باوجود بھی ایک دوسرے سے دور دور رہے۔ جبکہ انھیں نزدیک لانے کی کتنی ہی کوششیں کی گئیں، دونوں مسلم کانفرنسیوں کو ملانے اور تنظیم میں اس پھوٹ کو دور کرنے کے لئے سید حسین جلالی نے مسلم کانفرنس اور آزاد مسلم کانفرنس کے رہنماؤں کی دعوت کی۔

دعوت کھانے کے بعد جب بیشتر رہنما اور کارکن رخصت ہوئے تو باتوں باتوں میں "مسلم کانفرنس" کے اخبار کا مسئلہ اُٹھ گیا۔ مسلم کانفرنس کی تنظیم کے اخبار "صداقت" کے لئے حکومت نے نقدی تین ہزار روپے کی ضمانت مانگی تھی۔ غلام احمد عشائی نے پارٹی فنڈس سے یہ رقم واگزار

کرنے کے لئے کہا تو شیخ عبداللہ نے جواب دیا:

"پارٹی فنڈس میں اتنی رقم ہے نہیں۔ ہمارے پاس صرف تیرہ[۱۳] ہزار روپے تھے۔ وہ سب کے سب کانفرنس میں خرچ ہو گئے۔"

"وہ کس مد پر خرچ ہو گئے؟" احمد یار خان نے پوچھا تو شیخ صاحب ایک دم تڑپ اُٹھے اور بولے:

"آپ لوگ مجھ سے حساب کیوں مانگ رہے ہیں؟ میں نے کوئی مکان نہیں بنا یا کوئی جائیداد نہیں خریدی۔"

شیخ صاحب کے اس طرح جواب دینے سے بعض حضرات ناراض ہو گئے اور نوبت تو تو میں میں پر پہنچ گئی۔ عشائی صاحب بڑے خشمناک ہو کر مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے۔

چند روز کے بعد اخبار "پاسبان" میں عشائی صاحب کا ایک مراسلہ شائع ہوا۔ جس میں انھوں نے شیخ عبداللہ پر نہ صرف تنظیم کے روپے خرد برد کرنے کا الزام لگایا بلکہ یہ بھی لکھا کہ شیخ صاحب کسی اصول کے آدمی نہیں اور نہ ہی وہ اتحاد المسلمین کے حامی ہیں۔ وہ صرف ڈکٹیٹرانہ طرزِ عمل اختیار کر کے اپنی لیڈری قائم کرنا چاہتے ہیں۔"

اس واقعہ کے بارے میں پیر افضل مخدومی نے بھی اپنی ڈائری میں ذکر کیا ہے۔

پچھلے چند برسوں سے ریلیف اور چندہ کی رقومات ہڑپ کرنے کے بارے میں الزامات اور جوابی الزامات نے مسلم اتحاد میں جو پھوٹ ڈال دی تھی وہ عشائی صاحب کے مراسلے سے اور بڑھ گئی۔ چنانچہ آئندہ اس قسم کی باتیں نہ ہونے کے لئے صلاح مشورہ کیا گیا اور یہ فیصلہ لیا گیا کہ بعض مسلم رہنماؤں کو جن کی مالی حالت ٹھیک نہیں پارٹی فنڈس سے معاوضہ دیا جائے تاکہ انھیں دوسرا طریقہ اختیار نہ کرنا پڑے۔

اخبار "صداقت" کے لئے احمد اللہ شہداد نے ایک ہزار، غلام احمد جو ئیلر نے ایک ہزار، سید حسین جلالی نے پانچ سو روپے اور علی محمد وانی نے پانچ سو روپے دینے کا اقرار کر لیا۔ تاکہ اخبار جاری رہ سکے۔

اگلے ہفتے سے پارٹی کے لئے فنڈس مانگنے کے ساتھ ساتھ شیخ عبداللہ کے لئے چندہ جمع کیا گیا۔ چندہ جمع کرنے کا یہ کام غلام احمد جو ئیلر اور محمد یحیٰی رفیقی نے شروع کیا۔

۱۷ر ستمبر ۱۹۳۴ء کو احمد اللہ شہداد نے معززینِ شہر، سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کو اپنے

ہاں مدعو کیا۔ انھیں ٹی پارٹی دی۔ اس ٹی پارٹی کے اختتام پر شہداد صاحب نے اعلان کیا کہ شیخ محمد عبداللہ مسلم کانفرنس کی صدارت چھوڑ کر یہاں سے کسی مسلم دیش میں ملازمت کرنے جائیں گے کیونکہ یہاں ان کا گزارہ نہیں ہوتا۔ اگر آپ لوگ اُن کا یہاں رہنا چاہتے ہیں تو اس کے واسطے دس ہزار روپے جمع کرو۔ یہ دس ہزار روپے ہم کسی کاروبار میں لگائیں گے اور اس کا منافع شیخ عبداللہ کو دیں گے۔ تاکہ ان کے گزر بسر کا انتظام ہو سکے۔

یہ رقم جمع کرنے کا کام ابھی جاری تھا کہ ۶ر نومبر ۱۹۳۴ء کو شیخ عبداللہ نے خواجہ حبیب اللہ زرگر زینہ کدل کے ہاں دعوت کے دوران حاضرینِ مجلس کے سامنے فرمایا:

"میں اب یہاں نہیں رہوں گا۔ بلکہ بیرسٹری کے لئے ولایت چلا جاؤں گا۔ وہیں میں اپنے گزارے کی سبیل کروں گا۔ یہاں میرا تین ہزار روپے کا قرضہ ہے جو میں اِدھر اُدھر کر کے وصول کروں گا اور پھر چلا جاؤں گا۔"

اس مجلس میں وہ لوگ بھی موجود تھے۔ جنھوں نے اُن کے لئے پچھلے کئی مہینوں سے خاصی رقم جمع کر کے اُنھیں دی تھی۔ جب شیخ صاحب کے لئے خواجہ حبیب اللہ زرگر کے ہاں پھر چندہ مانگا گیا تو مہدہ ٹنکی، علیم الدین، محی الدین کاؤسہ، غلام نبی ہمدانی اور عبدالخالق پرے نے اسے بلیک میلنگ کہا اور چندہ دینے سے صاف انکار کیا۔ ان کی دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی شیخ عبداللہ کی اس دھمکی کو سیاسی سودے بازی کہا۔ ایک کھلبلی سی مچ گئی۔

کئی لوگوں نے چندہ دیا اور اکثر لوگ اس کے بغیر ہی اُٹھ کر چلے گئے۔

کئی حلقوں میں اس بلیک میلنگ اور سودے بازی کا چرچا رہا۔

۵ر دسمبر کو شیخ صاحب نے اپنا یہ مطالبہ پھر دہرایا کہ:

"میں یہاں نہیں رہوں گا۔ میں انگلستان جا کر بیرسٹری کروں گا۔ میں علی گڑھ والوں کی امداد کا انتظار کر رہا ہوں وہ امداد آئی تو چلا جاؤں گا۔"

شیخ عبداللہ کے اس مکرر اعلان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کشمیری قوم کو ڈوگرہ راج کے ظلم و جبر سے نجات دلانے کے لئے اس مظلوم قوم کی رہنمائی نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ ایک 'بنیے' بن کر سیاسی دُکان چلا رہے تھے اور کشمیری مظلومین کے مطالبات اپنی دُکان پر سجا کر وہ انھیں سستے میں بیچنا نہیں چاہتے تھے بلکہ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنا چاہتے تھے، اور جب ان پر منافع خوری کا الزام لگ جاتا تو وہ یہ دُکانداری چھوڑ کر ولایت جانے کی دھمکی

دے رہے تھے۔

شیخ صاحب کی اس دھمکی کو سُن کر صدر الدین کُشو ساکنہ فتح کدل نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"شیخ صاحب! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں اور کس سے کہہ رہے ہیں۔ میرے پاس اس تمام رقم کا حساب موجود ہے جو آپ کو مرزائیوں سے ملی ہے۔ اگر آپ کہتے ہیں تو میں آپ کو حساب کی یہ رجسٹری دکھاؤں گا۔"

حساب کی رجسٹری کے انکشاف نے سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ چنانچہ غلام نبی گلکار کے اصرار پر فیصلہ ہوا کہ کل صبح نو بجے اس رجسٹر کو مجلس میں پیش کیا جائے۔ احمد اللہ شہداد کے گھر پر مجلس کا پروگرام رکھا گیا۔

وقتِ مقرّر پر صدر الدین کُشو جب حساب کا رجسٹر لے کر آئے تو اس میں ۳۲ ہزار کا حساب تفصیلات کے ساتھ درج تھا۔ رجسٹر میں یہ بھی دکھایا گیا تھا کہ مقدمات کی پیروی کے سلسلے میں جو وکلاء کشمیر بھیج دیئے گئے۔ اُن کا خرچہ اور شیخ عبداللہ کے لئے موٹر کی رقم اس کے علاوہ ہے۔ موٹر کی رقم وصول کرنے کے باوجود ابھی تک موٹر نہیں خریدی گئی تھی۔ رجسٹر میں کشمیر کے لئے ماہانہ خرچہ جو تین ہزار سے چار ہزار تک "کشمیر کمیٹی" ہر ماہ ادا کرتی تھی۔ اس کو پورا کرنے کے لئے غیر احمدیوں سے ۷ ہزار روپے حاصل کرنے اور ۸ ہزار روپے بطور قرضہ حاصل کرنے کا بھی ذکر تھا۔

حاضرین کے سامنے یہ تمام حساب وکتاب رکھ دیا گیا تو کم از کم ہر ایک کی بولتی بند ہو گئی۔ شیخ محمد اکبر نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

"ہمیں احراریوں اور مسلم لیگیوں کا بھی حساب دیکھنا چاہیئے اگر وہ کسی کے پاس ہے۔ تو پیش کریں۔"

غلام نبی گلکار اور محمد ایوب نے میر پور کے دورے کی تفصیلات بتاتے ہوئے اس بات کے لئے شرمندگی کا اظہار کیا کہ ہم جہاں جہاں بھی گئے ہم سے فنڈس کا حساب مانگا گیا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ ہمیں ریلیف کا حساب دینے میں کیا دشواری ہے۔ یہ حساب نہ صرف ہم سے میر پور میں مانگا گیا بلکہ مظفر آباد والے بھی مانگ رہے ہیں۔ یہاں سوپور، بارہمولہ اور اسلام آباد سے بھی ریلیف کی رقومات کا حساب مانگا جا رہا ہے۔"

اس موقع پر بخشی غلام محمد نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

"ورکنگ کمیٹی اس حساب کی اشاعت مناسب نہیں سمجھتی، اگر کانگریس حساب نہیں مانگ رہی ہے تو یہ لوگ کیوں مانگ رہے ہیں؟"

بخشی صاحب کے اِس انکشاف سے کانگریس کی طرف سے رقومات آنے کا افشا ہوا تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ سعد الدین شال، قاضی عبدالغنی دلنہ، پیر ضیاء الدین، سید محمد امین، منشی شہاب الدین اور شیخ محمد اکبر نے کانگریس سے رقومات وصول کرنے پر سخت اعتراض کیا اور تنظیم کو اس بات سے پوشیدہ رکھنے پر ان رہنماؤں کی سخت نکتہ چینی کی گئی۔

غلام نبی گلکار نے پوچھا اگر مرزائیوں سے ہم نے ۳۲ ہزار وصول کر لئے۔ تو اس میں سے کانفرنس پر صرف ۱۳ ہزار خرچ ہوئے، حالانکہ شیخ صاحب نے "کشمیر کمیٹی" کے صدر کو صرف ۸ ہزار کا حساب دیا ہے۔ مجلس احرار، مسلم لیگ اور کانگریس کا حساب ہماری نظروں سے اُوجھل ہے۔ یہ ساری رقومات گئی کہاں؟"

دیر تک ہنگامہ آرائی کے بعد یہ مجلس اختتام پذیر ہوئی۔ اگلی میٹنگ میں مسلم کانفرنس جیسی عظیم تنظیم چلانے کے لئے دوسرے لوازمات کے علاوہ مالی امداد کا معاملہ زیرِ غور آیا۔ اس کیلئے طریقہ کار یہ مرتب کیا گیا کہ جن جلسوں میں مسلم قائدین تقریر کریں گے۔ وہاں نقد و جنس جمع کیا جائے گا اور جو کچھ حاصل ہو گا۔ اِن مبلغات کو محمد یحیٰی رفیقی کے سپرد کیا جائے اور مالیاتی کمیٹی کی منظوری کے بعد اخراجات کئے جائیں۔ شیخ صاحب روپے زیورات وغیرہ جمع تو کر سکتے ہیں مگر ان کو ایک کوڑی تک خرچ کرنے کا اختیار نہیں ہو گا۔ اس مالیاتی کمیٹی میں خواجہ سعد الدین شال، خواجہ غلام احمد عشائی اور مولانا یوسف شاہ وغیرہ ممبر مقرر ہوئے۔ محاسب میر علی شاہ، اور خزانچی محمد یحیٰی رفیقی بنائے گئے۔

اس فیصلے کے باوجود شیخ صاحب جلسوں میں جو چندہ جمع کرتے تھے اُس کو مالیاتی کمیٹی میں جمع نہیں کرتے تھے۔ کمیٹی انتظار کرتی رہی اور شیخ صاحب چندہ جمع کرتے رہے۔ جب رقومات ہزاروں تک جمع ہو گئے تو ان سے رقومات پیش کرنے کا تقاضا کیا گیا۔ انھوں نے اپنے پاس کوئی رقم ہونے سے صاف انکار کیا۔ اس پر مالیاتی کمیٹی سخت برہم ہوئی۔ شیخ صاحب پر بدنظمی، غبن اور بددیانتی کے الزامات عاید کئے گئے۔ یہاں تک شہر میں جگہ جگہ اس کا چرچا ہوا۔ آخر اس بددیانتی اور غبن کی تحقیقات کے لئے سعد الدین شال کے گھر واقع خانیار میں ایک میٹنگ بلائی

گئی۔ اس میٹنگ میں چندہ کمیٹی کے علاوہ اور بھی کئی سرکردہ حضرات میر مقبول گیلانی، سید حسین جلالی غلام نبی گلکار اور بخشی غلام محمد کے ساتھ شیخ عبداللہ بھی موجود تھے۔ شیخ عبداللہ سے جواب طلبی کی گئی اور پوچھا گیا کہ آپ نے جو چندہ جمع کیا۔ وہ کمیٹی کے سامنے پیش کیوں نہ کیا۔ انھوں نے جواب دیا۔ میں نے کوئی خیانت نہیں کی بلکہ میں نے اس رقم سے احراری مہمانوں کے اخراجات پورے کئے اُن کے کھانے پینے، رہائش اور سفر خرچ وغیرہ میں نے اسی رقم سے کیا۔

سعدالدین شال نے کہا۔ یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ حق تو یہ ہے کہ احراری لیڈر ہم کو نہ صرف چندہ دیتے ہیں بلکہ اپنے اخراجات خود برداشت کرتے ہیں۔ مولوی یحییٰ رفیقی نے کہا۔ ہم جا کر اُن سے پوچھ لیں گے۔ اس پر سخت لے دے ہوئی۔ مولوی یحییٰ رفیقی مشتعل ہو کر شیخ صاحب کے خلاف غلیظ زبان استعمال کی، جب شیخ صاحب کی حالت قابلِ رحم ہوگئی تو فیصلہ ہوا۔ آئندہ شیخ صاحب کو ضروری اخراجات کے لئے رقومات خرچ کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے تاکہ انھیں دوسرا طریقہ اختیار کرنا نہ پڑے اور بار بار خفت نہ اٹھانی پڑے۔

۶ر نومبر ۱۹۳۳ء میں مجاہد منزل کی بنیاد ڈالی گئی۔ ابتدا میں اس کے لئے ۱۶ سو روپے جمع ہوئے۔ پتھر اور بھٹہ کے ٹھیکیداروں نے اینٹ اور پتھر سپلائی کرنے کا وعدہ کیا۔ سنگِ بنیاد خود شیخ عبداللہ نے رکھا۔ مسلم کانفرنس کے سرکردہ ارکان اس موقع پر موجود تھے۔ مجاہد منزل کی تعمیر کے لئے چندہ جمع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۳۴ء سے فراہی چندہ کی اسکیم شروع کی گئی بخشی غلام محمد کی معیت میں کئی ارکان محلہ وار گھر گھر جا کر چندہ جمع کرتے رہے۔ اس چندہ مہم میں جب غبن کے سائے منڈلانے لگے تو غلام نبی گلکار اور محمد ایوب صابر نے اشتہارات کے ذریعے غبن کرنے والوں کو خبردار کیا۔

شیخ محمد عبداللہ غلام نبی گلکار اور محمد ایوب صابر پر سخت برہم ہوئے اور ان کے خلاف ایک محاذ کھڑا کیا۔ ان پر فتنہ جگانے کا الزام لگا کر غلام نبی گلکار سے معافی نامہ طلب کیا گیا۔

مسلم کانفرنس نے ۱۹۳۶ء میں بیت المال قائم کیا۔ اس کے انچارج محمد یحییٰ رفیقی، سید محمد مقبول بیہقی، سید محی الدین اندرابی، صدر الدین بچھ، عبدالغنی ترالی تھے۔ اس بیت المال کے حساب و کتاب پر احمد علی، منشی نصیرالدین اور غلام محمد بچھ مامور تھے۔ مفصلات میں دیگر افراد اس کام پر مامور تھے۔ ان کی نگرانی صدر الدین بچھ (مجاہد) اور عبدالغنی ترالی کر رہے تھے۔ شہر سرینگر میں جو شالی چاول وغیرہ اجناس بطور امداد جمع کیا جاتا تھا۔ اس کے لئے خواجہ غلام رسول

نواری، حبیب اللہ دیدہ مری اور غلام محمد بھا کھور نگران تھے۔ شالی چاول، مکی وغیرہ جو مفصلات لائی جاتی تھی اسے مجاہد منزل کے صحن میں جمع کیا جاتا تھا بعد میں اسے فروخت کے مصارف پورے کئے جاتے تھے۔ اکثر حالات میں رات کی تاریکی میں شالی اور چاول کی ریاں غائب ہو جاتی تھیں۔ ایک بار جب کافی تعداد میں بوریاں غائب پائی گئیں تو مفتی ضیاالدین فرمایا۔" زنگ نِرا بنک دُز "

جب ان سے اس کا مطلب پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا۔
" شالی اور چاول کے تھیلے گھسیٹ کر اپنے مقام پر پہنچائے گئے۔

اس چوری، خورد برد اور غبن پر جنگ زرگری شروع ہوگئی اور الزامات عائد کئے گئے یہ قومی سرمایہ کی سراسر خیانت ہے۔ اس خیانت پر پوسٹر بازی شروع ہوئی اس سلسلے میں غلام گلکار کی طرف سے ایک بڑا پوسٹر شائع کیا گیا۔ جس میں ریلیف کی رقومات کی تحقیقات اور خرد برد جانچ کا مطالبہ کرنے کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ کو موردِ الزام گردانا گیا۔ مولوی عبداللہ وکیل نے ان میں تحقیقات اور جانچ پڑتال کا مطالبہ دہرایا۔

غلام نبی گلکار اور مولوی عبداللہ وکیل کے ان الزامات سے شیخ محمد عبداللہ بوکھلاہٹ شکار ہوئے اور انھوں نے تنظیم سے احمدیوں کو نکالنے کا پرچار کیا۔

عوامی اجتماعات میں احمدیوں سے شکایت کی کہ ہم نے ان کے لئے پتھر کھائے۔ مولوی سف شاہ اور احراریوں کی ناراضگی مول کی مگر یہ اپنی اوقات پر آئے۔ شیخ صاحب اور ان حامیوں کی احمدیوں کے ساتھ باضابطہ لڑائی شروع ہوگئی۔

اس طرح جب مسلم کانفرنس تین حصوں میں بٹ گئی۔ کئی اصحاب نے درمیان داری کر کے کی صلح کرانے کی کوشش کی۔ اس بارے میں پروفیسر علیم الدین سالک نے اہم رول ادا کیا اور ں نے دونوں طرف کے رہنماؤں کو ایک جگہ جمع کر کے اختلافات اور الزامات پر تبادلہ خیالات نے کو کہا۔ چنانچہ علیم الدین نے کُندن گر کے ہاں مجلس رہی۔

شیخ صاحب بذات خود اس مجلس میں شریک نہ ہوئے۔ البتہ ان کی طرف سے بخشی غلام محمد یار خان، غلام احمد جو ٹیلر اور دوسرے شامل ہوئے۔ احمدیوں کی طرف سے مولانا عبداللہ وکیل نبی گلکار اور محمد ایوب صابر پیش ہوئے۔

دونوں طرف کے الزامات جن میں کرپشن، دھاندلی، غبن، خیانت، تفرقہ اور ڈسپلن شکنی

شامل تھی۔ الزامات سننے اور ان پر اپنا فیصلہ دینے کا دونوں جماعتوں نے علیم الدین سالک پروفیسر مسلم کالج لاہور کو اختیار دے دیا۔

کندن گر کے گھر میں پورے اٹھارہ گھنٹے تک سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ الزامات اور ان کے ثبوت پیش کئے گئے۔

پروفیسر علیم الدین نے دونوں طرف کے بیانات سننے کے بعد پبلک اجتماع میں اپنا فیصلہ سنانے کو کہا تو اس کے لئے پتھر مسجد کا احاطہ مقرر ہوا۔

حسب پروگرام جب پروفیسر علیم الدین نے پبلک اجتماع میں شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے چند حواریوں پر فرد جرم عائد کیا تو کئی لوگوں نے شور مچا کر سالک صاحب کی ہوٹنگ کی اور انھیں گالیاں دیں۔ قبل اس کے کہ ان پر حملہ کیا جاتا وہ اسٹیج چھوڑ کر چلے گئے۔ پروفیسر علیم الدین سالک پر حملہ اور پارٹی فنڈس میں غبن کا چرچا ہونے لگا۔ قبل اس کے کہ یہ کوئی شدید صورت اختیار کر لیتی ایک پنڈت لیڈر شیو نرائن فوطیدار نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی شان میں گستاخی



شوی شیو نرائن فوطیدار

کر کے فسادات کے ڈھیر میں تیلی جلا کر ڈال دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہندو مسلم فساد بھڑک اُٹھا۔ فسادات نے شہر اور دیہات میں خطرناک صورت اختیار کر لی کئی مسلم اور غیر مسلم رہنماؤں نے آپس میں صلاح مشورہ کر کے فسادات کو روکنے کے لئے عملی کاروائی شروع کی۔ شیخ عبداللہ بے زار بیٹھے تھے۔ جبکہ دوسرے مسلم رہنماؤں نے ایک ساتھ مل کر شورش کو نہ صرف دبایا۔ بلکہ اسے پھیلنے سے روک بھی دیا۔

لیکن مولوی یوسف شاہ اس فتنے کے خلاف ڈٹ کر رہے۔ مولوی یوسف شاہ نے شیو نرائن فوطیدار اور اُن کے باپ کو وقت بے وقت ایسے فتنے جگانے کا الزام لگا کر ان کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔

کشمیر کی "تحریک حریت" میں "ہندو مسلم"۔ "شیر اور بکرا" "ٹریکہ اور گوٹھ" جیسے فسادات کے جراثیم کے ساتھ ساتھ کرپشن، غبن اور لوٹ کھسوٹ کے جو کیڑے داخل ہوئے اس نے اس تحریک کو یقیناً کھوکھلا بنا کر رکھ دیا۔

ان حالات میں اس تحریک کا جو حشر ہو رہا تھا۔ وہ آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

مسلم رہنماؤں کا فتنہ فساد اور قومی امانت کو مال غنیمت جان کر اسے لوٹنا، سیاست کو نفع و نقصان کی ترازو میں تولنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے۔ ریاست کے لوگوں نے جن کے ہاتھ میں اپنی تقدیر دے دی تھی وہ ہرگز پُر خلوص نہیں تھے۔

لوگ جنہیں رہبر سمجھ رہے تھے۔ وہ ان کے لئے رہزنی کر رہے تھے۔

غلام نبی گلکار نے اس سلسلے میں جو بذریعہ پوسٹر کھلا خط اس سلسلے میں شیخ صاحب کو بھیجا وہ آج بھی "صداقت" اخبار میں موجود ہے۔

اس خط کا متن ذیل میں درج ہے:۔

فتح کدل

مورخہ ۲۰ جون ۱۹۳۵ء

مکرم — شیخ عبداللہ صاحب —— السلام علیکم رحمتہ اللہ!

خداوند تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے' اور اس قوم کو آپ کی رہبری میں ڈوگرہ شاہی سے نجات ملے' جیسا کہ ہم امید کرتے ہیں۔ پچھلے کئی روز کے تعلقات سے مجھے محسوس ہو رہا ہے آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ میں نے کئی بار کوشش کی کہ میں آپ سے اس ناراضگی کی وجہ پوچھوں مگر آپ نے موقع نہیں دیا۔ لگتا ہے آپ میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں یا میرے منافقین نے آپ کے کان میں کچھ ایسی باتیں کہدی ہیں جن سے آپ مجھ پر ناراض ہو گئے ہیں۔ جہاں تک پارٹی میں انتشار پیدا کرنے کا سوال ہے میری نظر میں اس کے ذمہ دار آپ ہیں۔ اس لئے کہ پارٹی رقومات آپ ہضم کرتے ہیں۔ اس وجہ سے کارکنوں میں بدظنی پیدا ہو گئی ہے۔ مسلم اتحاد میں جو دراڑ پیدا کرنے کا الزام مجھ پر عاید کیا گیا ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں' یہ سب کس نے کیا' میں اس سلسلے میں مولوی عبداللہ صاحب سے بھی ملا اور اُن کو تمام حالات سنائے' اُن کا بھی یہی کہنا ہے۔ شیخ صاحب کا فرض تھا پہلے اس بارے میں تحقیقات کراتے پھر غصہ ہوتے' بہرحال آپ نے مجھے موقع دیا تو میں کارکنوں کی ناراضگی اور اتحاد میں

دراڑ پیدا ہونے کے اسباب واضح کرسکتا ہوں اب بھی میں مسلم اتحاد کے لئے اپنی جان پیش کرسکتا ہوں ——— خدا حافظ

آپ کا بہی خواہ ۔ غلام نبی گلکار ۔

اِس خط کی اشاعت کے بعد سعدالدین شال شیخ عبداللہ پر برس پڑے۔ ایک میٹنگ کے دوران انھوں نے شیخ عبداللہ پر کئی شدید الزامات عاید کئے، ان الزامات نے شیخ عبداللہ کو سخت پریشان کردیا اور انھوں نے جاکر یہ زہر حکومت کے خلاف چھانٹ دیا۔

حکومت نے شیخ محمد عبداللہ کے اس طریقہ کار کی سخت نوٹس لی، انہیں گرفتار کرکے زیرِ عتاب لانے کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ شیخ محمد عبداللہ اور مولوی محمد یوسف شاہ کے درمیان سرد جنگ کا بھرپور فائدہ اُٹھایا جائے۔

چنانچہ راجہ ہری کرشن کول نے ایک کے بعد ایک وفد مولوی محمد یوسف شاہ کے پاس بھیجدیا تاکہ وہ اس دائرے سے باہر آسکے، جو بقول ان کے چند سرپھرے غنڈوں کا تھا۔

اس سلسلے میں راجہ ہری کرشن کول کی طرف سے اسداللہ وکیل اور ماما بقال نے اہم رول ادا کیا۔ ان دونوں اصحاب نے راجہ ہری کرشن کول اور مولوی محمد یوسف شاہ کے درمیان پیامبر کا کام کیا، بات چیت مکمل ہونے کے بعد۔

راجہ ہری کرشن کول نے انھیں مہاراجہ کی طرف سے خلعتِ شاہی اور جاگیر دینے کا مژدہ سُنایا اور اس کے بدلے میں مہاراجہ کی وفاداری قبول کرنے کا اقرار وصول کرلیا۔

۷، اکتوبر ۱۹۳۵ء کو دسہرہ کی تقریب کے سلسلے میں مولوی یوسف شاہ نے معزز شہریوں کی طرف سے مہاراجہ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔

یہ سپاسنامہ میرواعظ مولوی یوسف شاہ نے شیرگڑھی کے اس اسٹیج پر خود ہی پڑھ کر سُنایا۔ جو دسہرہ کی تقریب کے لئے سجایا گیا تھا۔

سپاسنامہ کا متن حسبِ ذیل ہے :۔

" سری سرکار والا مدار"

ہم حضور کی ذاتِ اقدس کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم سب فرداً فرداً اجتماعاً بلاتمیز مذہب وملّت اپنی روایتی وفاداری میں ثابت قدم ہیں اور انگلستان سے جہاں سے آپ حضور شہنشاہ معظم کی سلور جوبلی تقریبِ سعید میں خاص طور پر مدعو فرمائے گئے تھے چھ ماہ کی طویل مفارقت کے بعد مع الخیر مراجعت فرمائے وطن پر دلی خیر مقدم و قلبی تہنیت پیش کرتے کی عزّت حاصل کرتے ہیں۔

حضور والا کی وفادار رعایا ...... نمائندگی کا خوشگوار فرض ہم جاں نثار ...... والا صفات اس موقعہ پر ادا کررہے ہیں، بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ قادرِ مطلق حضور کا ظلِ عاطفت حکمرانی کرنے اور اپنی مملکت کی نیک نامی اور شہرت کو چار چاند لگانے کے لئے ہمارے سروں پر دائم وقایم رہے تاکہ ملک کشمیر کی عظمت دیرینہ کی .... پھر ایکبار تازہ ہوجائے اور تمنّاؤں کے جن کے متعلق حضور والا کی پیاری رعیت باقی مہذب دُنیا کے ساتھ ہمنوا ہے پورا ہونے میں رہنمائی فرمادیں۔

حضورِ والا کے عہد معدلت میں کئی اہم اصلاحات کا نفاذ ہوچکا ہے۔ جن پر اگر اصلی مفہوم کے مطابق کام کیا جائے تو ریاست کی روزافزوں ترقی یقینی ہے۔ ہم کو یقین واثق ہے کہ حضور والا کے فیاضانہ عہد میں ہم عنقریب وہ منتظم ترقی حاصل کرسکیں گے جو ترقی یافتہ قوموں کی مطمح نظر بنی ہوئی ہے۔

بالآخر ہم مودبانہ گزارش کرتے ہیں

کہ حضور والا کی ذاتِ مبارک ہی ہے جس نے ہم کو حضور کے تاج و تخت اور خاندانِ شاہی کے ساتھ وفاداری وعقیدت کے رابطہ مستحکمہ میں منسلک کررکھا ہے اور ہم حضورِ والا سے التجا کرتے ہیں کہ ان چند الفاظ کو باظہار ہماری عقیدت و شکر گزاری کے شرفِ قبولیت بخشا جائے۔

ہم ہیں حضور کے وفاداران قدیمی

مولانا محمد یوسف میرواعظ، پنڈت بشمبر ناتھ رازدان، مفتی شریف الدین مفتی اعظم، مولوی محمد جواد مفتی اہلِ تشیعہ، جنرلِ ٹھاکر جنگ سنگھ، آغا سید حسین خان، دیوان بشنداس، سمندر خان سردار بہادر، مرزا حاجی غلام مصطفےٰ، پنڈت رام چند دوبے میر احمد سعید اندرابی، سید رسول شاہ جلالی، آغا شیر علی، کرنل سنسار سنگھ،

پنڈت امرچند منشی، مولوی محمود شاہ، عبدالرحیم بانڈے، خواجہ احمد شاہ نقشبندی، چودھری چینر سنگھ، پنڈت نریندر ناتھ، منشی اسداللہ ایڈووکیٹ، مولوی محی الدین مفتی جامعی، کرنل شبیر علی خان، کرنل اُومکار سنگھ، پنڈت تارا چند ترسل، سید غلام علی شاہ، غلام نبی شال مرچنٹ، حاجی نورالدین شال مرچنٹ، پنڈت جیالال کلم، پنڈت نند لال کول، سردار ہری سنگھ، حاجی محمد رمضان، غلام نبی شاہ، عبدالعزیز پنڈت، پنڈت امرناتھ کاک، غلام محی الدین کاؤسہ، خواجہ صفدر علی، سردار بل سنگھ وزیر گنگارام، سردار کنہیا سنگھ، بخشی موتی رام، حاجی غلام حسن خاں، حاجی عبدالاحد ڈار، عبدالعزیز قاضی، سیف الدین شال مرچنٹ، میاں حسام الدین، بھگت کرم چند پنڈت شیو نرائن فوطیدار، خواجہ عبدالاحد فاروقی، دیوان رام ناتھ پنڈت آنند کول بامزئی، خضر محمد سلور سمتھ، غلام رسول قاضی، عبدالعزیز منٹو، عبدالسلام کاچرو، پنڈت کیشپ بندھو، سردار ہرنام سنگھ ذیلدار، غلام نبی منٹو، حبیب اللہ زرگر، منشی غلام محمد، غلام محمد خان، لالہ امرناتھ کوہلی، پیر حفیظ اللہ مخدومی (والد پیر افضل مخدومی)، خواجہ ثناء اللہ ذیلدار، سیف الدین شاہ، عبدالعلی کندن گر، احمد اللہ نقاش، غلام محی الدین شال، محمد سبحان زرگر، لالہ ہنس راج، پنڈت سری کنٹھ فوطیدار، غلام احمد مکایا، حاجی محمد شاہ عشائی، قمرالدین قاؤسہ، ڈاکٹر دیوہ کول، ملّا عظیم ٹھیکیدار، عبداللہ تاجر، حاجی مامہ کلو، ڈاکٹر منوہر ناتھ بھان، حکیم محمد عبداللہ، حافظ فیروزالدین، ڈاکٹر شمبھو ناتھ پشن، جعفر میر ذیلدار، مولوی محمد شاہ، مفتی سعادت، پنڈت سروانند شاعر، خان زردار خان، کرنل رحیم خان، سید عبداللہ شاہ، پنڈت شیام لال صراف، سیٹھ پٹن جی، دیوان موہن ناتھ مون، خواجہ صفدر علی، خواجہ اسداللہ پنجابی، ڈاکٹر جسونت سنگھ، خواجہ محی الدین دراب، مولوی محی الدین قریشی، عبداللہ خان پارمو، احمد اللہ حافظ، حکیم مقبول شاہ، اکرم کھانڈے، محمد عثمان تبل، حسن جوزرو، سری کنٹھ چکو، سعداللہ گنائی، غلام مصطفےٰ ملک، حسین شاہ زیرک، عبدالسلام خاں، حکیم حافظ غلام محمد، سرمد شاہ، محمد جواد ملک، سید عطاءاللہ شاہ، پنڈت جانکی ناتھ کول وغیرہ۔

اسی مجلس میں میرواعظ مولوی یوسف شاہ کو چھ سو روپے کا وظیفہ مقرر ہوا اور

جاگیر عطا ہوئی۔

مہاراجہ بہادر کی موجودگی میں پرائم منسٹر نے اعلان کیا کہ:

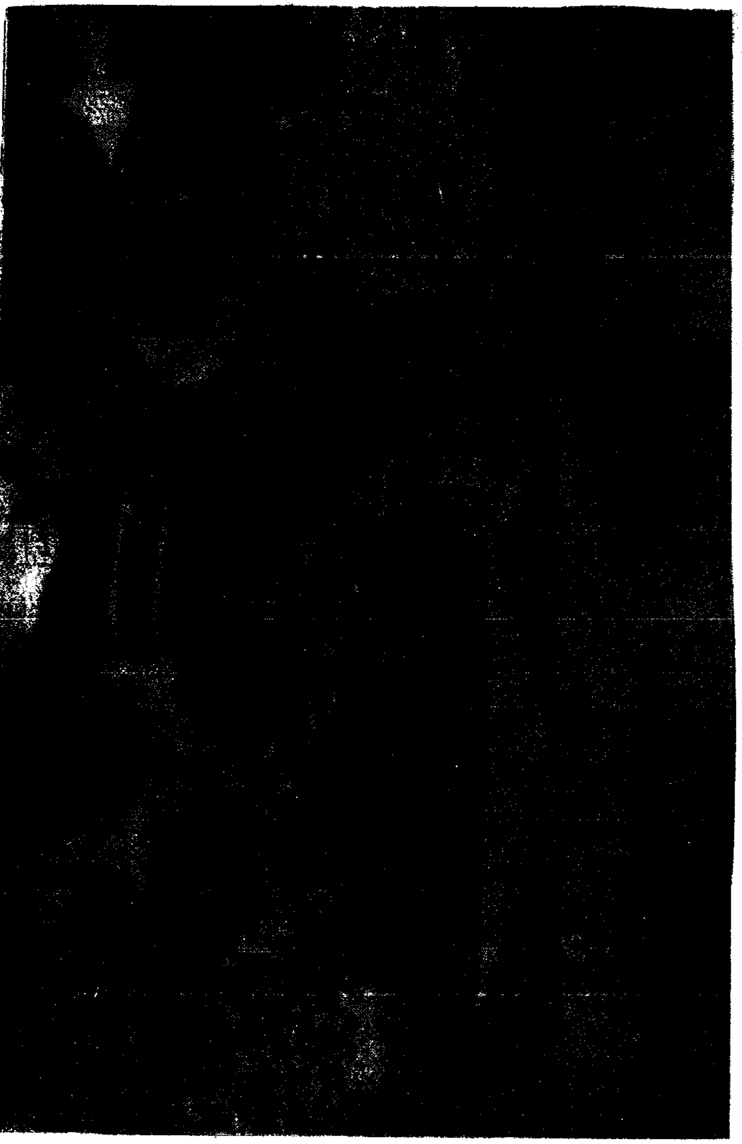
"حضور مہاراجہ بہادر ازراہِ عنایت خسروانہ میرواعظ محمد یوسف سرینگر کو اُن کی وفادارانہ خدمات کے پیشِ نظر سالانہ چھ سو روپے کا وظیفہ مقرر کرتی ہے اور انھیں جاگیر عطا کرتی ہے۔ حضورِ عالی اپنے وفادار عوام کی عزّت و آبرو کو برقرار رکھنے اور ترقی و وفادارانہ جذبات کے خواہشمند ہیں۔"

حکومت نے مولوی یوسف شاہ کے نام وظیفہ اور جاگیر مقرر کرنے کا اعلان کیا تو شیخ عبداللہ نے اسے خوب اچھالا، مولوی یوسف شاہ نے شیخ عبداللہ پر پارٹی فنڈ میں غبن کرنے کا الزام لگایا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تحریک حریّت میں معاوضہ، وظیفہ، چندہ اور ریلیف جو بیک وقت کانگریس، مسلم لیگ، سرکار انگلشیہ، ڈوگرہ راج، مجلس احرار اور جماعت احمدیہ کے ساتھ بیرون ممالک کی برگزیدہ ہستیوں کی جانب سے مسلم کانفرنس کو مل رہا تھا اسے مال غنیمت سمجھ کر لوٹا جا رہا تھا۔ اصل میں اسی مالِ غنیمت کی بندر بانٹ نے دوستی دشمنی میں بدل دی۔

یہ بات قابلِ تحسین ہے کہ ریاست کے مسلم اتحاد میں جموّں گروپ کے ساتھ سردار ابراہیم خان، سردار عبدالقیوم خاں، کے۔ ایچ۔ خورشید، صوفی عالم دین، آغا شبیر نواب، سردار خادم حسین، محمد رفیق مرزا، محمد طاہر رفیقی، سردار فیض علی، سید حسن نقوی اور محترمہ سیدہ خانم تحریک حریت میں اپنا تن من اور دھن وقف رکھے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ مولوی عبداللہ وکیل اور اُن کا گھرانا، منشی شہاب الدین غلام نبی گلکار، سید حسین جلالی، سعدالدین شال، مفتی ضیاءالدین، مولانا مسعودی محمد یوسف صراف، میر عبدالعزیز، محمد یوسف علیگ، صوفی محمد اکبر، عبدالغنی نرابی اور غلام محمد صادق پر پارٹی فنڈس میں ایک روپیہ پیسہ کھانے کا الزام نہیں لگ سکا۔

صرف دس دن بعد یعنی ۱۷ اکتوبر کو حکومت کی طرف سے ایک فرمان جاری ہوا جس کے مطابق مولوی یوسف شاہ اور ان کی پارٹی پر ٹیکس کی ادائیگی میں چھوٹ دی گئی۔ یہ اعلان ہونا ہی تھا کہ بیشتر سرمایہ دار کارخانہ دار اور دیگر کاروباری اشخاص اپنے آپ کو یوسف شاہی جتانے میں پیش پیش رہے۔ کل تک جو لوگ شیخ عبداللہ کے دائیں اور بائیں بازو سمجھے جاتے تھے۔ آج مولوی صاحب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کے آگے پیچھے دوڑنے لگے۔



لیڈرانِ قوم عوام سے خطاب کر رہے ہیں اور عوام بغور سن رہے ہیں

درس اوروں کو بدلنے کا سبھی دیتے ہیں
اپنا دستور کوئی شخص بدلتا ہی نہیں

اسمبلی کے لئے انتخابات

مارچ ۱۹۳۳ء میں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے مطالبہ پر حکومت نے اسمبلی کے لئے ضمنی قواعد کی تیاری سے متعلق وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے دسمبر ۱۹۳۳ء میں ایک آفیشل کمیٹی کا تقرر عمل میں لایا گیا تھا۔ اس کمیٹی کی رپورٹ بے حد مایوس کن تھی۔ اس کے خلاف سیالکوٹ میں مجلسِ عاملہ کا اجلاس فروری ۱۹۳۴ء میں منعقد ہوا۔

مسلم آبادی کے تناسب پر ایوان اسمبلی کی نشستوں پر اختلافات پیدا ہو گیا۔ تمام ممبران اسمبلی انتخابات کے بائیکاٹ اور اس کے خلاف تحریک چلانے کے حق میں تھے۔ اِس سلسلے میں شیخ عبداللہ حکومت کے آلہ کار بن گئے۔ وزیر اعظم کے ساتھ ان کی خفیہ ملاقاتوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ انھوں نے انتخابات کا بائیکاٹ کرنے اور اس کے خلاف تحریک چلانے کی مخالفت کی اجلاس نے، شیخ عبداللہ کی دلیل مسترد کی اور اتفاق رائے سے تحریک چلانے کے لئے چوہدری غلام عباس خان کو ڈکٹیٹر نامزد کیا گیا تاکہ وہ گرفتاری دے کر تحریک کا آغاز کریں۔

اجلاس کے متفقہ فیصلہ کو شیخ عبداللہ نے تعاون دینے سے صاف انکار کیا اور وہ روٹھ کر لاہور چلے گئے۔ ان کے اس طرح چلے جانے سے نہ صرف تحریک کو زک پہنچا بلکہ جماعت کے لئے اُن کا روٹھنا مضر ثابت ہوا۔

چوہدری غلام عباس خاں اور اللہ رکھا ساغر کے ساتھ چند لیڈر گرفتاری کے لئے پیش ہوئے اور انھیں اودھمپور جیل میں محبوس کیا گیا۔ ان کے بعد بے شمار کارکن نظر بند کئے گئے۔

تنظیم کے سرگرم ارکان کے منظرِ عام سے ہٹ جانے کے بعد شیخ عبداللہ لاہور سے واپس آئے تو انھوں نے وزیر اعظم سے دوبارہ ملاقات کی اور اس کے بعد وہ اودھم پور روانہ ہو گئے۔

جہاں انھوں نے چوہدری غلام عباس خان سے مل کر انھیں اسمبلی انتخابات میں تعاون دینے کی اپیل کی، چوہدری صاحب نے اس کو تنظیم کے فیصلے کے خلاف کاروائی کہہ کر ان کی اپیل نامنظور کی، شیخ صاحب واپس سرینگر آئے تو انھوں نے تنظیم کے فیصلے کی پرواہ کئے بغیر چناؤ میں حصّہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اس کے لئے انھوں نے بیشتر رہنماؤں کو راضی کر لیا۔ ان کی یہ دلیل تھی کہ :

"مسلمانوں کو اس موقعہ سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسمبلی کے انتخابات میں حصّہ لینا چاہیئے تاکہ وہ مجوزہ اسمبلی کی تشکیل آئین یا اختیارات سے مطمئن ہوں یا نہیں۔ اس طرح سے جو فوری فائدہ ریاستی باشندوں کو ہوگا وہ یہی ہے کہ حکومت پر واضح ہو جائے کہ مسلم کانفرنس کو ریاست میں کیا حیثیت ہے اور اُن فرقہ پرستوں پر یہ راز افشا ہو جائے گا جو یہ پروپیگنڈہ کرتے پھرتے ہیں کہ مسلم کانفرنس کی جماعت مخصوص غنڈوں کی ٹولی ہے۔ ان تمام سازشوں اور الزامات کا واحد علاج انتخابات لڑ کر اور اپنے نمائندے چن کر اسمبلی میں بھیجنے میں مضمر ہے۔"

چنانچہ الیکشن میں شریک ہونے کا فیصلہ ہوتے ہی حکومت سے کہا گیا کہ ہم پُر امن ماحول میں انتخابات لڑنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے۔

حکومت کی طرف سے یقین دہانیوں کے باوجود سیاسی قیدیوں کو رہا نہیں کیا گیا۔

ماہ جون میں جبکہ کاغذات نامزدگی داخل کرنے میں صرف چند دن باقی رہ گئے تھے حکومت نے گرفتار شدگان کو رہا کرنے سے صاف انکار کیا۔ ایک ہنگامی میٹنگ میں الیکشن لڑنے یا نہ لڑنے پر غور وخوض کیا گیا۔ چونکہ شیخ صاحب اپنے فیصلے پر اٹل تھے۔ لہٰذا تمام پارٹی ورکروں کو بذریعہ تار اطلاع دی گئی کہ وہ انتخابات کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اس بات کی بالکل کوئی پرواہ نہ کریں کہ قابل اشخاص دستیاب ہوتے ہیں کہ نہیں۔ اس طرح مسلم کانفرنس نے اسمبلی کے پہلے تجرباتی دور میں شامل ہونے کی ٹھان لی، کاغذات نامزدگی داخل کرنے کے بعد انتخابی مہم تیز کرنے کے لئے سرینگر دیہات اور قصبہ جات میں تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا۔

آزاد مسلم کانفرنس نے شہر سرینگر کی پانچ نشستوں کے لئے اپنے اُمیدوار کھڑے کئے جن کی وجہ سے شہر سرینگر انتخابی دنگل کی آماجگاہ بن گیا۔

دو مخالف گروپوں کے انتخابی جوش جنوں نے "شیر بکرا" فسادات کی صورت اختیار کر لی۔ لوٹ مار اور دنگا فساد کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ مسلم کانفرنس اور آزاد مسلم کانفرنس کے دونوں گروپ ایک دوسرے کے ورکروں کو توڑنے کے لئے ڈورے ڈالنے لگے۔ کبھی وہاں سے

ورکر یہاں آجاتے اور کبھی ادھر سے ورکر اُدھر چلے جاتے۔

پولنگ کے لئے ۴ستمبر کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی۔

مسلم کانفرنس نے سرینگر کے حلقوں کے لئے مولوی عبد اللہ وکیل، سید حسین جلالی، خواجہ علی محمد، احمد اللہ شہداد اور خواجہ غلام محمد صادق آزاد مسلم کانفرنس کے امیدواروں کا مقابلہ کرنے کے لئے نامزد کئے۔ آزاد مسلم کانفرنس کے ممبران میں خواجہ سعد الدین شال، مولوی محمد امین، مولانا مبارکی، منشی غلام محمد اور عبد السلام دلال شامل تھے۔

سرینگر کے علاوہ جو مفصلات سے ممبران لئے گئے حسب ذیل ہیں:۔

خواجہ ثنا اللہ شاہ ہندوارہ۔ خواجہ غلام حسن ملک کولگام۔ مرزا محمد افضل بیگ اسلام آباد۔ خواجہ محمد اکبر ڈار پلوامہ۔ خواجہ غلام محی الدین خان بڈگام۔ خواجہ محمد شفیع شاہ بارہمولہ۔ میاں احمد یار خان مظفر آباد۔ سردار فتح محمد خاں پونچھ۔ سردار خان محمد راجوری۔ چوہدری عبد الکریم میرپور۔ خواجہ مُراوت خان بھمبر۔ چوہدری عبد اللہ خان بھلی جموں۔ خواجہ عبد الرحمان خان ادھمپور۔ خواجہ میر عطا محمد ریاسی۔ میاں قربان احمد کٹھوعہ۔

سرکار کی طرف سے اس اسمبلی کے لئے جو غیر مسلم ممبران لئے گئے ان کے نام یہ ہیں:۔

پنڈت امرناتھ کاک سرینگر، پنڈت جیالال کلم سرینگر، لالہ امرناتھ کوہلی جموں۔ پنڈت دیوناتھ شاستری جموں۔ بخشی موتی رام جموں۔ چودھری چتر سنگھ جموں۔ پنڈت رام چند دوبے جموں۔ کوتوال لچھمن داس جموں۔ وزیر گنگا رام جموں۔ پنڈت گوبند رام بالا کشمیر، سردار بدھ سنگھ سکھ فورم میرپور، سردار کنہیا لال سنگھ سکھ فورم کشمیر۔

اسمبلی کے غیر سرکاری ممبران میں میجر جنرل ٹھاکر جنک سنگھ، خان بہادر سیّد حسین اور پنڈت رام چند رازدان نامزد کئے گئے۔

میر واعظ مولوی یوسف شاہ کی آزاد مسلم کانفرنس کو پچھاڑنے کے لئے شیخ عبد اللہ نے احمدی جماعت کے امام مرزا بشیر الدین محمود سے رجوع کیا اور انھیں ایک خط کے ذریعے حالات سے آگاہ کیا۔

بوچھوارہ سرینگر
سوموار مورخہ ۵ مئی ۱۹۳۴ء
مکرمی جناب میاں صاحب! السّلام علیکم ورحمتہ اللہ

اُمید ہے کہ میرے خطوط آپ کو مل گئے ہوں گے۔ مذ بد حالات یہ ہیں کہ حکومت نے مجھے آخیر وقت تک دھوکہ میں رکھا اور میں نے جو جو باتیں پیش کر دی تھیں ان پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔ بہر حال جو حالات میرے سامنے پیش آئے ان کا ذکر میں نے ایک درخواست میں کر دیا ہے جو کہ میں آپ کو لفافہ ہذا میں ارسال کر تا ہوں اور جو...... درخواست وزیر اعظم کو میں نے بھیجدی ہے۔ دیکھئے نتیجہ کیا برآمد ہوتا ہے۔ ہم نے کوشش کی کہ اپنے آدمی ہر ایک علاقے سے اسمبلی کے لئے کھڑے ہوں لیکن وقت کی تنگی نے اور حکومت کی دھوکہ دہی کی وجہ سے شاید تمام علاقوں سے اپنے خاص آدمی کھڑے نہ ہوئے ہوں۔ ابھی پورا معلوم نہیں۔ سرینگر سے تو اپنے پانچ آدمی کھڑے کر دئے ہیں۔

بارہمولہ، اسلام آباد، کولگام، پلوامہ سے بالترتیب شیخ محمد اکبر، محمد افضل بیگ، عبدالرحمان ڈار، خواجہ اکبر ڈار ہمارے آدمی ہیں۔ سرینگر سے غلام محمد صادق، سیّد حسین جلالی، مولوی عبداللہ وکیل اور خواجہ احمداللہ شہداد کھڑے ہوئے ہیں۔ غلام نبی گلکار کو میں نے اس لئے روکا کہ مخالف جماعت کا تمام زور صرف مسئلہ احمدیت پر ہوگا۔ اس لئے اگر ہم نے مولوی عبداللہ وکیل کو کامیاب کر دیا تو یہ کافی شکست ..... (مولوی یوسف شاہ) کو ہوگی، اگر غلام نبی گلکار دوسرے وارڈ سے کھڑا ہوتا تو ہماری طاقت تقسیم ہو جاتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مخالف پارٹی کا مدِ مقابل صرف مولوی عبداللہ صاحب ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ غلام نبی گلکار کے مقابلے میں خواجہ احمداللہ شہداد اہلحدیث کے پریزیڈنٹ رہ چکے ہیں۔ بڑے پیسے والے ہیں اور کافی رسوخ رکھتے ہیں...... میں نے غلام نبی کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے کو آزاد رکھے.... حکومت کے اشارے پر ہمارے آدمی کے مقابل ممبری کے لئے کھڑے ہوئے مگر اُن کو کامیابی کی امید نہیں۔ الغرض اسمبلی کیا ہے۔ میرے لئے ایک اور مصیبت کا سامان ہے۔ آگے ہی مخالفت کیا کم تھی کہ اب اور اضافہ ہو رہا ہے۔ بہر حال خدا مدد گار ہے اور دوستوں کا حوصلہ سب سے اہم، مشکل میرے سامنے جو ہے وہ مالی مشکلات ہیں۔ ایجی ٹیشن کیا رہی میرے لئے قرضہ کی مصیبت، ہر طرف سے بل پیش ہو رہے ہیں۔ پیٹرول کا بل، کرایہ کا بل، عملہ کی تنخواہ کا بل اور ہماری حالت

یہ ہے کہ کھانے کو کچھ میسر نہیں ہوتا، لوگ ایسے بے حس ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ میں کام کروں مگر کیسے کام کروں۔ اس کے متعلق خاموش شاید یہ ایجی ٹیشن اور تکالیف کا نتیجہ ہے شاید یہ آہستہ آہستہ دور ہو جائے گا۔ اس وقت ضرورت ہے کہ آپ کسی صاحب کو کشمیر روانہ کریں جو کہ مجھے مشورہ دے کہ ایسے حالات میں.... کام کس طرح چلایا جا سکتا ہے۔ اگر آپ نے مہربانی نہ کی ہوتی اور تھوڑی بہت مالی امداد روانہ نہ کی ہوتی تو میں اب تک پریشانیوں کی وجہ سے میدان سے ہٹ گیا ہوتا۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ کسی صاحب کو آپ کے پاس روانہ کر سکوں جو کہ تمام حالات آپ کو پہنچائے گا اور آپ سے مشورہ حاصل کرے گا۔ میں بھی حالات کو بہتر بنانے کی سعی میں لگا ہوں۔

حضرت صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری سے مبلغ دُوسو روپے بذریعہ تار منی آڈر مل گئے ہیں۔ شکریہ!

اُمید ہے کہ بزرگوں کی دعا سے خُداوند کریم ہم لوگوں کو کامیاب کرے گا۔

فقط آپ کا خیر اندیش
شیخ محمد عبداللہ

(نقل مطابق اصل تحریک آزادی کشمیر)

اسمبلی الیکشن میں شیخ عبداللہ کی مسلم کانفرنس نے مولوی یوسف شاہ کی آزاد مسلم کانفرنس کو پچھاڑ کر رکھ دیا۔ مسلم کانفرنس کی پارلیمانی پارٹی نے میاں احمد یار خاں کو لیڈر اور مرزا محمد افضل بیگ کو ڈپٹی لیڈر منتخب کیا۔

آزاد مسلم کانفرنس شکست سے دوچار ہو کر علیحدگی میں بیٹھ گئی۔ لیکن مسلم کانفرنس کو بھی یہ فتح راس نہ آئی۔ جبکہ پارٹی پھوٹ کا شکار ہو گئی۔

چوہدری غلام عباس خان جو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جیل میں محبوس تھے، فرماتے ہیں:

"یہ تحریک کے ساتھ ایک قسم کی غداری تھی۔ مجھے شیخ عبداللہ پر سخت افسوس ہوا جو رجعت پسندوں کے عمیق گڑھے میں گر رہے تھے۔ مجھے اسمبلی انتخابات میں تعاون کے صلے میں جیل سے رہا کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی، اپنے دوست کی اس گفتگو سے مجھے ہنسی بھی آئی اور غصّہ بھی ہوا جیسا مجھے انھوں نے ہی گرفتار کروا یا تھا۔ میری اسیری کے دوران

انھوں نے انتخابی مہم میں پوری دلچسپی لی، مجھے شیخ عبداللہ کے اس طرزِ عمل پر بہت افسوس ہوا، انتخابات کا عمل ختم ہوا۔ بے شمار قیدی رہا کئے گئے لیکن شیخ عبداللہ کو چند ماہ بعد اس غلطی کا احساس ہوا اور ان کو فکرِ فردا نے جماعتی تنظیم کے لئے مجبور کیا۔ ایوان اسمبلی میں مسلم کانفرنس کے گروپ کو جگ ہنسائی سے واسطہ پڑا۔ اس گروپ پر اس لئے طنز کے تیر برسنے لگے کیونکہ مسلم کانفرنس نے جماعتی طور پر الیکشن لڑنے سے بائیکاٹ کیا تھا۔ مگر ایک لیڈر کی مداخلت نے پارٹی کا یہ فیصلہ مسترد کر دیا۔ یہ ایک ایسا تضاد تھا جس کی وجہ سے مسلم کانفرنس کے لیڈروں کو ہدف ملامت بننا پڑا، اس جماعتی کمزوری اس بے راہ روی نے مسلم کانفرنس کے، رہنماؤں کا وقار متاثر کیا۔

عوام کا حافظہ بہت کمزور ہوتا ہے اور اچھے بُرے دونوں قسم کے لوگوں کی لیڈری کم و بیش برقرار رہتی ہے۔ ورنہ عوام کی یاداشت اگر قوی ہو تو پھر جماعتوں کی ترتیب اور قوم کی تنظیم مشکل ہو جائے ۔"

انتخابات کی کاروائی مکمل ہونے کے بعد آہستہ آہستہ سیاسی قیدی رہا کئے جانے لگے۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو ریاستی اسمبلی کا افتتاحی اجلاس دربار گڈھ جموں میں منعقد ہوا۔ جس میں مہاراجہ ہری سنگھ نے بھی شمولیت کی۔

وزیر اعظم نے ریگولیشن ۱ آف ۱۹۹۱ء جو کہ اپریل ۱۹۳۴ء کے تیسرے ہفتے میں شائع ہوا تھا۔ پڑھ کر سُنایا۔ جس میں مجوزہ اسمبلی کے اختیارات درج تھے اور مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے اسمبلی کے وجود میں آنے پر پیغامِ تہنیت بھی شامل تھا۔

اسمبلی کا اجلاس ۲ نومبر تک جاری رہا۔ اسمبلی کے اس سیشن میں مسلم کانفرنس کے پارٹی لیڈر میاں احمد یار خاں نے اپنی تنظیم کا نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

"اس وقت جو ڈھانچہ پیش کیا گیا اور جو آئین ہمارے سامنے رکھا گیا۔ اس سے بہتر آئین کے ریاستی عوام مستحق ہیں ۔"

وزیر اعظم نے فرمایا "اگر آپ کا تعاون قائم رہا تو ہم عوام کے لئے بہتر سے بہتر آئین فراہم کرنے میں پیش پیش رہیں گے ۔"

اسمبلی کا یہ اجلاس خوشگوار ماحول میں اختتام پذیر ہوا۔

آج میرے قتل کا بیڑا اُٹھالایا ہے وہ .
کل جو میرے حامیوں میرے طرفداروں میں تھا

مُسلِم کانفرنس کی عمارت گرانے کی شروعات

کشمیری پنڈت رہنماؤں کو دہلی کانگریس کمیٹی سے برابر اس بات کی ہدایات مِل رہی تھیں کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کے نزدیک آنے اور انھیں اپنانے کی کوشش کریں۔ لیکن اُن کی یہ ہٹ برابر جاری تھی کہ جب تک تنظیم کا نام اور اس کا پرچم بدل نہیں جاتا ہم اس تنظیم میں نہ شمولیت کر سکتے ہیں اور نہ ہی شیخ عبداللہ کو کوئی تعاون دے سکتے ہیں۔ شیخ عبداللہ کشمیری پنڈتوں کو اپنی صفوں میں شامل کرنے سے قبل پنڈت نہرو سے ملنا چاہتے تھے اور اس کے لئے انھوں نے کتنی بار دہلی جانے کا پروگرام بنایا۔ آخر کار الیکشن اور نومبر کے مسلم کانفرنس کے اجلاس سے فارغ ہو کر وہ دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔ دہلی میں پنڈت نہرو نے انھیں اپنا ذاتی مہمان بنایا اور کئی بڑے لیڈروں سے اُنھیں متعارف بھی کرایا۔ دہلی میں قیام کے دوران شیخ عبداللہ کا برین واش کر کے "مسلم" نکال کر "نیشنل" بھر دیا گیا۔

دہلی سے جب واپس آئے تو شیخ صاحب بالکل بدلے ہوئے تھے۔

محمد یوسف صراف سابقہ ہائی کورٹ جج لاہور اپنی کتاب "فریڈم مومنٹ ان کشمیر" میں لکھتے ہیں :۔

"شیخ محمد عبداللہ ہندوستان کے سیاسی لیڈروں اور مفکروں سے ملنے کے لئے دہلی گئے جہاں ان کی ملاقات پنڈت جواہر لال نہرو سے ہوئی اور دونوں ایک دوسرے سے اس قدر متاثر ہوئے کہ کشمیر کی سیاسی تحریک میں ایک بڑی تبدیلی پیش آئی چونکہ نہرو کے اجداد کشمیری تھے۔ نہرو نے ہرگز یہ نہ چاہا کہ کشمیر میں مسلمان منظم رہیں جس سے ہندو دب جائیں اس نے شیخ عبداللہ کے سینے میں قومیت اور حب الوطنی کا جذبہ

اس قدر پیدا کر دیا کہ شیخ عبداللہ کے ذہن پر نیشنلزم کا بھوت سوار ہو گیا اور اس نے مسلم کانفرنس میں ہندوؤں اور سکھوں کو شامل کرنے کے لئے اس کا نام نیشنل کانفرنس رکھنے کا ارادہ کیا جس کی کشمیر کے تمام سیاسی رہنماؤں نے پُر زور مخالفت کی۔ اس نے عوام کو یہ سمجھانا چاہا کہ جنگ ہندو اور مسلمان کے درمیان نہیں بلکہ امیروں اور غریبوں کے درمیان ہے۔ اس کے بدلتے ارادے کی حمایت کرنے والوں میں مولانا محمد سعید مسعودی اور بخشی غلام محمد کا نام قابلِ ذکر ہے۔ نام بدلنے کی اس سازش میں شیخ عبداللہ نے پریم ناتھ بزاز سے مشورہ کیا۔

پہلی اگست ۱۹۳۵ء کو انھوں نے مل کر ایک اخبار "ہمدرد" شائع کیا۔ جس کے پسِ پردہ نیشنلزم کی تحریک کا پرچار تھا اور کئی کوششوں اور مخالفوں کے بعد ۱۹۳۹ء میں مسلم کانفرنس نیشنل کانفرنس میں بدل گئی۔ جس کے لئے پنڈت نہرو کئی بار کشمیر آ کر یہاں کے ہندوؤں کو کانفرنس میں شامل کرنے کے لئے تیار کر رہے تھے۔ مگر یہ شیخ عبداللہ کی سب سے بڑی بھول تھی کیونکہ کانفرنس جیسی تنظیم کو نیشنل کانفرنس میں بدل کر مسلمانوں کو بکھیرنے کے باوجود بھی وہ ہندوؤں کا اعتماد حاصل نہ کر سکا اور ہندو خلوص کے ساتھ اس تنظیم میں شامل ہونے سے ہمیشہ ہچکچاتے رہے۔

دراصل کشمیر کی سیاسی تحریک کا یہی زوال تھا کیونکہ اس اہم تبدیلی کے فوراً بعد کشمیر میں ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے جس نے تحریک کو بے حد کمزور کر دیا۔"

پنڈت جواہر لال نہرو کی ہدایت پر ۱۳ر جولائی ۱۹۳۵ء کو "یوم شہداء" کے موقعہ پر کشمیری پنڈتوں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اس کے بعد ماہ اگست میں حضوری باغ میں مسلم کانفرنس کا جو سالانہ جلسہ ہوا۔ اس میں بھی انھوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

۳ر اگست ۱۹۳۵ء سے مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی صدارت، کانگریس کے ایک لیڈر ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے کی اور اپنی صدارتی تقریر میں انھوں نے شیخ عبداللہ کی بے حد تعریفیں کرنے کے بعد فرمایا:

"۔۔۔۔ اکثریت اور اقلیت کے درمیان اتحاد ضروری ہے اور یہ اتحاد تب ہی ہو سکتا ہے جب اقلیتوں کو تسکین ہو جائے، اکثریت کو اقلیت کا دل جیت لینا چاہیئے ۔۔۔؟ لوگو! ہندوستان کو مت بھولو، کشمیر ہندوستان کا حصّہ ہے۔"

ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی زبانی "کشمیر ہندوستان کا حصّہ ہے۔" نکلنا ہی تھا کہ شیخ عبداللہ اسٹیج پر کھڑے ہو کر خود تالیاں بجائیں اور حاضرین کو بھی تالیاں بجانے کی دعوت دی۔ تالیوں کی گونج میں ڈاکٹر کچلو نے مکرر دہرایا:

"کشمیر ہندوستان کا حصّہ ہے اور آئندہ فیڈریشن میں ریاستیں بھی ہندوستان سے مل کر کام کریں گی۔ آپ کو شیخ عبداللہ کے ہاتھ مضبوط کرنے چاہئیں۔ ایسا لیڈر ملنا مشکل ہے۔"

اس طرح ۳ر اگست ۱۹۳۵ء کو بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی بنیاد ڈالی گئی۔

جلسہ کے اختتام پر ویکلی اخبار "ہمدرد" جو دو دن قبل جاری ہوا تھا۔ اس کا باضابطہ افتتاح کیا گیا۔" ہمدرد کا یہ شمارہ جس میں مہاتما گاندھی، سر ظفر اللہ خاں، ڈاکٹر گوکل چند نارنگ سنت نہال سنگھ، سر بی۔ جے۔ گلینسی، کرنل کالون، ڈاکٹر ضیاء الدین، سر برجور دلال، مسٹر وی۔ این۔ مہتہ، ٹھاکر کرتار سنگھ، راجہ ہری کرشن کول، علامہ خالد لطیف، سردار بُدھ سنگھ، ڈاکٹر محمد عالم اور مفتی ضیاء الدین کے پیغامات درج ہیں۔ برِصغیر کی تقسیم سے قبل بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی سازش میں گواہ بن گئے ہیں۔

ڈاکٹر سیف الدین کچلو ۲۲ر جولائی کو سرینگر آ گئے تھے اور وہ احمد اللہ شہداد کے گھر واقع بلبل لنکر میں مقیم تھے۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کے بارے میں شیخ عبداللہ نے اجلاس میں فرمایا:

"ڈاکٹر کچلو کشمیر الاصل ہیں۔ انھوں نے اقبالؒ اور نہرو کی طرح اہلِ وطن کا نام روشن کیا۔ آزادیٔ وطن کی خاطر جیلوں میں رہے۔ اعلیٰ پایہ کے بیرسٹر ہیں۔ یہ خوشی کا مقام ہے کہ یہ آج یہاں تشریف لائے ہیں۔"

اس موقع پر مہاتما گاندھی زندہ باد، پنڈت نہرو زندہ باد، شیر کشمیر زندہ باد اور انقلاب زندہ باد کے نعرے لگائے گئے۔ انقلاب زندہ باد کا نعرہ بالکل نیا نعرہ تھا اور یہ پہلی بار کشمیر کے اسٹیج سے بلند ہوا۔

اس جلسہ کے دوران شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ وزیر اعظم وجاہت حسین جو کرنل کالون کی جگہ تعینات ہوئے تھے۔ انھیں للکار کر کہا کہ "وہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔"

شیخ عبداللہ کی اس دھمکی سے وہ اصحاب ضرور حیران ہوئے جن کے ہاتھ میں 'ہمدرد' کا

یہ پرچہ تھا اور اس پرچے میں پریم ناتھ بزاز اور شیخ محمد عبداللہ کے دستخط سے پالیسی بیان شایع ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

"ہمدرد، کا سب سے پہلا کام آج تک رہنے والی مختلف جماعتوں اور فرقوں کے اندر ایک دوسرے کے لیے محبّت و یگانگت کے جذبات کو مستقل بنانا ہوگا اور اہلیانِ ملک پر اس حقیقت کو واضح کر دینا ہوگا کہ مادرِ وطن کی یکساں اولاد کی حیثیت سے ان پر ہم دونوں کا جدا جدا رہنا انتہائی بیوقوفی اور غیر دانشمندانہ فعل ہے، جس کی بدولت ایک غلام قوم کو غیر ہمیشہ مظلوم و محکوم بنا کر رکھ سکتے ہیں، سیاسیات میں ہم جمہوری طرزِ حکومت کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ یقین کرتے ہیں کہ کوئی قوم تب تک ایک قدم بھی ترقی نہیں کر سکتی جب تک عنانِ حکومت اہلیانِ ملک کے ہاتھ میں نہ ہو لیکن مشرقی ممالک میں رہنے والوں کی تہذیب اور باہم روایات کو مدّنظر رکھ کر ہم مغربی قسم کی جمہوریت کو ناپسند کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مہاراجہ بہادر کی ذات سیاسیات سے بالاتر ہے اور ان کے تعلقات اپنی رعایا کے ساتھ پدرانہ قسم کے ہیں۔

غیر ذمّہ دارانہ حکومت جس کی بدترین مثال موجودہ مجلسِ آئین ساز ہے اور جس کے آج کل روحِ رواں تقریباً تمام مشیرانِ حکومت غیر پشتنی باشندگانِ ریاست ہیں۔ رعایا ریاست کے لیے وبالِ جان ہے۔

'ہمدرد، تمام آئینی تدابیر کو استعمال میں لا کر اس غیر ذمہ داری کے عنصر کا قلع قمع کرے گا۔"

اپنے پالیسی بیان میں شیخ صاحب صاف طور پر مہاراجہ ہری سنگھ کی تعریفیں کرتے ہیں اور بلا جھجھک اس بات کو دُہراتے ہیں کہ اپنی رعایا کے ساتھ مہاراجہ کے تعلقات پدرانہ قسم کے ہیں۔ اس ساری سیاسی تحریک میں شیخ صاحب اگر کسی کو ذمّہ دار ٹھہراتے ہیں تو ان غیر ریاستی پشتنی باشندگان کو جنہوں نے مجلسِ آئین ساز پر قبضہ جما رکھا ہے، اس کے ساتھ ہی وہ ریاستی عوام کو تختۂ مشق بنا رہے ہیں اور ان پر الزام لگا رہے ہیں کہ رعایا ریاست کے لیے وبالِ جان بن رہی ہے۔

جلسہ کے اختتام پر شیخ محمد عبداللہ نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ مہاراجہ ہری سنگھ کے نام خط لکھ

جس میں انھوں نے مہاراجہ سے اپنی تیز کلامی کی معافی مانگی۔

چوہدری غلام عباس خان نے مسلم کانفرنس کے اس اجلاس کو ایک سازشی ڈرامہ سے تعبیر کیا اس سازش میں مہاراجہ کو ملوّث کرنے کی کوشش کی، اس پر چوہدری صاحب سے جواب طلبی کے وجاہت حسین کے دفتر بلایا گیا۔ اپنے جواب میں عباس خان نے پریس پر بیان کو توڑ مروڑ کر شائع کرنے کا الزام لگایا۔

وجاہت حسین وزیرِ اعظم نے ان سے کہا:

"اگر یہ بات ہے اور پریس نے غلط بیانی سے کام لیا ہے تو آپ مہاراجہ ہری سنگھ کے نام خط کے ذریعے اس کی صفائی کیجئے، میں آپ کے خط کی روشنی میں مہاراجہ بہادر کے سامنے آپ کی پوزیشن صاف کروں گا۔"

چوہدری صاحب نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو وجاہت حسین نے فرمایا:

"اس میں قباحت کیا ہے؟ شیخ صاحب ایسے موقعوں پر ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہمارے پاس اُن کے بہت سے معذرت نامے اور معافی نامے ہیں۔ ۳ راگست کی تقریر کا معافی نامہ بھی ہمیں موصول ہے۔ اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم دکھا سکتے ہیں۔"

چوہدری صاحب نے جواب دیا:

"شیخ صاحب ایسا کرتے ہوں۔ لیکن میں نہیں کروں گا۔"

اتنا کہہ کر وہ اُٹھ کر چلے گئے۔

ڈاکٹر سیف الدین کچلو جب اپنے مشن میں کسی قدر کامیاب ہو کر دہلی گئے تو انھوں نے پنڈت کو مسلم کانفرنس کا نام اور پرچم بدلنے کی تفصیلات بتائیں۔ پنڈت نہرو نے مزید بات چیت کے پنجاب پردیش کانگریس کے صدر میاں افتخار الدین کو سرینگر روانہ کیا۔

جیسا کہ پہلے ہی بتایا گیا، ر اکتوبر ۱۹۳۵ء کو دسہرہ کی تقریب کے سلسلے میں حکومت کی طرف سے میر واعظ مولوی یوسف شاہ کے لیے وظیفہ اور جاگیر کا اعلان کیا گیا۔ اعلان سے جہاں وہ حکومت کے نزدیک آ گئے وہاں عوام سے دُور ہو گئے۔ طرح جب ان کی کھلّم کھلا مخالفت ہونے لگی تو وہ وظیفہ اور جاگیر واپس کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔ چنانچہ ۱۸ ر نومبر ۱۹۳۶ء کو جب سہہ یار مسجد کے تنازعہ پر حکومت نے غیر مسلموں کا ساتھ دیا تو مولوی یوسف شاہ نے اسی مسجد کے صحن میں وظیفہ اور جاگیر واپس

کرنے کی دھمکی دے کر فرمایا:

"اگر مہاراجہ سمجھتا ہے میں نے مولوی یوسف شاہ کو وظیفہ اور جاگیر دے کر خرید لیا ہے تو یہ ان کی بھول ہے میں اسے واپس کر سکتا ہوں۔"

پنجاب پردیش کانگریس کے صدر میاں افتخار الدین سرینگر آئے تو انھوں نے شیخ عبداللہ کے ساتھ ہوٹل کارونیشن میں ملاقات کی، اس ملاقات کے دوران ان کے ساتھ بخشی غلام محمد تھے۔ ان کے درمیان گفتگو مسلسل تین دنوں تک جاری رہی۔

اگلے مہینے پنڈت نہرو جب صوبہ سرحد کے دورے کے دوران میاں افتخار الدین کے ہاں لاہور میں مقیم تھے تو بخشی غلام محمد کے ذریعے شیخ عبداللہ کو لاہور بلایا گیا۔ ان دنوں بخشی غلام محمد لاہور میں ہی مقیم تھے۔ چنانچہ میاں افتخار الدین کی دعوت پر جب شیخ عبداللہ لاہور پہنچے تو ان کو بتایا گیا کہ پنڈت نہرو اب تک آپ کا انتظار کر رہے تھے وہ ابھی ابھی صوبہ سرحد کے دورے پر چلے گئے۔ شیخ صاحب بخشی صاحب کے ہمراہ اسی وقت ریلوے اسٹیشن روانہ ہو گئے تو اُن کی ملاقات پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر ہوئی۔ اگرچہ اس ملاقات کو دونوں طرف سے اتفاقیہ کہا گیا لیکن یہ ایک پری پلان تھا اور یہ بخشی غلام محمد اور میاں افتخار الدین نے بنایا تھا۔ جس وقت شیخ صاحب لاہور اسٹیشن پر پنڈت نہرو سے ملے تو انھوں نے خیر و عافیت کے بعد بخشی غلام محمد کو کمال ہوشیاری سے علیحدہ کر کے انھیں میاں افتخار الدین کی کوٹھی پر اس خبر کے ساتھ بھیجا کہ شیخ صاحب پنڈت جی سے مل گئے ہیں۔

بخشی صاحب کے جاتے ہی یہ دونوں ایک کھڑی ہوئی ریل کے ڈبے میں گھس گئے۔ جہاں پر انھوں نے کوئی ۳۵ منٹ تک بات چیت کی۔ اس کے بعد دونوں صوبہ سرحد کے دورے پر نکلے۔ انھوں نے اپنے ساتھ خان عبدالغفار خان کو ملایا۔

خان عبدالغفار خان نے شیخ عبداللہ سے کانگریس کا وفادار رہنے کا وعدہ لیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو، خان عبدالغفار خان اور شیخ محمد عبداللہ کی اس ملاقات نے تاریخ کی دھارا بدل دی، اس ملاقات میں نہ صرف مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کا فیصلہ کیا گیا بلکہ یہیں پر برصغیر کو آزادی ملنے پر کشمیر اور صوبہ سرحد کو بھارت کے ساتھ الحاق کرنے کا عہد و پیمان بھی کیا گیا۔ اس کی تصدیق ہمیں اُس خط سے ملتی ہے جو راولپنڈی میں مہاتما گاندھی نے نہرو کے لئے بخشی غلام محمد کے حوالہ کیا تھا۔ اس کا ذکر اگلے صفحات میں آئے گا۔

چوہدری عباس خاں اپنی کتاب "کشمکش" میں لکھتے ہیں:۔

"شیخ محمد عبداللہ نے پنڈت جواہر لال نہرو اور خاں عبدالغفار خان سے ملاقات کی اور اس ملاقات کے بعد جب وہ جموں پہنچے تو اس کے تیور بدلے ہوئے تھے اور سرحد سے نیشنلزم کا اتنا تند و تیز جام چڑھا کر آئے تھے کہ اس کا نشہ کبھی اُتر ہی نہ سکا آتے ہی انھوں نے میرے ساتھ بند کمرے میں نیشنلزم کے بارے میں گفتگو شروع کی۔

شیخ عبداللہ کا اصرار تھا کہ تین دنوں کے اگلے اجلاس میں نیشنلزم کے بارے میں فیصلہ ضروری ہے...... شیخ صاحب کی طبیعت کا یہ پہلو واضح رہے کہ جب تک وہ دوست ہیں تو پکّے دوست ہیں اور جب وہ اپنی آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ تو بڑے سے بڑا دشمن بھی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اُن کی طبیعت اور سیاسی زندگی کا سب سے بڑا سقم آزادئ رائے کا فقدان رہا ہے....

اس بار وہ پنڈت نہرو اور خان غفار خان سے ملاقات کر کے سرحد سے نیشنلزم کی شراب پی کر آئے تھے۔ اس صحبت میں بدقسمتی سے ہمارے نصب العین اور طریقہ کار کے درمیان ایک نمایاں دیوار حائل ہونے کا شدید احتمال پیدا ہو گیا۔ سالانہ اجلاس سر پر نہ ہوتا تو صورت مختلف ہوتی جوں توں کر کے میں نے شیخ عبداللہ کو اس موقعے کے لئے ہموار کر ہی لیا اور اس طرح باہمی خانہ جنگی کی جو آندھی آگئی تھی وہ بغیر نقصان کے گزر گئی ..... شیخ صاحب نے اجلاس کے دوران اپنی نئی پوزیشن کا جائزہ لینے اور مندوبین کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے کافی ہاتھ پاؤں مارے لیکن ہوا کا مخالفانہ رُخ دیکھ کر اس وقت اپنا دامن چھڑا لیا۔

سالانہ اجلاس کے بعد جو انتخابات ہوئے اس میں مسلم کانفرنس نے خاطر خواہ کامیابی حاصل کر لی تو شیخ صاحب نے نیشنلزم کو کسی اور موزوں وقت کے لئے ملتوی کر دیا۔

بھارت کے لیڈروں نے شیخ عبداللہ کے جسم میں جو نیشنلزم کے جراثیم ڈالے تھے شیخ صاحب کو کچھ عرصے کے لئے ان جراثیم کو پالنے کا خوب موقع مل گیا۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ ارادی یا غیر ارادی طور پر میرا بھی اس میں ہاتھ تھا اور یہ.... حقیقت ہے کہ اُن کشمیری مسلمانوں کو بھی نیشنلزم کے جھانسے میں لایا گیا جن کو مجھ سے گہری وابستگی رہی ہے۔

اسمبلی انتخابات سے فارغ ہوکر شیخ عبداللہ نے سرینگر میں اندرونی اور خفیہ طور پر نیشنلزم کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ کیونکہ وہ اپنے اثر کے باوجود اعلانیہ ایسا کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دل سے نیشنلزم کے قائل نہ تھے بلکہ اس کے پیچھے اور کوئی تھا۔ ظاہر ہے کہ جو بات دل سے نہ اُٹھے اور جس بات کا پس منظر نیک نیتی کا حامل نہ ہو اس بات کا قائل ملامت ضمیر کی وجہ سے جرأت بے کانہ کا سرمایہ دار نہیں ہو سکتا چونکہ وہ کانگریسی آقاؤں کے لیے مجبور تھے۔ اس لیے انہوں نے انتخابات کے تقریباً ایک ماہ بعد مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا، اس سال وہی مسلم کانفرنس کے صدر تھے، اس اجلاس میں کانفرنس بلانے کی غرض اسمبلی میں پارٹی لیڈر کا انتخاب اور مسلم کانفرنس بُلانے کی غرض اسمبلی میں پارٹی لیڈر کا انتخاب اور مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنا تھا۔

اس سلسلے میں دو اُمیدواروں میں مقابلہ تھا۔ شیخ محمد عبداللہ کے امیدوار کو ۱۹ ممبران اسمبلی میں صرف دو ووٹ حاصل ہوئے۔ شیخ عبداللہ اس شکست سے بوکھلا اُٹھے۔

نیشنل کانفرنس کے بارے میں شیخ عبداللہ کی دو دلیلیں تھیں ایک یہ کہ بقول ان کے وزیر اعظم گوپالا سوامی آہنگر نے ان سے وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر ریاست میں نیشنلسٹوں کا برائے نام ڈھانچہ قائم ہو جائے تو حکومت اصلاحات کے سلسلے میں ایک انقلاب انگیز قدم اٹھانے کے لیے تیار ہوگی اور کم از کم دو عوامی منسٹر حکومت میں شامل کر لیے جائیں گے۔ دوسرا یہ کہ میرے ساتھ اب چند غیر مسلم سیاسی کارکن شامل ہو کر قومی کام کرنا چاہتے ہیں میں ان کو کس طرح نظر انداز کر سکتا ہوں۔ شیخ صاحب کی یہ دونوں باتیں بے معنی تھیں۔ دراصل آہنگر شیخ صاحب کے ہاتھوں مسلم کانفرنس کی مضبوط جماعت کو توڑ کر مسلمانوں کی وحدتِ ملّی کو پاش پاش کرنا چاہتے تھے، شیخ عبداللہ کے پیش نظر اس وقت گنتی کے چند ہندوؤں کی رفاقت تھی اور حکومت کی جانب سے محکمانہ طاقت کا وعدہ فردا اور ذاتی شہرت اور کانگریس کے ظاہری مسحور کُن سامان زینت وزیبائش، شیخ صاحب ان چیزوں کو ہر حالت میں حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ذاتی حصول جاہ وحشمت کی قیمت تمام کا تمام اُنکا سیاسی و مذہبی مستقبل تھا.....!

دراصل تاریخ کشمیر میں یہ بہت بڑا منحوس دن تھا، جب وحدت ملی اور قومی شیرازہ بندی کے قصر فلک بوس کی آہنی بنیادوں کو کانگریس اور مہاسبھا کے تعلق کی وجہ سے پاش کر دینے کی طرح ڈالی گئی جس کی انتہا کا یہ عالم ہے کہ آج اس کے باعث کشمیری مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام ملت سوگوار ہے، شیخ عبداللہ کو ہندوؤں کی طرف سے متحدہ قومیت کا جو یقین دلایا جا رہا تھا اس کی غرض محض یہ تھی کہ شیخ عبداللہ جو اس وقت کانگریس کی سرمایہ داری کے جال میں آچکا تھا، اسلامی سوادِ اعظم سے کاٹ دیا جائے۔ اور اس طرح مسلمانوں کو جماعتی طور کمزور کر کے اپنی محکمانہ اور اقتصادی اجارہ داری کے غلبے کی بنیاد زیادہ مضبوط کر دی جائے۔"

لاہور سے جموں اور جموں سے لاہور آکر شیخ محمد عبداللہ نے مسلم کانفرنس کو تنگ نالہ کہہ کر یشنل کانفرنس کے بیکراں دریا میں جانے کا ریزولیشن پیش کیا تو پہلے مرحلے پر بعض مسلم ماؤں کے ہوش ہی اُڑ گئے۔ آزاد مسلم کانفرنس اور جموں کے مسلم رہنماؤں نے تو اس تجویز ھلم کھلّا مخالفت کی، مسلم رہنماؤں میں مولوی عبداللہ وکیل، منشی شہاب الدین، سعد الدین ، مفتی ضیاء الدین، غلام حیدر غوری، عبدالستّار گجری، مولوی عبدالرحیم، پیر افضل مخدومی محی الدین ہمدانی، غلام محی الدین قرہ، سید حسین جلالی، غلام احمد گنائی، شیخ احمد دین، افضل بیگ، غلام محمد چکن، غلام محی الدین رہبر، محی الدین نور، غلام رسول عارف، شیخ الصمد، پیر محمد مقبول گیلانی، پیرزادہ طیوب شاہ، محمد اقبال چاپری، محمد یوسف قریشی ۔ ل الدین قریشی، عبدالعزیز شورہ، منشی غلام محمد خادم، عبدالعزیز شال، علی محمد بکبیلر، شیخ محی الدین، مولوی محمد حسین، نور محمد (بک سیلر) پیر حسام الدین اور منشی عبدالعزیز کے ساتھ رے رہنماؤں اور کارکنوں نے اس اقدام کے خلاف سخت احتجاج کیا۔

علی محمد، عبدالعزیز (روشنی) اور شیخ عبدالصمد نے ذاتی طور پر شیخ صاحب کے ہاں جاکر ان سے اس کا مدّعا ومقصد پوچھا تو وہ کوئی معقول جواب نہیں دے سکا۔

شیخ عبداللہ کے حامیوں میں سے غلام احمد عشائی اور بخشی غلام محمد نے بھی مسلم کانفرنس کو ل کانفرنس میں بدلنے کی مخالفت کی، لیکن شیخ صاحب نے کسی ایک کی بھی نہ سنی، کمال کی بات تو یہ کہ اس تبدیلی کی مخالفت کا جتنا دائرہ وسیع ہو گیا اتنا ہی شیخ عبداللہ اس بات پر اٹل رہے۔ انھوں نے بار بار ایک ہی بات دہرائی جو پنڈت نہرو نے ان کے کان میں ڈال دی تھی کہ کشمیر

میں صرف مسلمان ہی ظلم نہیں سہہ رہے ہیں بلکہ غیر مسلم بھی ۔ لہٰذا غیر مسلموں کو بھی اشتراکِ عمل کی دعوت دینا ضروری ہے ۔

چنانچہ شیخ عبداللہ اور پریم ناتھ بزاز نے پنڈت نہرو کو ایک مشترکہ خط لکھا :

" ۱۰ رجون ۱۹۳۶ء

ہمارے محبوب پنڈت جی !

آنجناب جو کہ ہندوستان کے زعیم اعظم اور نوجوانوں کے لیے عمل آموز ہیں ۔ اہلِ کشمیر آپ کے دیدار سے مشرّف ہونے اور ارشادات سے مستفید ہونے کے لیے بیتاب ہیں ہم اس بات کا بصد افتخار احساس کرتے ہیں کہ ہندوستان کے پینتیس ۳۵ کروڑ قلوب پر حکمرانی ایک ایسی ہستی کے ہاتھ میں ہے جو ہمارے خون اور گوشت و استخواں کا مہیم ہے ۔ ان دنوں جبکہ دُکھ دیتی ہوئی گرمی اور جھلسائی ہوئی لُو کرّہ عرض کے مختلف اکناف سے لوگوں کو جنّتِ بے نظیر وادی کی بہشت افزا نسیم سے لطف اندوز ہونے کے لیے یہاں لا رہی ہے اگر آنحضور اپنے مصروف ترین اوقات کے چند لمحات اہلِ کشمیر کے لیے بچا کر ہمیں مشرّف دیدار فرما دیں تو ہمارے لیے موجبِ ہزارہا مباہات کے باعثِ تسکین ہوگا ۔

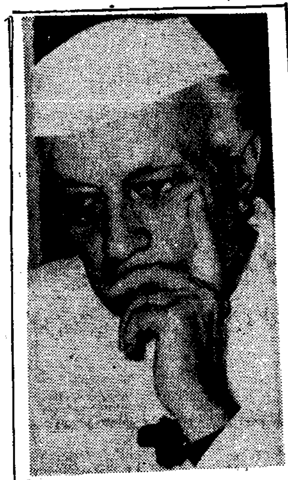
ہماری انتہائی مساعی یہ ہیں کہ ریاست کی سیاسی تحریک فرقہ واری کی بجائے اقتصادیت پر مبنی ہے اور ہندو و مسلمان کے مابین حائل شدہ خلیج پاٹ دی جائے ، اس مقصد کی تکمیل کے لیے گذشتہ سال سے ہم نے "ہمدرد" ہفتہ وار جاری کر رکھا ہے جو محفوظانہ رفتار سے چل رہا ہے اور ایک خاص حد تک اپنے مقاصد میں کلیتاً دو چار ہو چکا ہے ۔ اخبار کے ایڈیٹر نے ہمیں مطلع کیا کہ کچھ عرصہ سے ہمدرد کا پرچہ ہفتہ وار باقاعدہ آنجناب کی خدمت میں ترسیل ہوتا رہتا ہے یہ جریدہ جیسا کہ آنحضور نے ملاحظہ فرمایا ہوگا ریاست جموں و کشمیر کے طول و عرض میں تدریج اور پختگی کے ساتھ سیاسی آزادی ، اقتصادی آزادی اور مجلسی آزادی کے پیغام کی تبلیغ کر رہا ہے ۔ ہمیں یقین ہے کہ حضور کی تشریف آوری ان مقاصد مہمہ کی تکمیل کی موجب ہوگی اور ہمیں منزلِ مقصود تک رسائی میں ممد ثابت ہوگی ۔

ہم غریب ہیں اور آنجناب کو کشمیر کے غربا کی طرف سے اپنے غریب ملک میں دعوتِ تشریف فرمائی دیتے وقت ہمیں اپنی بے نوائی کا مکمل احساس ہے ۔ البتہ واحد دولت جس کے ہم مالک ہیں وہ حبِّ وطن اور آنجناب کی ذات اور جناب کے مقاصد کی محبت ہے ۔ ہم اپنی مخلصانہ محبت کے پھول آپ پر نچھاور کرنے کے آرزومند ہیں ۔ کیا ہمیں یہ موقع نصیب ہوگا ۔ اگر ہوگا تو کب ؟

ہمیں امید ہے آپ نفی میں جواب دے کر ہماری دل شکنی نہیں فرمائیں گے ۔

ہم ہیں جناب کے مخلص :

شیخ محمد عبداللہ ۔ پریم ناتھ بزاز



پنڈت جواہرلال نہرو

اس مشترکہ خط کا جواب شیخ محمد عبداللہ اور پنڈت پریم ناتھ بزاز کے نام ۱۸ رجون ۱۹۳۶ء کو دیا گیا ۔ پنڈت نہرو نے مشترکہ جوابی خط میں اس اقدام کی سراہنا کی ، دونوں طرف کے یہ مشترکہ خطوط خواجہ عبدالصمد وانی ایڈیٹر ویکلی "کشمیر" راولپنڈی پاکستان نے اپنے اخبار کے ۹ رمئی ۱۹۸۶ء کے شمارے چھاپ دیئے ہیں اور ان کے بارے میں اپنے تبصرہ میں ایڈیٹر موصوف نے لکھا ہے :

" مسلم ریاست جموں و کشمیر کو بھارت کا حصّہ بنانے کی سازش جو اکتوبر ۱۹۴۷ء میں مکمل کرنے کی کوشش کی گئی تھی اس کی ابتدا ۱۹۳۶ء میں ہوئی تھی ، جب جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی قومی تنظیم آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس اپنے عروج پر تھی ۔ ۱۸ رجون ۱۹۳۶ء کو پتھر مسجد سرینگر میں مسلم کانفرنس کی طرف سے قائد اعظم محمد علی جناح کو ایک استقبالیہ دیا گیا ۔ اس میں چودھری غلام عباس خاں نے بحیثیت صدر مسلم کانفرنس قائد اعظم کو سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی طرف سے بھرپور حمایت وفا داری کی یقین دہانی کرائی اس تاریخی اجلاس


خواجہ عبدالصمد وانی

سے صرف سات روز بعد ۱۰ر جون ۱۹۳۶ء کو کشمیری رہنما شیخ عبداللہ اور اُن دنوں ان کے قریبی دوست پریم ناتھ بزاز نے آل انڈیا کانگریس کے ایک ممتاز رہنما پنڈت نہرو کو ایک مشترکہ خط لکھا تھا جس میں ریاست جموں و کشمیر میں کانگریس کی حمایت میں ایک سیاسی تنظیم بنانے پر آمادگی کا اظہار کیا گیا پنڈت نہرو نے ۱۸ر جون ۱۹۳۶ء کو اس خط کا جواب دیا۔ شیخ عبداللہ اور بزاز کی اس رائے کے دایرۂ اثر میں لانے کی پہلی کوشش تھی اور اس طرح اس مسلم ریاست کو بھارت کا حصّہ بنانے کی سازش کا آغاز ہوا تھا۔"

خواجہ عبدالصمد وانی نے خطوط کے تبادلہ کو مسلم اتحاد میں رخنہ ڈال کر اس تنظیم کو بدلنے کی جو پہلی کوشش قرار دی ہے۔ حالانکہ اس کام کا بیڑا ایک سال قبل اٹھایا گیا تھا۔ اصل میں مسلم کانفرنس کے جنم کے ساتھ ہی اس کی موت کا آغاز ہو چکا تھا۔

مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کے بارے میں چرچے ہونے لگے تو بعض جوشیلے مسلم لیڈروں اور جوانوں جن میں غازی امان اللہ خان، ایم اے صابر، پیر قلندر شاہ، سیّد حسام الدین گیلانی، غازی عبدالرحمان خطیب، لطیف قریشی، نصراللہ خاں، غلام حیدر خان، پیر مُبارک شاہ، غلام حسن انقلابی، شیخ غلام محمد، سیّد محیّ الدین اندرابی، غلام نبی رفیقی، محمد مقبول شاہ، امیرالدین میر عبدالعزیز، پیر افضل مخدومی، نور محمد، عبدالخالق رینزو، مرزا غلام محی الدین، خواجہ غلام نبی عبدالعزیز میرپوری وغیرہ شامل تھے اعلان کیا کہ ہم کسی صورت میں ایسا نہیں ہونے دیں گے انھوں نے رائے عامہ کو منظم اور ہموار کرنے کے لیے سرینگر، بارہمولہ، اسلام آباد، جموں، میرپور، راجوری مظفرآباد وغیرہ علاقوں میں جلسے منعقد کیے مختلف جلسوں میں بعض قوم پرست مسلم لیڈروں کی شان میں رکیک زبان استعمال ہونے لگی۔

اسی دوران وزیر اعظم کے دفتر سے یہ راز فاش ہوگیا کہ گوپالا سوامی آئینگر نے کانگریس کی ہدایت پر شیخ محمد عبداللہ کو مسلم کانفرنس کی تنظیم پاش پاش کرنے کے لیے کثیر رقم دے کر خریدا ہے۔ جس کے عوض انھوں نے مسلم قوم سے غداری کے لبادے میں قوم پرستی کی عبا زیب تن کی ہے۔

جب اس بات کے چرچے ہونے لگے تو کئی وفود شیخ صاحب سے مل کر اس سودے بازی کی تردید کرنے کے لیے کہنے لگے لیکن انھوں نے بقول پیر افضل مخدومی یہ سوال ایسے ٹال دیئے جیسے

کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔

جنوری ۱۹۳۷ء کے پہلے ہفتے میں زیارتِ حرمین شریفین جانے والے چند حضرات مجاہد منزل آئے شیخ صاحب نے ان سے کہا وہ مدینہ شریف جا کر ہمارے لیے دُعا کریں، مولوی سعید نے ان سے تاکید کی کہ وہ مکّہ معظمہ میں ہماری آزادی کی دُعائیں کریں، حاجیوں کو رخصت کرتے ہوئے شیخ صاحب نے فرمایا:

"انشاءاللہ تعالیٰ میں بھی آیندہ سال حج کا فریضہ ادا کروں گا"۔ اس پر ایک حاجی امیرالدین نے فرمایا، "پھر تو اگلے سال میں دوبارہ حج کرنے جاؤں گا۔"

دس افراد پر مشتمل حاجیوں کا یہ قافلہ جب مجاہد منزل سے روانہ ہوا تو اس میں غلام محمد آہنگر والنٹیئر اور غلام محمد فراش والنٹیئر نے شمولیت کی، نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، اور اسلام زندہ باد کے نعروں کے ساتھ جب حکومت کے خلاف نعرے دیئے جانے لگے تو فساد برپا ہوا اور لاٹھی چارج سے کئی لوگ زخمی ہوئے ان میں غلام الدین بانڈے اور غلام جیلانی (جیلانی بوٹ ہاؤس) شدید زخمی ہوئے۔

شیخ صاحب کے اگلے برس حج بیت اللہ جانے کی خبر تشہیر ہوئی تو بعض حلقوں کی طرف سے چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ ان چہ میگوئیوں نے جب مطالبات کی صورت اختیار کرلی تو ان سے کہا گیا کہ وہ اپنا اثاثہ ظاہر کریں۔ اگر وہ کہہ رہے ہیں میرے پاس پھوٹی کوڑی تک نہیں ہے تو وہ اگلے برس حج کا فریضہ کیسے انجام دیں گے۔

شیخ صاحب کی طرف سے جب کوئی جواب نہیں دیا گیا تو اگلے روز ہاتھ سے لکھے گئے پوسٹر نظر آنے لگے، جن کا عنوان تھا:

"نوّ سو چوھے کھا کر بلّی حج کو جا رھی ھے"

"بددیانتی اور خیانت سے حاصل کیگئی دولت حج کے لیے موزوں نہیں"۔

"فریضۂ حج ادا کرنے کے لیۓ حلال کی کمائی ھونی چاھیۓ"۔

مسلم کانفرنس کو توڑنے کے لیۓ کانگریس کی دولت سے حج نہیں ھوسکتا"۔



۱۹۳۸ء میں لاہور سے صوبہ سرحد کے دورے پر جانے والے تین دوست ۔ شیخ محمد عبداللہ خان عبد الغفار خاں اور پنڈت جواہر لال نہرو

جنہوں نے برِ صغیر کی تقسیم کی صورت میں صوبہ سرحد اور کشمیر کا الحاق بھارت سے کرنے کا عہد و پیمان کیا



پنڈت جواہر لال نہرو
اور
شیخ محمد عبداللہ

دوستی نبھا کر نہ جانے کس بات کا انتظار کر رہے ہیں ؟

شہر کی جس شخصیت کو ایک حسین منظر کہا
دیکھتا ہوں آج میں وہ شہر بھی مرتا ہوا

شیخ محمد عبداللہ کا ڈکٹیٹرانہ طرزِ عمل تنظیم پر اس کا اثر

شیخ محمد عبداللہ نے کچھ ایسی طبیعت پائی تھی کہ وہ دوست کم بناتے تھے اور دشمن زیادہ ۔ ان کے دوست کبھی اگر دشمن نہ بن جائیں تو شاید یہ ان کی توقعات کے خلاف تھا ، شیخ صاحب کا ڈکٹیٹرانہ طرزِ عمل ان کی من مانیاں اور ہٹ دھرمی تنظیم کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی ۔ انھوں نے اپنے طریقۂ کار سے تحریک کے بانیوں کو تحریک سے کنارہ کشی کے لیے مجبور کیا ۔ میرواعظ مولوی یوسف شاہ کے ساتھ انہیں زبردست بیر تھا ۔ منشی شہاب الدین کو ناراض کر کے تحریک کو اُن کی خدمات سے محروم کر دیا ۔ سعدالدین شال کے ساتھ روکھاپن اپنا کر انہیں بدظن کر دیا ۔ خواجہ غلام احمد عشائی کے الزامات کا جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو اُن سے بے رُخی اختیار کی ۔

غلام نبی گلکار اور چودھری غلام عباس خان نے پھوٹ سے تنظیم کو بچانے کے لیے صبر و برداشت کے کتنے ہی تلخ گھونٹ پی لیے ۔ تحریکِ حُریت کے بانی مولانا عبداللہ وکیل کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ۔ حتیٰ کہ انھوں نے مولوی غلام نبی ہمدانی کو بھی نہیں بخشا جو ان کی ہاں میں ہاں ملانے والوں میں شمار ہوتے تھے ۔



مولوی عبداللہ وکیل

منشی شہاب الدین ، سعدالدین شال ، خواجہ غلام احمد عشائی کی طرح مولوی عبداللہ وکیل خاموش رہنے والے نہیں تھے ۔ انھوں نے شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے ان پر لگائے گئے الزامات جو اخبار "حقیقت" کی ۴ر اور ۵ر اگست ۱۹۳۶ء میں چھپے تھے ، کے جواب میں ایک پمفلٹ چھپوا کر اسے

وسیع پیمانے پر تقسیم کرایا۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :-

"شیخ محمد عبداللہ جو مسلمانوں کا قائد اور امام ہونے کا دعویدار ہے، جس کی خدمت میں نے شفیق باپ کی طرح انجام دی اور جن کے لیے میں خطرناک موقعوں پر سینہ سپر ہوتا رہا۔ اور جس کو میں نے اپنے بچوں سے زیادہ عزیز اس لیے سمجھا کہ وہ شاید قوم کے لیے مفید وجود ثابت ہو، آج اسی شیخ عبداللہ نے بہت سے فرضی الزام لگا کر مجھے غدّار و منافق قرار دیا، میں اس مختصر اعلان میں اُن سے بے سروپا اور لغو الزامات کا جواب دینا صرف اس قدر کافی خیال کرتا ہوں کہ شیخ محمد عبداللہ نے ہزارہا لوگوں کے سامنے غلام نبی ہمدانی پر یہ الزام لگایا تھا کہ انھوں نے قادیانیوں کی تحریک سے شہداء کے جلوس میں شامل ہونے پر تکلّف کیا۔ اس کے جواب میں مولانا ہمدانی نے اپنے وعظ میں اعلان کیا کہ یہ الزام محض غلط اور افتراء ہے اور یہی امر واقعہ ہے، کیونکہ اس الزام کے ثابت کرنے میں شیخ صاحب قیامت تک قاصر رہیں گے اور ہمدانی صاحب کے مذکورہ بالا جواب کے بعد شیخ صاحب کا لاجواب رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ صاحب افسوسناک حد تک کذب بیانی کے دلدادہ ہیں۔ مولانا ہمدانی جس کا والد بزرگوار بسترِ مرگ پر پڑا ہوا ہے اور جلاوطنی کی وجہ سے مصائب میں مبتلا ہوا اگر وہ بھی شیخ عبداللہ کے فرضی الزامات سے محفوظ نہیں رہ سکتا تو میرے جیسا گنہگار شخص کس شمار و قطار میں ہے ؟ غلط واقعات بیان کرنا اور غلط الزامات لگا کر کسی بھی شخص کو بدنام کرنا ان کے نزدیک کوئی معیوب بات نہیں۔ ایسی سیاسی فضا میں ان کے لیے جھوٹ بولنا کوئی گناہ نہیں لیکن شیخ صاحب کو یاد رکھنا چاہیے کہ کاغذ کی ناؤ زیادہ دیر تک نہیں چل سکتی، شیخ محمد عبداللہ بے سروپا طویل تقریر میں مجھے قادیانیوں میں شامل کرکے اُن کے افعال کا ذمہ دار گردانتے ہیں حالانکہ سب لوگ جانتے ہیں کہ میں جماعت احمدیہ قادیان سے تعلق نہیں رکھتا ہوں۔ اُس جماعت سے کون تعلق رکھتا ہے اور اُن کا نمک کھاتا ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ (وہ قادیانیوں کو اس بناء پر عہد شکن اور ملزم قرار دیتے ہیں کہ انھوں نے دوکان سنگین میں انجمن قائم کی۔ حالانکہ اس انجمن کے قیام پر مولوی غلام مصطفےٰ برادر مولوی سعید مسعودی صاحب ایڈیٹر "ہمدرد" نے پلیٹ فارم پر آکر قادیانیوں کی مخالفت کی تو یہ شیخ صاحب ہی تھے جنھوں نے مولوی مصطفےٰ

کو نہ صرف ڈانٹ کر نیچے بٹھا دیا بلکہ قادیانیوں کی حمایت میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ اور اُن کی حد سے زیادہ تعریفیں کرکے عوام کے دلوں میں میاں بشیر محمود احمد صاحب کی عظمت کا سکہ بٹھا دیا، پس اگر قادیانیوں نے کوئی عہد شکنی کی تھی یا وہ کسی غدّاری کے مُرتکب ہوئے تھے تو شیخ صاحب کو اس وقت اظہارِ حق میں کونسی چیز مانع تھی۔ اس وقت شیخ صاحب کو دلیری سے حق کا اظہار کرنا تھا اتنی مدت گزر جانے کے بعد گڑے مُردے اکھیڑ کر تفرقہ پیدا کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی یا تو اُس وقت شیخ صاحب نے سچّائی کو چھپایا نہیں تو اب غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں)

کیا شیخ صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ موقع پہ اظہارِ حق سے رکنے والا کس وعید کا مستحق ہے۔ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ الصامت من الحق۔

زیادہ تعجب اس بات کا ہے کہ شیخ صاحب مجھے کانفرنس کا مخالف قرار دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ میں نے ہمیشہ کانفرنس کے لائحۂ عمل پر کاربند ہوکر کام کیا ہے بلکہ شیخ صاحب اور اُن کے حاشیہ نشینوں سے میرا تنازعہ یہی ہے کہ انہوں نے کانفرنس کے اصول نظر انداز کیے اور محض خشکی اور آبی جلوس جیسے نمائشی کاموں سے عوام کا وقت ضائع کیا، کوئی بھی ٹھوس کام نہیں کیا، دنیا جانتی ہے کہ کانفرنس کی حمایت میں ابتداء سے آج تک میں نے کس قدر زور صرف کیا اور اُس وقت سے خدمت کر رہا ہوں جب شیخ صاحب کا نام نامی اور اسم گرامی سے دُنیا ناواقف تھی، ایجی ٹیشن کے دوران جو مصائب میں نے اور میرے خاندان نے اُٹھائے ہیں، اس کی سرزمینِ کشمیر گواہ ہے۔ اگرچہ میں کسی انسان سے ان خدمات کا معاوضہ نہیں مانگتا مگر کاش ! شیخ عبداللہ جیسا محسن کش اس قسم کے حربے استعمال کرنے سے باز رہتے، مجھے افسوس ہے کہ شیخ صاحب نے عموماً دانا اور تجربہ کار دوستوں سے قطع تعلق کرکے ایسے لوگوں کو اپنا مشیر اور ہمراز بنایا جو محض ناعاقبت اندیش اور انسانیت کے درجے سے گرے ہوئے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی جھوٹی تعریفیں کرکے وہ انھیں سر چڑھا رہے ہیں، اور وہ نشہ میں سرشار ہوکر اس بوڑھے کو گوشۂ عافیت میں بھی بیٹھنے نہیں دیتے لیکن شیخ صاحب یاد رکھیں ایک وقت آئے گا کہ یہی حاشیہ نشین شیخ صاحب کے خلاف اسی محسن کشی کے حربے کو استعمال کریں گے۔

پنجاب کے موجودہ سیاسی حالات شیخ صاحب کے لیے چراغِ راہ ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ شیخ صاحب اُن سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ شیخ صاحب کے رویہ سے اور ان کے حاشیہ نشینوں کی ریشہ دوانیوں سے مجبور ہو کر کانفرنس سے میں نے استعفیٰ دیا، لیکن اس کے بعد آج تک کانفرنس پارٹی سے متحد ہو کر پوری وفاداری سے قوم کی خدمت انجام دے رہا ہوں۔ اس پر بھی مجھے ملزم بنا دیا جا رہا ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

جناب شیخ صاحب غلام نبی گلکار کو جھوٹا قرار دے کر ان سے معافی نامہ تحریر کراتے ہیں۔ کون واقف نہیں کہ تنظیم کو فتنہ فساد سے محفوظ رکھنے کی خاطر غلام نبی گلکار آپ کا کہا مانتے ہیں۔ حالانکہ شیخ صاحب پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ قوم کے ہزاروں روپے جو محمد یحییٰ رفیقی کے پاس تھے، غائب ہوگئے، جب اُن سے اس کی بازپرس کی گئی تو انہوں نے بتایا یہ روپے پولیس لے گئی مگر خواجہ سلام شاہ نقشبندی کی گواہی سے محمد یحییٰ رفیقی کی شہادت غلط ثابت ہوئی، شیخ صاحب نے یہ رقومات وصول کرنے کے لیے اقساط مقرر کیں جو نہ وصول ہوئیں اور نہ ہوسکتی ہیں کیونکہ اس ساری رقم کا ففٹی ففٹی ہوگیا ہے۔ اسی طرح کئی سو خروار شالی کے لیے حاجی عبدالغفار ہندوارہ اور دیگر رقومات کے لیے پیر ضیاء الدین و نرہل مہدہ میرو یری ناگ وغیرہ کو بقول شیخ صاحب ذمہ دار گردانا گیا مگر کاروائی ندارد، کیوں ــ؟ یہ راز کسی سے پوشیدہ نہیں۔ پھر ایسے اشخاص مسلم کانفرنس کے ممبر و اراکین بھی بن جاتے ہیں، اور ایماندار اراکین کو کنارہ کش ہونے کے لیے مجبور کیا جا رہا ہے۔

بہتر ہوگا کہ شیخ مجھے خاموش رہنے دیں تاکہ سارا بھانڈا پھوٹ نہ جائے اور ایسے حالات کا انکشاف نہ ہو جو رسوائی کا باعث بنے۔

میں شیخ عبداللہ سے سوال کرتا ہوں کہ ان کے خیال میں غلام نبی گلکار یا اور کوئی شخص اس وجہ سے ملزم ہے کہ وہ قومی مال غبن کرنے امانت میں خیانت کرنے والوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ آخر ان خائنوں کے کونسے سُرخاب کے پَر لگے ہوئے ہیں کہ وہ کسی حساب کے جواب دہ نہیں ہوسکتے اور جو قومی دولت ہضم کریں وہ شیرِ مادر کی طرح ان کے لیے حلال ہو اگر مسلم کانفرنس کے لیڈروں اور کارکنوں کا یہ حال ہو تو ایسی کانفرنس مسلم کانفرنس نہیں ہوگی، یہ خائنوں کی کانفرنس ہوگی۔

مسلمانوں کا فرض ہے کہ سب سے پہلے کانفرنس کی اصلاح کریں بیرونی اراکین کانفرنس کو کیا معلوم کہ اندر کیا ہو رہا ہے جو مسلمانوں کے قائدِ اعظم اور امام ہونے کا دعویدار ہیں اُن کا کیا حال ہے"۔

مولوی عبداللہ وکیل کی طرف سے پمفلٹ کی تقسیم سے قبل مجاہد منزل سرینگر سے مولوی غلام نبی ہمدانی کے نام ایک چٹھی زیرِ نمبر 222 MC مورخہ 36-8-10 جاری کی گئی۔ جس میں انہیں اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے مجاہد منزل آنے کو کہا گیا۔ انھوں نے مجاہد منزل جانے کے بجائے تحریری جواب بھیج کر شیخ عبداللہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ وہ اس تحریر کو پریس کو بھیجدیں، جب انکی یہ تحریر پریس کو نہیں بھیجی گئی تو مولوی عبداللہ وکیل کی جرأت سے شہ پا کر انھوں نے اپنا بیان شائع کروایا، مولوی غلام نبی ہمدانی نے اپنے اوپر لگائے الزامات کا جواب حسبِ ذیل دیا۔

میرے اور شیخ صاحب کے درمیان نیشنلزم پر اختلاف رائے ہے میں نے اس مسئلہ کو شیخ صاحب کی ذاتی رائے سمجھ کر کبھی اس کے خلاف کچھ نہ کہا لیکن برخلاف اس کے شیخ صاحب اس اصول کو کانفرنس کے ممبران سے منوانا چاہتا ہے اس غرض کے لیے وہ مخالف آراء کو مخالفت، رعب اور رسوخ کے ناجائز استعمال سے دباتا ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ:

۱۔ اس کے حوارین غیر ذمہ دارانہ طور پر میرے خلاف پبلک میں بدظنی پھیلا رہے ہیں، مثلاً محمد سعید کا یہ کہنا کہ مجھے قادیان سے مبلغ ۵۰ روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔

۲۔ محمد شعبان کا میرے خلاف غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈہ کرنا اور شیخ صاحب کا اس کو اس حرکت سے باز نہ رکھنا۔

۳۔ شیخ صاحب کا اپنے لیکچروں میں مجھے بالواسطہ اور بلاواسطہ دھمکی دینا اور خلوت میں مجھے غنیم وغیرہ ذلیل ناموں سے یاد کرنا۔

۴۔ شیخ صاحب اپنے ذاتی اثر و رسوخ کے مقابلہ میں کسی دوسرے شخص کی پوزیشن گوارہ نہیں کرتا اس کی یہ پالیسی اسلام کے خلاف ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ مولوی یوسف شاہ کے بعد بزعمِ خود اب میری تذلیل کا ارادہ رکھتا ہے، مثلاً گاندربل اور شہیل ٹینگ کے لیکچروں کا ماحصل اور ان کا یہ کہنا کہ میں نے مدرسہ کی آمدنی (چندہ) ہضم کر دیا اور میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔

۵۔ نیتّھر مسجد کی ان کی تقریر کہ میں نے یوسف شاہ کو کچھ نہیں دیکھا اب اس (ہمدانی) کی کیا پرواہ کروں۔

اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ شیخ صاحب کس قماش کے ہیں۔

۶۔ کانفرنس کی مجلس عاملہ میں میرے خلاف عدم اعتماد اس بات کی دلیل ہے کہ مجھے شیخ صاحب اور اُن کی پارٹی نے بزعم خود احمدی سمجھا ہے، میرا احمدی ہونا ثابت کرنا شیخ صاحب کا فرض ہے۔

۷۔ کانفرنس نے اس امر کی کبھی تحقیقات نہیں کی کہ مرزائیوں نے کیوں اور کس قسم کی غداری کی تا وقتیکہ ایسا کرنے کے بعد مجھ پر حقیقتِ حال ظاہر نہ ہو، میرے نزدیک احمدیوں کو غدّار کہنا قبل از وقت تھا۔ شیخ صاحب کی بات کے ساتھ ہاں میں ہاں ملا کر بلا سوچے سمجھے۔ احمدیوں کے خلاف ہونا چاہیے۔ میں درست نہیں سمجھتا میرے خیال میں احمدیوں کے خلاف شیخ صاحب کی جدوجہد انفرادی اور ذاتی نوعیت کی ہے اس لیے کانفرنس کو اس بارے میں مطلع کرنا ضروری ہے۔ بصورت دیگر شیخ صاحب کو ان حرکات سے باز رکھنا لازمی ہے۔

۸۔ محمد شعبان کے قضیہ میں شیخ صاحب کی ذمہ داری یہ کہنے سے دور نہیں ہو سکتی کہ میں نے محمد شعبان کو ایسی باتیں کہنے کے لیے نہیں کہا ہے جبکہ کانفرنس کے متعلق پروپیگنڈا وغیرہ میں ان دونوں میں رازدارانہ رشتہ ہے، ان حالات کے پیش نظر مجھے یہ باور کرنے کی کافی وجہ ہے کہ اس پروپیگنڈے میں درپردہ شیخ صاحب کا ہاتھ ہے۔

۹۔ شیخ صاحب نے حبہ کدل کے لیکچرس میں یہ الزام لگایا ہے کہ میں نے غلام نبی گلکار کے طلب حساب کی کاروائی میں اُسے تفرقہ پیدا کرنے کا مسئلہ کیوں نہ اُٹھایا اور اس طرح لوگوں کو اصل حالات سے لاعلم رکھ کر گمراہ کیا۔ اوّل تو میں اس کاروائی سے لاعلم تھا دوسرا غلام نبی گلکار کا حساب طلب کرنا نامناسب نہیں تھا۔ کیونکہ خیانت کے چرچے عام تھے۔ لہٰذا اُن کی مخالفت ہم کیسے کر سکتے ہیں؟

۱۰۔ کانفرنس جمہوریت سے ڈکٹیٹر شپ میں تبدیل کی گئی ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ شیخ صاحب بلا حصول اجازت از مجلس عاملہ میرے خلاف کوئی اقدام کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اس بارے میں کانفرنس کو اپنا زاویہ نگاہ واضح کرنا چاہیئے کہ ان کی نظروں میں شیخ عبداللہ کی کاروائی کس طرح حق بجانب ہے۔

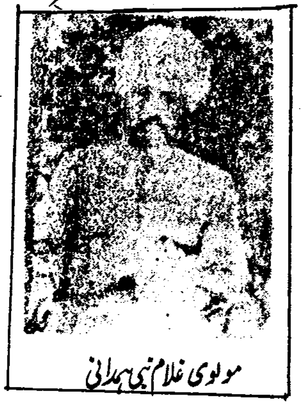
۱۱۔ محمد سعید (مسعودی) نے میرے خلاف جو تقریر کی وہ میری پوزیشن کے خلاف ہے اس لیے میں ان کے استعفے کا خواہاں ہوں، محمد سعید کی تقریر کے بارے میں شیخ عبداللہ کی خاموشی مشتبہ ہے۔

۱۲۔ ریلیف کی آمدنی اور خرچہ اب تک نہ کبھی شائع کیا گیا اور نہ ہی اس وقت کیا جا رہا ہے، گو مجھے بذاتِ خود اس امر کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں لیکن عام لوگوں کا رجحان طبع یہی ہے کہ کانفرنس والوں نے اس رقم کو باہم مل کر ہضم کر دیا ہے۔ یا اس رقم سے بلاوجہ تنخواہیں لے رہے ہیں میری ذات بھی قدرتی طور پر متہم ہو جاتی ہے۔ اس لیے ریلیف کے آمد و خرچ کی مد، اور حسابات سے لوگوں کو مطلع کیا جانا چاہیئے، کیونکہ لوگوں نے ہر جگہ ریلیف کی رقومات ہضم کرنے پر آئندہ چندہ دینے سے اجتناب کیا ہے لہذا کانفرنس کو اپنے فائدے کے پیش نظر لوگوں کے شبہات کو دور کرنے کی مناسب سبیل پیدا کرنی چاہیئے۔

حضرات! آپ لوگوں کو علم ہے، میرے اور میرے خاندان کے خلاف پچھلے ایک مہینے سے کس قدر غلط پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے، واقعہ یہ ہے کہ کئی مسائل پر ہمیں آپس میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ معاملات تصفیہ کی غرض سے کل کے طویل اجلاس میں زیر بحث آئے۔ رہا ان جملہ کا جو میری ذات اور میرے خاندان کے متعلق ہے، مثلاً یہ کہ میں پچاس روپے قادیانیوں سے تنخواہ لیتا ہوں یا مدرسہ کا روپیہ ہضم کرتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔

اس کے متعلق مجھ سے کہا گیا یہ کاروائی جذبات کے مشتعل ہونے کا نتیجہ تھا چونکہ وہ اپنے افعال پر نادم ہیں اس لیے میں نے مسلمانوں کے مفاد اور کانفرنس کے نظام کو زک نہ پہنچنے کی غرض سے صلح کا رویہ اختیار کر لیا۔ میں اس کاروائی کو اپنی کسی برتری یا پوزیشن پر محمول نہیں کرتا ہوں بلکہ محض حق و صداقت اور دیانتداری کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔

دُعا ہے خدا مجھے اور میری جماعت کو ہمیشہ راستی کا ساتھ دینے اور باطل شور و شر اور رعب سے مرعوب نہ ہونے کی توفیق عطا کرے تا کہ ہم آزادی اور جرأتِ قلبی کے ساتھ ملک وملّت کی خدمت کے اہل ثابت ہوں۔ آمین!



مولوی غلام نبی ہمدانی

خادم قوم

مولوی غلام نبی ہمدانی

ہمدانی منزل مورخہ ۱۲؍ اگست ۱۹۳۶ء

لڑائی جھگڑا اور صلح وصفائی کا دور جاری تھا محاذ کبھی سرد اور کبھی گرم ہو رہا تھا کہ دسمبر ۱۹۳۶ء

کے چوتھے ہفتے میں

"شیخ محمد عبداللہ کی بدعنوانیاں"

کے نام سے ایک کتابچہ وسیع پیمانے پر عوام میں تقسیم کیا گیا۔ اس میں شیخ محمد عبداللہ پر تنظیم کے ساتھ غداری کرنے کے کئی الزام لگانے کے ساتھ ان پر ذاتی حملے بھی کیے گئے، کتابچہ میں شیخ عبداللہ کو مرزائی کہہ کر مخاطب کیا گیا اور مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کے لیے پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ سودے بازی کرنے، ہندوؤں سے قبل از وقت رشوت لینے کا بھی الزام لگایا گیا۔

"شیر بکرا" فسادات کے لیے انھیں ذمہ دار گردانا گیا۔ مسلمانوں کا اتحاد درہم برہم کرنے کی سازش کا انھیں سرغنہ مان لیا گیا۔ ان کی غنڈہ گردی، ڈکٹیٹرانہ طرز عمل کے ساتھ دیگر اخلاق سوز تہمتیں ان پر لگائی گئیں۔ اس کے علاوہ ان پر کئی ایسے الزام بھی لگائے گئے جن کو ضبط تحریر میں لانا نامناسب ہے۔

انہیں بے درد، بے مروّت، طوطا چشم، حق ناشناس، مردم ناشناس، بد اخلاق، بد لحاظ، خود غرض، متکبّر، مغرور، بددیانت، غاصب اور ایسے دوسرے ناموں سے یاد کیا گیا۔

اس کتابچے کی وسیع پیمانے پر تقسیم سے ایک انتشار پیدا ہو گیا، جانکار حلقوں نے جب اس کا کھوج لگایا تو معلوم ہوا یہ مفتی ضیاء الدین پونچھی نے لاہور میں چھپوا کر جموں وکشمیر میں تقسیم کرایا۔

اس کتابچے کی تقسیم سے پیدا شدہ صورت حال سے نمٹنے کے لیے نور محمد کتب فروش کے گھر پر ایک میٹنگ منعقد ہوئی اس میں غلام محمد فاروقی ملا رٹہ غلام جیلانی (ریٹائرڈ ٹھیکیدار) غلام احمد جوہری اور دوسرے بزنس مین حضرات نے شرکت کی، میٹنگ میں کتابچے کے اخلاق سوز اور شرمناک الزامات پر اظہار افسوس کیا گیا اور اس کا جواب مرتّب کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔ لیکن یہ فیصلہ شاید روبہ عمل نہیں لایا جا سکا۔ کیونکہ مجھے تلاشِ بسیار کے باوجود کہیں بھی اس کا جواب دستیاب نہ ہو سکا۔

اب وہی سب ہیں علمبردار میرے نام کے
ذائقہ میرے لہو کا جن کی تلواروں میں تھا

مُسلم کانفرنس جانکنی کی حالت میں

مسلم کانفرنس کا دوسرا اجلاس اتفاق رائے سے صوبہ جموں کے میرپور علاقہ میں منانے کا فیصلہ لیا تاکہ ڈوگرہ شاہی کی قتل وغارت اور بربریّت کے کارن وہاں کی خوفزدہ مسلم آبادی کو کسی قدر حوصلہ مل سکے۔ شیخ عبداللہ نے میرپور کے بجائے جموں شہر میں کانفرنس کا اجلاس بلانے کی تجویز دی لیکن اکثریت کے احترام میں انہیں اپنا فیصلہ بدلنا پڑا، چنانچہ ١٥/١٦ اور ١٧ دسمبر ١٩٣٣ء کو میرپور میں مسلم کانفرنس کا دوسرا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ سرینگر کے علاوہ دیہات اور قصبات سے بھی کافی تعداد میں ڈیلی گیٹ میرپور کے اجلاس میں شریک ہوئے اس اجلاس کی صدارت شیخ عبداللہ نے کی، اپنے خطبۂ صدارت میں حکومت سے انہی شکایات کو دہرایا جو اس سے قبل کے اجلاسوں میں بتائی گئی تھیں۔ البتہ اس بار انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کو بھی مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"عوام کے جو حقوق ضایع کیے گئے ہیں ان میں کسی مخصوص ملّت کو نقصان نہیں پہنچا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم ان نقصانات میں برابر کے شریک ہیں، حکومت اگر ان تفرقات سے دست بردار ہو جائے تو حاصل شدہ حقوق سے سب اقوام کو یکساں فائدہ پہنچے گا، آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس نے جس قدر کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ان میں تمام اقوام کا فایدہ ملحوظ رکھا ہے ......"

اجلاس میں کئی قراردادیں پاس کی گئیں اور شیخ صاحب کی طرف سے خصوصی طور پر یہ قرارداد پاس کی گئی کہ "غیر مسلم بھی ہمارے دوش بدوش کھڑے ہو کر ملک اور قوم کو ذلّت و افلاس اور غلامی سے نجات دلانے کی مہم میں حصّہ لیں۔ کیونکہ مسلم کانفرنس کے پیش کردہ مطالبات صرف

مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ اُن سے ریاست کا ہر فرقہ اور ہر فرد مستفید ہو سکتا ہے، پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپ اپنے ہموطن مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر اس قومی محاذ کو مضبوط بنائیں۔"

شیخ عبداللہ نے اپنے خطبۂ صدارت اور قرار دادوں میں جن خیالات کا اظہار کیا ان کو مدّنظر رکھ کر ان کے خیالات، ان کی نیت اور ان کی وسعتِ قلب کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ اور ایک ذی حس انسان ان کے زرّیں خیالات کی نہ صرف تائید و حمایت کر سکتا ہے بلکہ اُن کے ایسے نظریات کے لیے انہیں سر آنکھوں پر بٹھا سکتا ہے۔ مگر...... مگر چند ایک احباب کے سوا کوئی اور نہیں جانتا تھا کہ یہ سب شیخ عبداللہ نہیں کہہ رہا ہے بلکہ ان کے اندر وہ چور بنا رہا ہے، جو چور ان کے اندر کانگریس نے بٹھا دیا ہے۔ کیونکہ کانگریس نے ریاست کی غیر مسلموں کی خوشنودی کے لیے مسلم کانفرنس کی تنظیم ختم کرنے اور اس کا پرچم لپیٹ کر رکھ دینے کا تہیّہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس کی تکمیل کے لیے انھوں نے نیشنلزم کے جراثیم شیخ عبداللہ کے جسم میں ڈال دیئے تھے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو انھیں غیر مسلموں کا کوئی درد نہیں تھا اور نہ ہی یہ غرض تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ وہ بھی ان کے دوش بدوش چلیں اگر اُن کی غرض تھی تو بس یہ تھی کہ جتنی جلد مسلم کانفرنس کا شیرازہ بکھر جائے اُتنا ہی اچھا ہے تاکہ وہ کانگریس کی آنکھوں کا تارا بن سکیں۔

مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ کرنے اور اسے 'شیر اور بکرا' کے ساتھ ذبیحہ اور کوڈہ میں بانٹنے کے بعد غیر مسلموں کو اپنی صفوں میں شامل کرنا مسلمانوں کی یک جہتی کے کفن دفن کا انتظام کرنے کے مترادف تھا۔ جو اُن ایام میں بہت کم احباب جانتے تھے۔

علامہ اقبال جو کشمیر تحریک پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے، انھوں نے اس سلسلے میں شیخ عبداللہ کے نام خط لکھ کر ان کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی لیکن یہ لاحاصل رہی۔

" لاہور ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء

ڈیر شیخ عبداللہ صاحب!

السّلام علیکم!

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ "مسلم کانفرنس کشمیر" کے بارے میں اخبار میں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی مجھے یقین ہے کہ بزرگانِ کشمیر بہت جلد اپنے مطالبات سلجھائیں گے اس بات کے لیے میں ہر لحظہ دست بدعا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کی مساعی کو بار آور کرے گا۔ لیکن جو مختلف جماعتیں سنا ہے

کہ بن گئی ہیں اور ان کا باہمی اختلاف آپ کے مقاصد کی تکمیل میں بہت بڑی رکاوٹ ہوگا۔ ہم آہنگی ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام سیاسی و تمدّنی مشکلات کا علاج ہے۔ ہندی مسلمانوں کے کام اب تک محض اس وجہ سے بگڑتے رہے کہ یہ قوم ہم آہنگ نہ ہو سکی، اور اس کے افراد اور بالخصوص علمائے کرام اوروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے رہے بلکہ اس وقت بھی ہیں۔ بہرحال میری دعا ہے کہ آپ کے ملک کو یہ تجربہ نہ ہو۔ افسوس ہے کہ میں اور مشاغل کی وجہ سے کانفرنس میں شریک نہ ہو سکوں گا۔

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا

محمد اقبال ــــ لاہور "

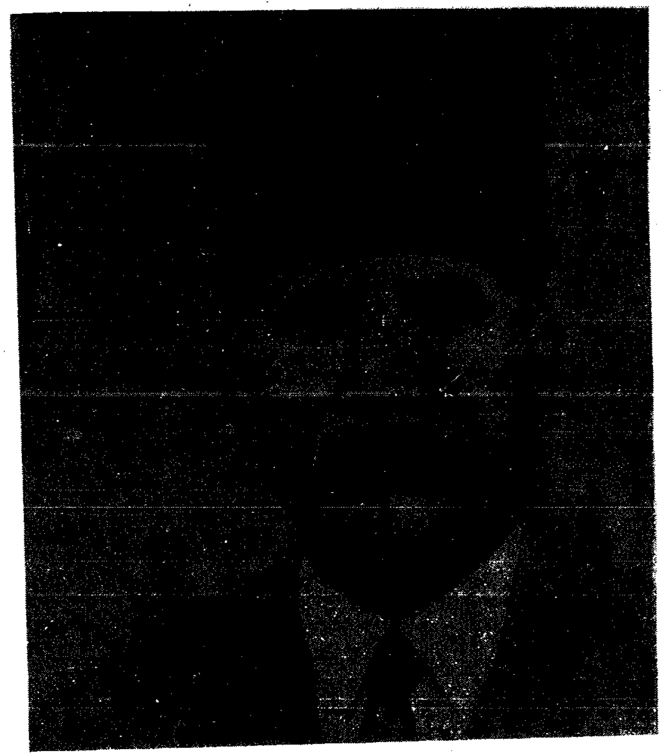
شیخ عبداللہ نے ساری زندگی اقبال اور کلامِ اقبال کو اپنی مشعلِ راہ بنایا لیکن ان کے اس ایک اہم خط جس میں انہیں قومی آہنگی کا درس دیا تھا تاکہ مسلمانوں کی یک جہتی اور اتحاد بنا رہے اس درس کو انھوں نے نظر انداز کر دیا۔

پوچھا جا سکتا ہے جس شخصیت کی ایک اہم نصیحت جس میں قومی اتحاد مضمر تھا جس میں مسلمانوں کے روشن مستقبل کی نشاندہی ملتی تھی اس شخصیت کی نصیحت کو قابلِ اعتنا نہ سمجھ کر اُن کی زندگی اور ان کے زرّیں کلام کی مثالیں دینا کیا معنی رکھتا ہے، صاف ظاہر ہے کہ یہ علامہ سر محمد اقبال کی شخصیت استحصال تھا۔ جو ایک بار نہیں بلکہ بار بار کیا گیا۔

مسلم کانفرنس کا چھٹا اجلاس جو ۲۵ ، ۲۶ ، اور ۲۷ ، مارچ ۱۹۳۸ء کو جموں میں زیرِ صدارت شیخ محمد عبداللہ منعقد ہوا دراصل مسلم کانفرنس کی تجہیز و تدفین کا اجتماع تھا۔ لیکن خطبۂ استقبالیہ شیخ محمد امین نے بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ پیش کیا وہ تجہیز و تدفین کی اس سازش سے مکمل بے خبری کا ثبوت فراہم کر رہا تھا کیونکہ انھوں نے اپنے خطبہ میں گذشتہ کارکردگیوں پر روشنی ڈالنے کے دوران ان سازشوں کی کوئی نشاندہی نہیں کی جو اس تنظیم کو ختم کرنے کے لیے وا اور عبداللہ کے درمیان پروان چڑھ رہی تھی۔

شیخ محمد عبداللہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں اجتماع سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"ہمیں اپنے گھر کا انتظام کرنے میں خود مختاری دے دی جائے اور ہمارے



علامہ سر محمد اقبال
جنہوں نے شیخ محمد عبداللہ کو اتحاد برقرار رکھنے کی تاکید کی تھی

ان قدرتی و پیدائشی حقوق، جو انسانیت کے ابتدائی اور عام حقوق ہیں اُن میں کوئی بیرونی اور مطلق العنانہ اندرونی مداخلت نہ کی جائے اسی چیز کا نام ذمہ دار نظام حکومت ہے، اور یہی ہمارا نصب العین ہے جس کے حصول کی خاطر ہم اپنی زندگیاں وقف کر چکے ہیں۔ اور جس کو ہر قیمت پر حاصل کرنا ہمارا محبوب ترین مقصد حیات قرار پا چکا ہے۔

ذمہ دار نظام حکومت کے حصول میں ان تمام لوگوں کی شرکت فرض اولین ہے جنہیں موجودہ حکومت کے وقت مختلف النوع غلامیوں اور فقر و فاقہ کی مصیبتوں کا شکار بنایا جا رہا ہے۔ وہ لوگ کون ہیں وہ صرف مسلمان ہی نہیں صرف ہندو اور سکھ ہی نہیں اچھوت اور بودھ ہی نہیں بلکہ ریاست کے تمام باشندے ہیں۔ بعض مسلمان اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ آٹھ لاکھ کے آٹھ لاکھ غیر مسلم نہایت ہی آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں یہ خیال خام ہے دراصل آٹھ لاکھ میں سے چند ہزار غیر مسلم ہی ایسے ہوں گے جو مصائب و آلام سے بچے ہوئے ہوں۔ ورنہ باقی سب کے سب آپ ہی کی طرح بے علمی، جہالت، مفلسی، قرضہ، بھاری بھرکم محصولات اور اس قسم کی دوسری مصائب کے مارے ہوئے ہیں۔

یہ نظام حکومت صرف اسّی فیصد مسلم آبادی کے لیے ہی نہیں طلب کیا جا رہا ہے یہ تو سو فیصدی باشندگانِ جموں و کشمیر کے لیے مانگا جا رہا ہے۔ اس لیے اسکو حاصل کرنے کے وقت بیس فیصدی ہندوؤں، سکھوں بودھوں اور ہریجنوں کو بھی شمولیت کی دعوت دینا اور انہیں اپنے ساتھ ملا کر آگے بڑھانا اشد ضروری ہے۔

میرے نزدیک قومی عمارت کو صحیح بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے دو باتیں لازمی ہیں اور جمہوریت کی جان ہیں۔ اولاً تمام سیاسی و معاشی امور میں ہندو سکھ اور مسلم، غیر مسلم کے امتیازات کو ختم کر کے مشترکہ اور متحدہ قومی محاذ قائم کرنا دوئم ملک کے ہر ایک بالغ مرد و زن کو حق رائے دہندگی کے زیور سے آراستہ و پیراستہ کر کے مشترکہ طریقۂ انتخاب کو رائج کرنا۔۔۔۔۔"

اجلاس میں کئی قراردادیں پاس کی گئیں، اس سوال کو پیش کرتے ہوئے کہ غیر مسلموں کو مسلم کانفرنس بحیثیت مسلم اپنا ممبر نہیں بنا سکتی اس لیے عملی اشتراک کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار

کیا جائے کہ کسی قسم کی رکاوٹ پیش نہ آسکے۔

شیخ صاحب نے فرمایا:۔

"مسلم اور غیر مسلم کو ایک مرکز پر کھڑا کرنے کی صورت موجودہ حالت میں مختلف ہونی چاہیئے ایک مشترکہ قومی جماعت کی تعمیر کے وقت جماعت کے نام بعض جزوی قواعد میں ضروری ترمیم کرنی لازمی اور ضروری ہے"۔



محمد عمر بٹ

اس ترمیم کے لئے سرینگر میں ایک خصوصی اجلاس طلب کیا گیا۔ کافی بحث و مباحثہ کے بعد خواجہ محمد عمر بٹ نے مسلم کانفرنس کے بدلے تنظیم کا نام "نیشنل کانگریس" تجویز کیا لیکن ان کی یہ تجویز پاس نہ ہو سکی، بقول بخشی غلام محمد شیخ صاحب نے ایک روز قبل اس نام کی چٹ مجھے دی تھی۔ تاکہ میں اس نام کی تجویز پیش کر سکوں لیکن میرے انکار پر انھوں نے یہ چٹ محمد عمر بٹ کے حوالہ کی تھی سرینگر میں کانگریس کے ایک لیڈر دوارکا ناتھ کاچرو ان دنوں تک خواجہ محمد عمر بٹ کے ہاں مقیم تھے اور وہ نیشنل کانگریس کے نام پر خفیہ طور پر زیادہ زور دے رہے تھے۔

"نیشنل کانگریس" کی تجویز نامنظور ہو گئی تو ہندو لیڈروں کے ساتھ کانگریس کو ایک دھچکا لگا اور کافی دوڑ دھوپ کے بعد انھوں نے خواجہ محمد عمر بٹ کو نیشنل کانگریس کی داغ بیل ڈالنے کے لئے استعمال کیا۔

چنانچہ مئی ۱۹۳۸ء میں خواجہ عمر بٹ، نے "نیشنل کانگریس" نام کی اس نئی جماعت کی داغ بیل ڈال دی۔ اس کے صدر خواجہ محمد عمر بٹ، جنرل سیکرٹری روگناتھ ویشنوی اور قابلِ ذکر ممبران میں سیٹھ کشوری لال، مدن لال، وید پرکاش اور علی محمد بٹ ہیں۔ نیشنل کانفرنس بنتے ہی یہ تنظیم اس میں مدغم ہو گئی۔

نیشنل کانگریس کے نام کی تجویز نے بعض مسلم رہنماؤں کو گویا جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور یقیناً ان حضرات سے خوفزدہ ہو گئے۔ جو مسلم کانفرنس کی تنظیم پر منڈلا رہے تھے۔ اگرچہ پہلے مرحلے پر قریب قریب مسلمان قائدین نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ البتہ ایک لابی ایسی موجود تھی کہ وقت آن پہنچا ہے کہ

مُلک کے تمام ترقی پسند عناصر حصول ذمہ دار نظامِ حکومت کے لئے ایک جھنڈے تلے جمع کئے جائیں اس لئے مجلس عاملہ جنرل کونسل سے سفارش کرتی ہے کہ آیندہ ہونے والے اجلاس کے موقعہ پر کانفرنس کے نام اور آئین میں اس قسم کی تبدیلی اور ترمیم کی جائے تاکہ تمام ایسے لوگ جو اس سیاسی جدوجہد میں حصّہ لینے کی خواہش رکھتے ہوں بلاتمیز مذہب و ملت اور رنگ و نسل آسانی کے ساتھ کانفرنس کے رُکن بن سکیں۔

اِس تجویز کی جموّں کے مُسلم ممبران نے مخالفت کی تو انھیں تنظیم سے مستعفی ہونے کو کہا گیا۔

۲۴ جون ۱۹۳۸ء کو مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کیا گیا۔ اس اجلاس میں بیشتر مسلم رہنماؤں نے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کی شدید مخالفت کی۔ البتہ بعض ممبران نے اس کی حمایت کی۔ مولوی عبداللہ وکیل نے اسے مسلم اتحاد کے خلاف گوپالا سوامی آئینگر کی ایک گہری سازش تعبیر کیا، آزاد مسلم کانفرنس کے لیڈروں نے اعلانیہ طور پر کہا کہ شیخ عبداللہ نے تحریک کو کانگریس کے ہاتھوں بیچ دیا۔

اخبار "پاسبان" کے ایڈیٹر سیّد معراج الدین احمد نے فرمایا کہ جیالال کلم، کیشپ بندھو رام ناتھ شاستری اور ڈاکٹر پیش نے شیخ عبداللہ کے ہاتھوں مُسلم کانفرنس کو ختم کرتے اور اس کا پرچم توڑنے کا جو عہد کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔

چوہدری غلام عباس خاں نے فرمایا:

"اگر ہم نے مسلم کانفرنس کو توڑ کر نیشنل کانفرنس بنا دی تو یہ تنظیم کانگریس کی ایک لونڈی بن جائے گی (چوہدری) عباس خان نے اگرچہ بعد میں ایسا کرنے کی حامی بھری لیکن نیشنل کانفرنس واقعی کانگریس کی لونڈی بن گئی اور دیکھا جائے تو آج کل یہ کانفرنس کانگریس کی لونڈی کے ساتھ اس کی داسی بھی بن گئی ہے)۔

"تمام اعتراضات کو سن کر شیخ عبداللہ نے ان کو مُسترد کیا" کافی لے دے کے بعد بعض مسلم رہنماؤں نے مشروط طور پر مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کی حامی بھرلی۔ ان میں چوہدری غلام عباس خان پیش پیش تھے۔

شرائط حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) نیشنل کانفرنس کا کانگریس کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں رہے گا۔

(۲) مسلمانوں کی اسّی فیصد آبادی کے مُقابل غیر مسلم افراد کی پارٹی میں شمولیت سے مسلمانوں کی انفرادیت پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا۔

(۳) ہندو اور مسلمانوں کا کوئی ملاپ نہیں ہو سکتا۔ البتہ دونوں فرقے سیاسی ایگریمنٹ پر ایک ساتھ کام کر سکتے ہیں۔

(۴) شیخ عبداللہ سے یہ توقع رکھی جائے گی کہ وہ مسلمانوں کی تباہی نہیں چاہیں گے۔"

شیخ عبداللہ نے یہ شرائط فوری طور پر منظور کر لیں، انہیں اس کے ساتھ کوئی غرض نہیں تھی کہ شرائط کیا ہیں؟ کیا نہیں؟ انہیں تو بس ایک غرض تھی کسی طرح مسلم کانفرنس کا نام مٹ جائے تاکہ وہ پنڈت نہرو کو بتا سکیں کہ میں نے یہ کام کر کے دکھا دیا۔

اس اجلاس کے اختتام پر مسلم کانفرنس کے رہنماؤں نے پروگرام کے مطابق ذمہ دار نظام حکومت کے فوائد سے ریاستی عوام کو روشناس کرانے کے لیے جلسے جلوس اور تقریروں کا ایک ریاست گیر سلسلہ شروع کیا۔

سب سے پہلے مسلم کانفرنس کے لیڈر راجہ محمد اکبر خاں آف میرپور نے ذمہ دار نظام حکومت کا نعرہ ایک پبلک جلسے میں دیا۔ انہیں گرفتار کر کے تین سال کی قید اور ایک سو روپے جرمانہ کی سزا دی گئی۔

ان کے بعد شیخ محمد اکبر، بخشی غلام محمد، خواجہ محمد صادق، مولانا مسعودی اور دوسرے کئی لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ انہیں چھ چھ ماہ کی سزا سنائی گئی۔

۸ راگست ۱۹۳۸ء کو ذمہ دار نظام حکومت کے نام پر "کشمیر ڈے" منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ دہلی کانگریس کمیٹی کی طرف سے کشمیری پنڈتوں کو اس میں بڑے پیمانے پر شرکت کی ہدایت مل گئی۔ حسب پروگرام "ذمہ دار نظام حکومت ڈے" کے طور پر منایا گیا۔ اس میں سبھی فرقوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

اس نوعیت کا یہ پہلا جلوس تھا جو شہر کے مختلف بازاروں سے گزر کر فرقہ وارانہ یگانگت کا بھرپور مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کے بعد ایسا مظاہرہ نہ کبھی دیکھنے میں آیا اور نہ ہی سننے میں۔

آل انڈیا اسٹیٹس پیوپلز کانفرنس نے برطانوی حکومت کے خلاف نیشنل ڈیمانڈ کا پروگرام بنایا تو اگست ۱۹۳۸ء میں سرینگر میں اسٹیٹس پیوپلز کانفرنس کی شاخ قائم کی گئی، سرینگر شاخ نے دوسری پارٹیوں کی طرح نیشنل ڈیمانڈ کے مسودے کی پرزور حمایت کی، قومی مطالبہ مرتب کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ کمیٹی خواجہ غلام محمد صادق کی سربراہی میں مرزا محمد افضل بیگ،

پنڈت جیالال کلم، کیشپ بندھو، پریم ناتھ بزاز اور سردار بدھ سنگھ پر مشتمل تھی۔

۲۷ راگست ۱۹۳۸ء کو قومی مطالبہ کے نام سے رہنمایان جموں و کشمیر نے دستاویز مرتب کی اسکو عوامی حلقوں کی جانب سے تائید حاصل کرنے کی غرض سے ایک پبلک جلسہ میں منظور کرانا مطلوب تھا حکومت نے شہر سرینگر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کیا جس کی وجہ سے ۲۸ راگست میونسپل حدود سے باہر درگاہ حضرت بل کے احاطہ میں ایک پبلک جلسہ منعقد ہوا جس میں عوامی حلقوں کی جانب سے اس عوامی منشور کی بڑے جوش و خروش سے تائید و حمایت کی گئی۔

اگلے روز اس کی پاداش میں شیخ عبداللہ کو گرفتار کیا گیا۔ شیخ صاحب کی گرفتاری کی خبر پھیلتے ہی شہر میں مکمل ہڑتال کی گئی اور احتجاجی جلوسوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ امیراکدل کے پاس لوگ جمع ہونے لگے۔ پولیس دفعہ ۱۴۴ کا ڈھنڈورا پیٹ کر لوگوں کو منتشر کر رہی تھی۔ لوگ منتشر بھی ہو رہے تھے اور جمگھٹا بھی کر رہے تھے۔ علاقہ میں دن بھر تناؤ اور کشیدگی رہی شام پانچ بجے کے قریب وزیر اعظم گوپالاسوامی آہنگر پولیس کی نگرانی میں سکریٹریٹ سے نکل کر کار میں اپنی رہائش گاہ کی طرف جا رہا تھا جونہی ہجوم کو چیرتی ان کی کار ریذیڈنسی روڈ کی طرف بھاگنے لگی، محمد رجب ڈار نامی ایک جوان ڈرائیور نے وزیر اعظم کی کار کی طرف جست لگا کر ڈرائیور تیرتھ سنگھ کو کار روکنے کو کہا اور اس کے ساتھ ہی اس جوان نے کار پر چھلانگ لگائی، کار بدستور بھاگنے لگی اور محمد رجب پھسل کر کار کے ایکسل میں اٹک گیا۔ کار اسے روندتی ہوئی پوری رفتار کے ساتھ ریذیڈنسی روڈ پر پسٹن جی کی دوکان تک لے گئی۔ جہاں ایک انگریز نے اپنی کار کو بیچ سڑک میں کھڑا کر کے گوپالاسوامی آہنگر کے ڈرائیور کو کار روکنے کے لیے مجبور کیا عین موقع پر خواجہ احسن اللہ، پیر مقبول گیلانی اور علی محمد نے محمد رجب ڈار کو ایکسل سے نکال کر انگریز کی موٹر میں مشن ہسپتال درگجن پہنچا دیا جہاں ان کا علاج معالجہ ہوتا رہا۔ ان کا علاج و معالجہ کرانے میں وزیر اعظم گوپالاسوامی آہنگر نے بڑی دلچسپی دکھائی۔

ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق محمد رجب ڈار کو اس حادثہ میں ۲۴ - انچ لمبا اور ڈیڑھ انچ گہرا زخم لگا۔

محمد رجب ڈار کے ساتھ اس قسم کی بہیمانہ حرکت کے خلاف عوام کی طرف سے سخت غم و غصہ کا اظہار کیا گیا۔ خواجہ احسن اللہ اور پیر محمد مقبول گیلانی نے وزیر اعظم کے خلاف تند و تیز بیان دے کر حکومت کو مشتعل کیا، چنانچہ انہیں گرفتار کر کے سرسری سماعت میں انھیں چھ ماہ

قیدِ سخت کی سزا سُنائی گئی۔

حکومت کی اس کارروائی کے خلاف بطور احتجاج ایک عوامی جلسہ آزاد پارک امیرا کدل (جواب کے، ایم، ڈی اڈہ کہلاتا ہے) میں منعقد کیا گیا۔ جلسے سے مولانا محمد سعید مسعودی، غلام محمد صادق، سردار بدھ سنگھ، خواجہ علی محمد، کیشپ بندھو، غلام مُرتضیٰ اور محی الدین نقّاش نے حکومت کی کارروائی کے خلاف اظہارِ ناراضگی کے ساتھ سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ دُہرایا۔ اجلاس میں چیمبر آف کامرس کے چیرمین خواجہ غلام احمد (غلام محی الدین اینڈ سنز) کے مالک، شیام لال صرّاف اور منشی اسد اللہ کے اس بیان پر اظہارِ تاسف کیا گیا جس میں انھوں نے محمد رجب ڈار کی حرکت پر اعتراض کرکے اس حرکت پر مذمت کی تھی۔

حکومت کی کارروائی کے خلاف چوہدری غلام عباس خاں نے بارہمولہ میں تقریر کی جس کی پاداش میں انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا۔ ایجی ٹیشن کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ اس ایجی ٹیشن کو دبانے کے لیے حکومت نے اندھا دھند گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا۔ نیشنل ڈیمانڈ پر دستخط کرنے والے مسلم کانفرنسی لیڈر اور غیر مسلم احباب پابند سلاسل کیے گئے۔ خانقاہ معلیٰ میں روزانہ ۴ بجے سے ۵ بجے تک جلسے ہونے لگے اور یہاں روزانہ درجنوں لوگ گرفتاری کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنے لگے، گرفتار شدگان میں ہندو مسلم اور سکھ سبھی شامل ہوتے تھے۔

شیخ عبداللہ اور دیگر مسلم کانفرنس کے لیڈروں کو چھ ماہ کی قید اور پچیس روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی۔ مرزا محمد افضل بیگ اور خواجہ غلام محمد صادق کو حکومت نے اسمبلی کی نشست سے خارج کرکے پانچ سال تک انتخابات میں ان کے حصّہ لینے پر پابندی عائد کی، بعد میں حکومت نے خود ہی یہ پابندی اٹھا دی۔

فروری ۱۹۳۹ء میں سیاسی قیدیوں کی رہائی شروع ہو گئی۔

۱۵ سے ۱۷ فروری تک لدھیانہ میں اسٹیٹ پیپلز کانفرنس منعقد ہوئی، اس کانفرنس میں شرکت کے لیے ہندوستان کی ہر دیسی ریاست سے مندوبین لدھیانہ پہنچ رہے تھے، ریاست جموں وکشمیر کی طرف سے لدھیانہ کانفرنس میں شامل ہونے کے لیے جو وفد روانہ ہوا وہ سرینگر شاخ کے صدر شری موہن کشن ٹِکو کی ہدایت پر یوں ترتیب دیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ چوہدری عباس خاں پنڈت کیشپ بندھو، میاں احمد یار خاں، غلام محی الدین ہمدانی، سید حسین شاہ جلالی، غلام محمد صادق، بخشی غلام محمد، پنڈت پریم ناتھ بزاز، پنڈت جیا لال کلم، سردار بدھ سنگھ، مولوی محمد سعید

مسعودی، غلام حسن گیلانی، ڈاکٹر محمد عالم، ایم اے صابر ایڈیٹر "البرق"، غلام محی الدین نقّاش، مسٹر ایم ساغر ایڈیٹر "مشقّت" جموں، ماسٹر عبدالعزیز، چوہدری عبداللہ خاں، چودھری لالہ لودھ راج، خواجہ عبدالقادر، غلام نبی وکیل، خواجہ علی محمد، پنڈت شمبھوناتھ کول ایڈیٹر "ہمدرد" سرینگر، خواجہ سیف الدین شاہ، پنڈت سروپ ناتھ، عبدالرحمان راحت، صوفی محمد اکبر، خواجہ محمد اکبر ڈار اور قاسم علی۔

لدھیانہ کانفرنس میں تحریک آزادی کشمیر ۱۹۳۱ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا اور کانفرنس کے کھلے اجلاس میں نمائندوں کے سامنے کشمیر کی حالیہ ایجی ٹیشن کو مشعل راہ قرار دے کر مقررین نے اس تحریک کی تشریح کرتے ہوئے دوسری ریاستوں سے غربت اور افلاس کو دور کرنے کے لیے ذمّہ دار نظام حکومت کے ایسے زرّیں اصول کی حمایت کی جو کشمیر کے جیالے اور غیور باشندوں نے منتخب کیا ہے، کشمیری لیڈروں کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ انہیں جیالے اور جانبازوں کے خطابات سے نوازا گیا۔ ان کے عزائم کو یہ کہہ کر داد دی گئی کہ ان سورماؤں نے اپنے وطن اور قوم کی خوش حالی اور ترقی کے لیے ہنسی خوشی جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں کو اپنے حقیقی گھروں میں تبدیل کیا ہے، اور ان کے اس جذبۂ حرّیت کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ یہ جیل سے رہائی پاتے ہی یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اور یہ اپنی اپنی میعاد قید نہایت ہی خوش خرّمی سے کاٹتے رہے۔ جب ان لوگوں کی میعاد قید اختتام پذیر ہونے لگی تو شیخ محمد عبداللہ اور پنڈت کیشپ بندھو کے سوا باقی تمام اراکین کو ریاستی حکومت نے وقت پر رہا تو کیا مگر ان دو قائدین کو مزید کچھ عرصے کے لیے جیل کی صعوبتیں جھیلنے کے لیے بند رکھا۔

اجلاس میں دیسی ریاستوں میں ذمہ دار نظام حکومت قائم کرنے کی تحریک پر قرارداد پاس کی گئی اور ریاست جموں وکشمیر کے باشندوں کے مرتب کردہ ڈیمانڈ کی تائید کی گئی۔ جو بخشی غلام محمد نے مرتّب کرکے پمفلٹ کی صورت میں اجلاس میں تقسیم کرایا۔ تمام دیسی ریاستوں کے مقررین نے اس مسودے کو ترقی پسندانہ نوعیت کی اہم دستاویز قرار دیا۔

کانفرنس کے کھُلے اجلاس میں پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے صدارتی خطبہ میں ہندوستانی ریاستی عوام کے ڈیلی گیٹوں اور اجتماع کے سامنے اپنی تقریر میں کشمیر کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

"یہ چند مہینوں کی بات ہے کہ اگست ۱۹۳۸ء میں جو ایجی ٹیشن شیخ محمد عبداللہ کی رہنمائی میں شروع ہوئی وہ محتاجِ تشریح نہیں آپ سبھی جانتے ہیں کہ کشمیر کے غیور باشندے کیا چاہتے ہیں اور ان کی غربت و افلاس کس طرح دور ہو سکتی ہے اس کا

واحد اور صحیح علاج جو انھوں نے تشخیص کیا ہے وہ ہے ذمہ دار نظام حکومت، ایسی آواز کو دبانے کے لیے کشمیر کے قائد شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقاء کو دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کا بہانہ بنا کر گرفتار کیا گیا تھا جنہیں سٹی مجسٹریٹ سرینگر نے چھ چھ ماہ اور پچیس پچیس روپے جرمانہ کی سزائیں بھگتنے کا حکم صادر کیا، یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں کہ دنیا میں جو بھی سیاسی لیڈر آزادی حاصل کرنے کے لیے پیدا ہوتا ہے اُس کا گھر جیل میں ہوا کرتا ہے۔ مگر سامراج شاہی کی یہ کھلی شاطرانہ چالبازیاں اب زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی ہیں۔ اگر شیخ محمد عبداللہ کو قید میں بند رکھ کر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے اس سب پر پردہ پڑ سکتا ہے جو کچھ کشمیر میں ہو رہا ہے تو میں یہ کہوں گا کہ معتقدین نے وہ فرض ادا کیا جس کی بنا پر شیخ محمد عبداللہ کے ایام قید میں اضافہ کیا گیا۔"

لدھیانہ کانفرنس میں کشمیر کے مندوبین واپس سرینگر پہنچ گئے تھے کہ ۲۴ رفروری کو شیخ عبداللہ کٹھوعہ جیل سے رہا کیے گئے۔ شیخ صاحب کے استقبال کے لیے مولانا مسعودی غلام محمد صادق، پریم ناتھ بزاز، سردار بدھ سنگھ اور غلام محی الدین نقاش پر مشتمل ایک کمیٹی ترتیب دی گئی، چنانچہ شیخ صاحب کی آمد پر سرینگر میں ان کا پرتپاک اور شاندار استقبال کیا گیا۔

مارچ ۱۹۳۹ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس تریپورہ میں منعقد ہو رہا تھا جس میں صدر کانگریس کی خصوصی دعوت پر شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں بخشی غلام محمد، مولانا مسعودی، پریم ناتھ بزاز اور کیشپ بندھو نے شرکت کی، اجلاس کے دوران شیخ صاحب اور پنڈت نہرو کے ملاقات کے کئی دور ہوئے، جن میں بعض دور انتہائی خفیہ تھے، پنڈت جواہر لال نہرو نے شیخ صاحب کو ملک کے مقتدر رہنماؤں سے ملا دیا۔ ان میں خان عبدالغفار خاں، سردار ولبھ بھائی پٹیل، بابو راجندر پرشاد، ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر سید محمود، مسز سروجنی نائیڈو، شریمتی کملا دیوی چٹوپادھیائے، ڈاکٹر پٹا بھائی، رفیع احمد قدوائی، قابلِ ذکر ہیں۔

تریپورہ میں کانگریس کے سالانہ اجلاس کے دوران کشمیری رہنماؤں کی قیامگاہ پر ہندوستان کے بعض مقتدر رہنماؤں کی میٹنگیں ہوئیں۔ ان مقتدر لیڈروں کے علاوہ ریاست حیدر آباد، بھوپال، میسور، جے پور، اندور، راجپوتانہ اور کاٹھیاواڑ کے رہنماؤں نے ان کے ساتھ ملاقاتیں کیں۔

پنڈت نہرو کی تجویز پر اجلاس کے ایک سیشن کی صدارت شیخ عبداللہ نے کی اجلاس سے شیخ عبداللہ کے ساتھ مولانا محمد سعید مسعودی نے خطاب فرماتے ہوئے کشمیر کی تحریکِ حریت پر تفصیلی روشنی ڈالی۔

کانگریس کی طرف سے کشمیری رہنماؤں کو بابو راجندر پرشاد کے ہاتھوں پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔



ڈاکٹر راجندر پرشاد

تحریکِ حرّیت کے جانباز سپاہی

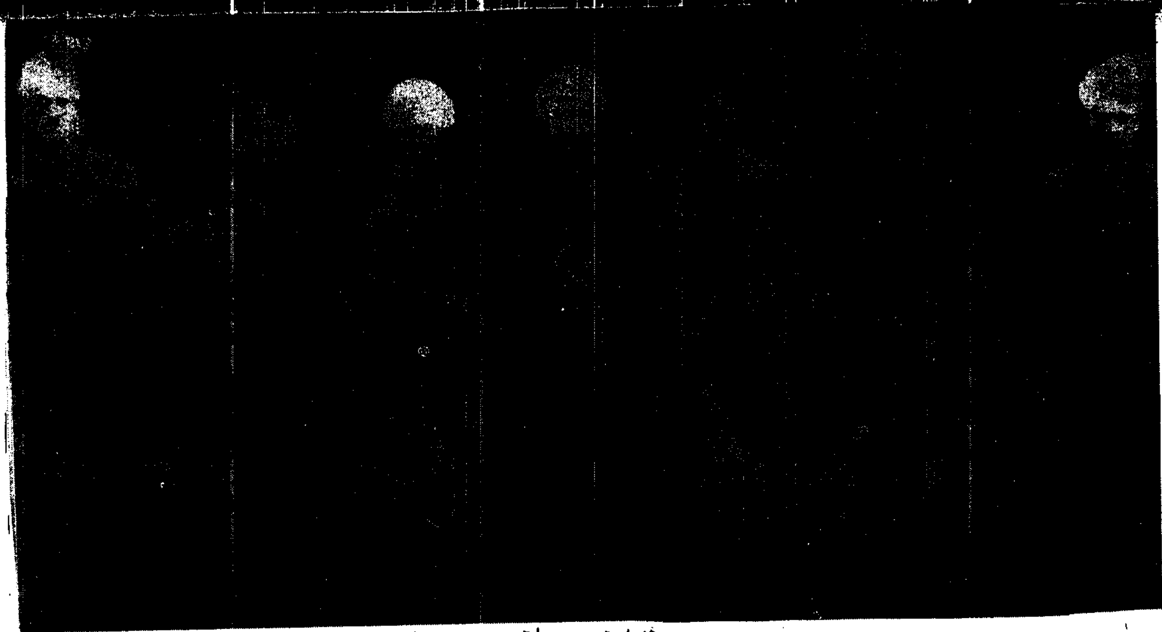


دائیں سے بائیں

پروفیسر محمد اسحٰق قریشی، چوہدری عبداللہ خان بھلی - آغا شوکت علی، سردار محمد ابراہیم خان- چوہدری غلام عباس خان میر واعظ مولوی یوسف شاہ، کرنل علی احمد شاہ، مرزا فقیر محمد راجوری، سردار فتح محمد خان

دوسری لائن میں

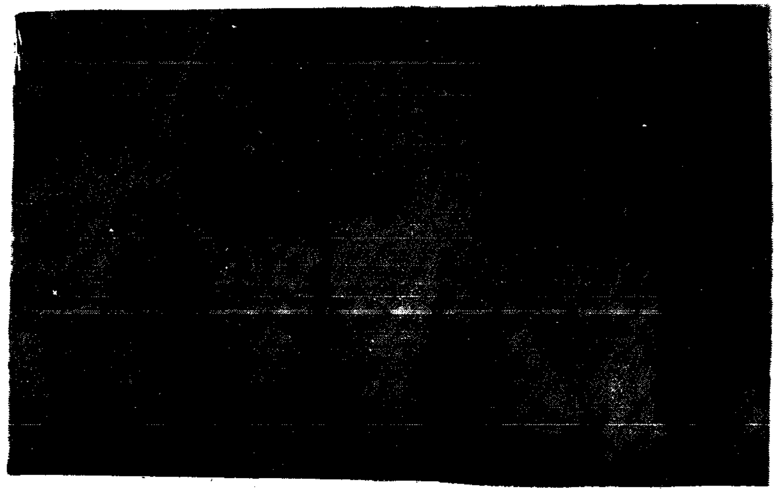
سردار یار محمد خاں، غلام دین وانی، اللہ رکھا ساغر، مولانا محمد نورالدین شاہ، چوہدری حمیداللہ، چوہدری رحیم داد خاں - خواجہ ثنا اللہ شمیم، سید نذیر حسین شاہ اور سردار عبدالرحیم درّانی -



ممبران قانون ساز اسمبلی سنہ ۱۹۳۶ء

(دائیں سے بائیں کرسیوں پر) غلام محمد صادق، میاں احمد یار خاں، سردار بدھ سنگھ، مرزا افضل بیگ، محمد اکبر ڈار -
(کھڑے ہوئے) شیخ محمد امین، علی محمد وانی، غلام حسن ملک، سید حسین جلالی، حاجی احمد اللہ شہدا، سردار خان محمد خان، سردار فتح محمد خاں

مسلم کانفرنس کے آخری اجلاس کی ایک یادگار تصویر



(کرسیوں پر بیٹھے ہوئے بائیں سے دائیں)

خواجہ محمد اکبر ڈار ۔ محمد امین قریشی، مرزا محمد افضل بیگ، شیخ محمد عبداللہ، چودھری غلام عباس خان ۔ سید حسین جلالی ۔ شیخ محمد اکبر ۔

(قطار میں کھڑے ہوئے دائیں سے بائیں)

حبیب اللہ زرگر، بخشی غلام محمد، علی محمد وانی ، محمد عبداللہ سیاکھوی، قاضی عبدالغنی دلنہ
مولانا محمد سعید مسعودی

مٹنے والوں کی وفا کا یہ سبق یاد رہے
بیڑیاں پاؤں میں ہوں دل مگر آزاد رہے

مُسلِم کانفرنس کی آخری رسُومات
نیشنل کانفرنس کا جنم

سیاسی قیدیوں کی رہائی ۲۸ فروری ۱۹۳۹ء کو شروع ہوگئی ۔ رہائی کے فوراً بعد مسلم کانفرنس کے لیڈروں نے سیاست میں سرگرم حصّہ لینا شروع کیا ۔ ایک اسپیشل اجلاس شاہی مسجد سرینگر میں بُلایا گیا ۔ اس طرح ۱۰ اور ۱۱ جون ۱۹۳۹ء کو خواجہ غلام محمد صادق کی صدارت میں جلسہ کا آغاز ہوا مولانا سعید مسعودی جو مجلس استقبالیہ کے صدر تھے یہ قرارداد پیش کی کہ اب وقت آ پہنچا ہے کہ مسلم کانفرنس کے نام کو بدل کر نیشنل کانفرنس رکھا جائے ۔



خواجہ غلام محمد صادق

انھوں نے فرمایا :

" اب جب کہ ہماری جدوجہد سے ریاست کے تمام باشندوں کو یکساں فائدہ پہنچا ہے تو کیوں نہ ہم سب مل کر اس نظریہ اور نصب العین کے لیے مشترکہ طور پر کمربستہ ہو جائیں جس سے ہمارا مستقبل درخشاں بن جائے "

مولانا مسعودی کی اس تجویز کی چودھری غلام عباس خاں نے اپنے نظریئے کو تبدیل کرتے ہوئے ان الفاظ میں تائید کی ۔

" ۱۹۳۱ء میں ریاست کی سیاست نو پیدا شدہ اور عالمِ طفولیت میں تھی اس وقت نوزائیدہ سیاست کے لیے جو لباس تجویز کیا گیا تھا ۔ آج جبکہ سیاست جوان ہو چکی ہے وہ لباس تنگ ہو چکا ہے ۔ اور ضرورت اس بات کی ہے کہ سیاسیات کے موجود جسم کے مطابق لباس کا انتظام کیا جائے اس کانفرنس میں وسعت پیدا کر کے ہندوؤں

اور سکھوں کو بھی شامل کرنا اسی مقصد کے تابع ہے۔ زمانہ بدلتا ہے حالات بھی ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ بدلتی ہوئی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ جدید پروگرام تجویز کرنا پڑتا ہے جب ہم ایسے مطالبات کر رہے ہیں جو ریاست کے سب لوگوں کے لیے ہیں تو مطالبات کی حمایت کے لیے سب لوگوں کو ایک صف میں کھڑا کرتا ہوں۔ آپ لوگوں کو قائدِ اعظم شیرِ کشمیر کی خدمات اور کارناموں کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے اور دشمنوں کی باتوں کی کوئی اہمیت نہیں دینی چاہیئے۔ "اسلام کو خطرہ" کہنے والے گمراہی پھیلا رہے ہیں ہمیں یقین ہے کہ اقلیتوں کا اتحادِ عمل ہونے سے نہ صرف ہم اپنے نصب العین کے قریب پہنچ جائیں گے بلکہ ہماری مشکلات بھی حل ہو جائیں گی۔"

اپنی تقریر ختم کرنے سے قبل چودھری صاحب نے ڈیلی گیٹوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ وہ اپنی اپنی رائے کا اظہار کریں اور بلاخوف و ایمانداری سے کریں اس سلسلے میں کسی کی پرواہ نہ کریں۔

چودھری صاحب کی تقریر کے بعد مولانا مسعودی نے حاضرین سے خطاب فرمایا:

"غلامی کی جن زنجیروں نے اہلِ کشمیر کو زندہ درگور اور جہنمی بنا رکھا ہے انہیں کاٹا جائے اور کشمیر کو آزادی دلاکر اپنی قسمت بنانے کے قابل بنایا جائے تاکہ جنّت ارضی حقیقی معنوں میں اپنے باشندوں اور سپوتوں کے لیے جنّت بن سکے، یہ کتنا بلند جذبہ ہے۔ جو آج آپ کو کشاں کشاں اس اجتماع کی رونق بڑھانے لے آیا اور کتنا عالی نشان مقصد ہے جس کی تکمیل میں آپ حصّہ لینے والے ہیں۔ آپ اس وقت حقیقی معنوں میں کشمیر جدید کی بنیادیں استوار کرنے آئے ہیں، اس لیے یہ امر نہایت واضح ہے کہ آپ کے فرائض سے کامیابی اور سرخ روئی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کے لیے فولادی بازوؤں، شیر کے دل، کشور کشایانہ دماغ اور انقلاب انگیز عزائم کی ضرورت ہے اور مجھے یقین ہے آپ آج کے فیصلوں کے وقت ان صفات سے متصف ہونے کا ثبوت پیش کریں گے۔

آج کا اجتماع اور محفل دیکھنے میں ایک محدود مقام پر گنتی کے چند ہزار انسانوں کا اجتماع ہے مگر اپنے اثر کے لحاظ سے اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ تمام ہندوستان کی نظریں اس وقت اس اجتماع پر لگی ہوئی ہیں اور چھتّیس کروڑ انسانوں کے کان آپ کا فیصلہ سننے کے لیے بیتاب ہیں، ہندوستان بھر کے ہندو مسلمان اور سکھ گوش بر آواز ہیں کہ کشمیر کی بلند چوٹی سے ان کے لئے اتحاد و اتفاق یگانگت

اور ملاپ کا کونسا قابلِ تقلید نمونہ پیش ہونے والا ہے تاکہ وہ اس کی پیروی کر کے اپنے صدیوں کے اختلافات کو گہرے کنویں میں دفنادیں خاص کر دیسی ریاستوں کے آٹھ کروڑ انسان چشم براہ ہیں کہ ریاست کے اولعزم اور دانشمند باشندے میدان جہد البقاء اور عرصۂ کارزارِ حیات و حریت میں اُن کی کیا رہنمائی کرتے ہیں۔ آپ کی ہستی اس وقت بہت عظیم الشّان ہے اور زمانہ مستقبل کے نشیب و فراز اور اقوام ریاست ہائے ہند کی کامیابیاں اور ترقیاں آپ کے امروزہ فیصلوں کے ساتھ قریبی وابستگی رکھتی ہیں، جو فیصلہ آج آپ یہاں صادر کرنے والے ہیں اس کے لیے ہندوستان کی بڑی سے بڑی ریاست اور ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ صوبے کے لوگ آپ پر رشک کر سکتے ہیں۔ ترقی کی دوڑ میں جو راستہ آپ اختیار کرنیوالے ہیں اس منزل کا صراطِ مستقیم اس سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں، اس لیے آج کی اس مجلس میں عزم و استقلال، روشن دماغی اور بہادرانہ اقدام سے اس منزل کو آسان اور ممکن الحصول دکھایئے جسے کمزور ہمت والے مشکل اور ناممکن سمجھ کر اس کے تصوّر سے بھی گھبراتے ہیں اور مدت العمر کے لیے رہینِ پستی و مکین ذلّت بنے رہنے اور غلامی کا جوارِ دھار گرن بنا رہنے پر قانع ہیں۔"

مولانا محمد سعید مسعودی کے بعد صاحب صدر خواجہ غلام محمد صادق نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

"کشمیر والے چار صد سالہ طویل غلامی کی وجہ سے آزادی کے نام اور مفہوم تک سے ناآشنا ہو گئے تھے، ان کی متعدد و متواتر کئی نسلیں غلامی میں پیدا ہونے اور غلامی میں ہی مر جانے کی وجہ سے انھوں نے غلامی کو اپنا قدرتی حق اور ایک مانوس و معبوب چیز تصوّر کر لیا تھا جس طرح مدتوں پہننے رکھنے کی وجہ سے کوئی دیوانہ اپنے طوقِ زنجیر اور بیڑیوں کے ساتھ محبت کرنے لگتا ہے اور اسے اپنا زیور سمجھتا ہے اسی طرح کشمیر والے بھی اپنا طرّۂ امتیاز اسی غلامی کو سمجھنے پر مجبور ہو چکے تھے۔ مگر زمانے کی رفتار اور وقت کے رُخ کا جو تقاضا ہوتا ہے اس کے راستے میں کوئی چیز بھی سدِّ راہ نہیں بن سکتی۔

چنانچہ کشمیر میں انقلاب آیا اور اُس انقلاب کو لانے والے نہ آپ تھے اور نہ ہم بلکہ اس انقلاب کا موجب یہاں کی انتہا سے گزری ہوئی غلامی کی حالت بے چارگی اور

مظلومیت تھی ۔

ریاست میں ذمہ دار نظام حکومت کسی ایک طبقہ یا کسی ایک جماعت یا کسی ایک مذہب کی حکومت نہیں ہوگی بلکہ ریاست کے چالیس لاکھ انسانوں میں سے ہر فرد واحد مساوی طور ذمہ دار نظام حکومت کا اپنے آپ کو مالک کہلائے گا ۔

١٩٣١ء کی تحریکِ حریّت، جس نے بیدار جماعتوں کو جنم دیا ان میں سے آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس سب سے بڑی سب زیادہ ذمہ دار اور ریاست بھر میں واحد فعال اور صحیح معنوں میں انقلابی جماعت تھی۔ مسلم کانفرنس نے اپنے اس فرض کو سرانجام دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ۔ اگر مسلم کانفرنس نے مشترک مطالبات پیش کرنے کے علاوہ جو کچھ اتحاد کی کوششیں کی ہیں وہ نہ بھی کی ہوتیں تو بھی کانفرنس کے مطالبات غیر فرقہ پرستانہ ہونا ہی کانفرنس کے خلوص نیّت اور قوم پرست جماعت ہونے کے لیے سب سے بڑی دلیل تھی ۔

کانفرنس کے مخلص اور قوم پرست قائدین کے دلوں میں چونکہ کشمیر کی عزّت اور خود مختاری کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اس لیے انھوں نے محض مشترکہ مطالبات پیش کرنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ ایک طرف حکومت کے ساتھ ان مطالبات کے حصول کے لیے نبرد آزما رہے اور اشتراک و اتحاد کی کوششوں میں سرگرم رہے ۔

کانفرنس کے گزشتہ سالانہ اجلاس منعقدہ جموں میں ہندو مسلم سکھ اتحاد کا مسئلہ تقریروں اور ترغیبوں سے گزر کر عملی حدود میں داخل ہوا چونکہ صدر محترم کے خطبۂ صدارت کا اکثر حصّہ مسئلہ حصول ذمہ دار نظام حکومت اور مسئلہ مرکزیت پر مشتمل تھا اس لیے خطبہ کی روشنی میں کانفرنس کے اجلاس کے لیے ضروری ہوا کہ وہ اس مسئلہ پر قرارداد پاس کر کے یہ امر بدیہی اور اظہر من الشمس ہے کہ ہندو مسلم سکھ اتحاد کوئی زبانی یا تُحریری چیز نہیں ۔ ہندو مسلم سکھ اتحاد کو جب تک محسوس اور باثر شکل حاصل نہ ہو جائے تب تک ایسے اتحاد کے کوئی معنی بھی نہیں ۔ اس لیے ہندو مسلم اتحاد کے ظہور و عمل کے لیے ایک ایسی جماعت کا وجود ضروری ہے جس کے اندر ہندو مسلم اور سکھ یعنی تمام فرقے مساوی اور برادرانہ حیثیت سے داخل ہو جائیں . . . جموں کے اجلاس میں یہ تحریک پیش

ہوئی کہ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے نام اور آئین میں ایسی تبدیلی کی جائے، جس کی بنا پر جموں و کشمیر کا ہر بالغ فرد جو کانفرنس کے مقاصد پر یقین رکھتا ہو کانفرنس کا ممبر بن سکے ۔ جیساکہ آپ حضرات کو یاد ہوگا، اس تجویز پر مخالف و موافق نظریئے پیش ہوئے اور تجویز کو اس لیے ملتوی کیا گیا کہ دوران سال عوام کی رائے اس تجویز کی نسبت واضح ہو جائے اور دوسری طرف ہندو اور مسلمان اور سکھوں کو اس تجویز پر عمل کرنے کی نسبت اگر کچھ شبہات ہوں تو ان کا ازالہ کر دیا جائے، مگر ابھی زیادہ وقت گزرنے نہ پایا تھا کہ ملک کے حالات تبدیل ہونے لگے، ریاستوں کے فیڈریشن میں شامل ہونے کا مسئلہ اہمیت پکڑتا گیا ۔ وائسرائے ہند نے مختلف والیانِ ریاست کو اپنا ہم خیال بنانے کی مہم تیز کر دی اور ہماری ریاست نے خاموشی سے شمولیت کا فیصلہ کر دیا ۔ ریاست کے آئندہ نظامِ حکومت کو ملک کی ضرورت اور کانفرنس کے مطالبات کے مطابق بنانے کی کوششوں کا تقاضا ہوا کہ کانفرنس کو متحدہ و مشترکہ پلیٹ فارم بنانے کے معاملے کو طویل مدّت کے لیے التوا میں نہ ڈالا جائے ۔"

ان تقاریر کے بعد "مسلم کانفرنس" کا نام "نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کی تجویز ہوئی تو اس موقع پر کئی ممبران کھڑے ہو کر نام کی تبدیلی پر اپنے خیالات اور نظریات پیش کرنے کی اجازت مانگنے لگے ۔ لیکن شیخ عبداللہ نے انہیں یہ کہہ کر ٹوکا کہ یہ موقع و محل تقریر کرنے کا نہیں بلکہ کام کرنے کا ہے ۔ اس پر مولوی عبداللہ وکیل نے فرمایا ۔

" یہاں چند اشخاص نے پارٹی کا نام بدل کر اس میں غیر مسلموں کی شمولیت کے جواز میں جو مثبت پہلو واضح کیے ہیں ہم اپنی دلیل سے جواب دینا چاہتے ہیں کہ اس بارے میں آپ کا نظریہ اتنا واضح نہیں جتنا کہ وہ سمجھتے ہیں ۔"

شیخ صاحب نے مداخلت کرتے ہوئے کہا :۔

" یہاں سوال و جواب کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ ہمیں ایک فیصلہ لینا تھا سو لے لیا ۔ آپ بیٹھ جایئے ۔"

" ہمیں آپ کا یہ فیصلہ منظور نہیں ۔" مولوی صاحب نے کہا ۔
شیخ صاحب نے جواب دیا : " فیصلہ منظور نہیں تو چلے جایئے ۔"

مولوی صاحب غصّہ ہوکر چلنے لگے تو شیخ صاحب نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"آپ سے میں اس کا بدلہ لوں گا"۔

مولوی عبداللہ وکیل کے ساتھ غلام احمد گنائی، شیخ احمد دین، میر واعظ غلام نبی ہمدانی اور سات دوسرے احباب احتجاجاً اُٹھ کر چلے گئے تو شیخ صاحب نے مولوی ہمدانی سے مخاطب ہوکر کہا،

"چیونٹی کے بھی پَر نکل آئے ہیں"۔

مسلم کانفرنس کے بعض رہنماؤں کے پنڈال پر سے اُٹھ کر چلے جانے سے کچھ دیر کے لیے ماحول میں تلخی کا سماں پیدا ہوا، حاضرین میں کئی ایسے احباب ضرور تھے جو اس تذبذب میں دکھائی دے رہے تھے کہ وہ بھی بطور احتجاج یہاں سے اُٹھ کر جانا چاہتے تھے لیکن ہمت نہیں بندھتی تھی۔ کچھ دیر بعد جب شور و شر بیٹھ گیا۔ تو سب کمیٹی کی رپورٹ پیش کرنے کو کہا گیا۔ جو اپریل ۱۹۳۹ء میں خواجہ غلام محمد صادق کی صدارت میں مسلم کانفرنس کے آئین اساسی میں ترمیم کرنے کے لیے بنائی گئی تھی، سب کمیٹی نے جو رپورٹ پیش کی وہ حسب ذیل ہے:۔

"آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۲۷ر اپریل ۱۹۳۹ء میں پاس شدہ قرارداد ۵ کی رو سے ہم دستخط کنندگان ذیل کو معمور کیا گیا تھا کہ ہم مجوزہ نیشنل کانفرنس کے لیے آئین اساسی مرتب کرکے اسپیشل اجلاس سے قبل مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کریں، مذکورہ بالا تجویز کی تعمیل میں ہم نے منسلکہ ہذا آئین اساسی مرتب کیا ہے۔ اس آئین کو مرتب کرتے وقت ہندوستان کی مختلف ترقی یافتہ سیاسی مجالس کے آئین ہائے اساسی سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اور ریاست جموں وکشمیر کی مرکزی سیاسی جمہوری جماعت کی وہ ضرورتیں پیش نظر رکھی گئی ہیں۔ جو اس کے ماحول اور مستقبل کے لائحہ عمل کی متقاضی ہیں جیسا کہ ہمیں تجویز میں دوسرے حضرات کے مشوروں سے مستفید ہونے کی اجازت دی گئی تھی، ہم نے مرتب کردہ مسودہ پر نظر ثانی کے وقت پنڈت جیالال جی کلم اور محترم احمد یار خاں اور پنڈت جانکی ناتھ جی سپرو کے قیمتی مشوروں سے بھی مسودے کی ترتیب اور پیراستگی میں فائدہ حاصل کیا جس کے لیے ہم ہر سہ حضرات کے ممنون ہیں۔

ہم مسلم کانفرنس کے صدر اور مجلس شوریٰ کے سامنے بغیر کسی تمہید کے نیشنل کانفرنس کے مجوزہ آئین کا وہ مسودہ مناسب اضافہ، ترمیمات اور منظوری

کے لیے پیش کرتے ہیں"۔

دستخط:

خواجہ غلام محمد صادق (چیرمین آئینِ اساسی)

غلام محمد بخشی صاحب (ممبر آئین اساسی)

مولوی محمد سعید صاحب (ممبر آئین اساسی) سب کمیٹی

مسودہ آئین پیش کرنے کے بعد جنرل کونسل کا اجلاس ہوا جس میں سب کمیٹی کے مرتب کردہ



دستور اساسی پر دفعہ وار غور کرنے کے بعد چند ترمیمات کے ساتھ مسودہ مذکور کی تصدیق کرکے اجلاس خاص کے پاس آخری منظوری کی سفارش کی گئی۔

اگلے روز ۱۱رجون کو نیشنل کانفرنس کی مجلس شوریٰ کا سفارش کردہ مسودہ آئین آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس ۱ تا ۱۸ پیش ہوا، مسودہ کی ایک ایک دفعہ اور ایک ایک ضمن پر صبح سے شام پانچ بجے تک بحث جاری رہی متعدد ترمیمات کے ساتھ اور دفعہ ۱۹ کے اضافہ کے ساتھ مسودہ مذکورہ منظور کیا گیا اور کھُلے اجلاس میں قرارداد پاس کی گئی۔

"آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا یہ اجلاس خصوصی آئین اساسی کی سفارش کرکے اجلاس جنرل کونسل مورخہ ۱۰رجون پر دفعہ وار غور کرنیکے بعد ان خفیف ترمیمات کے ساتھ جو اجلاس میں منظور ہوئی ہیں اس آئین کو جو ۱۹ دفعات پر مشتمل ہے، منظور کرتا ہے اور اس کی منظوری کے ساتھ ہی صدر کو اختیار ہوگا کہ وہ آئیندہ سالانہ اجلاس تک جنرل کونسل اور مجلس عاملہ کو قومی مجالس بنانے کے لیے ہر ایک مجلس میں حسب ضرورت مزید ارکان نامزد فرما دیں، اور اس غرض کے لیے مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کے ارکان کی تعداد میں حسب ضرورت کمی وبیشی کریں"۔

اس ساری کاروائی کے بعد مسلم کانفرنس کے پرچم کو اُتار کر اسکی جگہ شری پرمیناتھ در کا بنایا ہوا سُرخ زمین پر ہل کے نشان کا جھنڈا لہرایا گیا۔

بیشتر اراکین جو دور سے مسلم کانفرنس کے تجہیز و تکفین کا تماشہ دیکھ رہے تھے اس تنظیم کی موت پر رو رہے تھے اور ... آہیں بھر رہے تھے۔

نئی تنظیم میں جو غیر مسلم ممبران لیے گئے ان میں پنڈت جیالال کلم، پریم ناتھ بزاز، کشیپ بندھو گردھاری لال ڈوگرہ، سردار مہندر سنگھ، سردار بدھ سنگھ قابلِ ذکر ہیں۔

بعد میں جو مزید ارکان لیے گئے، ان میں ڈی، پی، در، جانکی ناتھ زتشی، شیام لال صراف، سری کنٹھ رینہ، شیام لال واٹھ اور پریم ناتھ در شامل ہیں۔

جس وقت سرینگر میں مسلم کانفرنس کے کفن دفن کا یہ کام ہو رہا تھا ٹھیک اسی وقت ضلع اسلام آباد کے مسلم کانفرنس کے حمایتی جنہوں نے سرینگر کے اجلاس میں شامل ہونے سے بائیکاٹ کیا تھا مسلم کانفرنس کو زندہ رکھنے اور اس میں نئی روح ڈالنے کے انتظام پر غور و خوض کیا۔

ادھر سرینگر میں بھی قریشی محمد یوسف کی قیادت میں ایک جماعت مسلم کانفرنس کو زندہ رکھنے کے لیے سرگرم ہو گئی، نیشنل کانفرنس میں بعض اشخاص ان کی پیٹھ ٹھونک رہے تھے تاکہ وہ رند کے رند رہیں اور جنت بھی نہ جاتے دیں۔ ان میں بخشی غلام محمد، مرزا افضل بیگ اور شیخ غلام محی الدین قابلِ ذکر ہیں۔

قریشی محمد یوسف کی قیادت میں مسلم کانفرنس کی یہ شاخ مجاہد منزل پر اپنا حق جتانے لگی کیونکہ مجاہد منزل مسلم کانفرنس کے نام پر اور اسی کے چندے سے بنائی گئی عمارت تھی۔ اس لیے اس پر نیشنل کانفرنس کے بجائے مسلم کانفرنس کا حق تسلیم کرانے کے لیے اس کے ایک حصے پر مسلم کانفرنس کا جھنڈا لہرا کر سائن بورڈ چڑھا دیا گیا۔ دو کمرے دفتر کے لئے حاصل کر لئے گئے چونکہ یہ ساری کارروائی شیخ عبداللہ کی غیر موجودگی میں کی گئی تھی، لہٰذا جب انہیں اس کی علمیت ہوئی تو انھوں نے بخشی غلام محمد کی معیت میں مائسمہ رجمنٹ وہاں بھیج دی جنہوں نے مسلم کانفرنس کا جھنڈا اس کا سائن بورڈ کے ساتھ دوسرا ریکارڈ او رسامان نیچے اتار کر توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔

اس طرح ریاست میں مسلم کانفرنس کا نام و نشان مٹانے کا آغاز ہوا۔

ستم ظریفی کی بات تو یہ ہے کہ جن اشخاص نے مسلم کانفرنس سے خار کھا کر اسے مٹانے کا تہیہ کیا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوئے، اور جن کے ہاتھوں انھوں نے یہ کام انجام دیا وہ نیشنل کانفرنس کے بارے میں ہرگز پر خلوص نہیں تھے۔ انہیں غیر مسلموں کا کوئی درد نہیں تھی۔

بقول قائدِ اعظم محمد علی جناح، شیخ عبداللہ نے مجھے دہلی میں ایک ملاقات کے دوران بتایا:۔

"نیشنل کانفرنس کا نیشنلزم محض ہندوؤں کو دھوکہ دینے کے لیئے ہے ورنہ وہ اور اس کی پارٹی قومیت پرستی کی حامی نہیں ہے۔"

اتفاق کی بات یہ ہے کہ جن کو شیخ محمد عبداللہ دھوکہ دے رہے تھے وہ پہلے ہی ان کے ساتھ یہ دھوکہ بازی کا کھیل کھیل رہے تھے، اور انہوں نے وقتاً فوقتاً خود اس کا اعتراف کیا ہے۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز اپنے اخبار "ہمدرد" کے ۱۰ رجون ۱۹۴۷ء کے اداریئے میں لکھتے ہیں؛

"نیشنل کانفرنس کو غیر مسلموں میں کوئی اقتدار حاصل نہیں، یہ درست ہے کہ چند ہندو اس انجمن کے ساتھ ہیں لیکن وہ اس لیے نہیں کہ اس پارٹی سے انہیں محبت ہے بلکہ اس لیئے کہ نیشنل کانفرنس کانگریس کی آلہ کار ہے اور اس کو مسلمانانِ ہند اور پاکستان کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے۔ ہندو لوگ پرائیویٹ مجلسوں اور بات چیت میں ایسا ہی کہا کرتے ہیں اس لیے ایسا سمجھنا سراسر غلطی ہے کہ ان گنتی کے ہندوؤں کی شمولیت سے نیشنل کانفرنس اقلیتوں کی نمائندہ سمجھی جاسکتی ہے۔ اگر کانگریس کی آلہ کار ہونے کے لیے اور پاکستان کو برباد کرنے کے لیے تمام ریاستی ہندو اور سکھ بھی نیشنل کانفرنس میں شامل ہوں تو بھی یہ سمجھنا نادانی ہے کہ نیشنل کانفرنس اقلیتوں کی نمائندہ جماعت ہے پھر سو ڈیڑھ سو ہندوؤں کی شمولیت کی بنا، پر ایسا دعویٰ کرنا کتنا احمقانہ ہے ہندو اور سکھ زبانی نیشنل کانفرنس کی تعریفیں کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں یقین ہے کہ سیاست ہند کے سائے میں اس انجمن نے ایسا رویہ اختیار کیا جس سے مسلمانوں کے کاز کو نقصان پہنچ رہا ہے اور ہندوؤں کو فائدہ ہو رہا ہے۔"

اسی طرح ۱۴ رمئی ۱۹۳۴ء کو جیالال کلم کے گھر میں کشمیری پنڈت رہنماؤں جن میں پریم ناتھ بزاز، کیشپ بندھو، ڈاکٹر پیشن، رام ناتھ شاستری، اُمکار ناتھ در اور مدن لال شامل تھے، شیخ محمد عبداللہ کے ہاتھوں مسلم کانفرنس کو ختم کرنے اور اس کا پرچم توڑنے کا عہد کرنے کے دوران پنڈت جیالال کلم نے واضح الفاظ میں کہا۔

"ہمیں شیخ عبداللہ کا پورا ساتھ دینا چاہیے جب تک کہ مسلم کانفرنس ختم نہیں ہوتی اور نئی جماعت کانگریس کی آلہ کار بنکر صرف مسلمانوں کی بن کر نہ رہے جب تک یہ تنظیم کانگریس کے مفادات کی رکھوالی کرتی ہے، ہم اس کا ساتھ دیں گے اس تنظیم کی حمایت کرنے سے مسلمانوں کا شیرازہ بکھر سکتا ہے، اور اس کے لیے ہمیں شیخ عبداللہ کا بھرپور ساتھ دینا چاہیے اور یہ جاننا

چاہیے۔ ہمیں اور کوئی دلچسپی نہیں۔

آپ لوگ جانتے ہیں کہ شیخ عبداللہ نے ہندوؤں کو چیلنج دیا ہے، اور ہم وچن (عہد) لیتے ہیں جب تک ان کے ہاتھوں مسلم کانفرنس جیسی تنظیم کو ختم نہ کریں اور اس کا جھنڈا بدل نہ دیں ہم پیچھے نہیں بیٹھیں گے۔" (اخبار "پاسبان")

پنڈت شیام لال صراف نے اس تنظیم کے بارے میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا ہے۔

" کوئیٹ کشمیر کی تحریک کے آغاز میں شیخ عبداللہ نے لاہور سے نیشنل کانفرنس کے صدر دفتر مجاہد منزل کو ایک خط بھیجا جس میں نیشنل کانفرنس کے عہدیداروں سے کہا گیا کہ "ہندوستان چھوڑ دو" کی طرز پر ہمیں "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک شروع کرنی چاہیے، جب یہ خط مجاہد منزل پہنچا تو غلام محمد صادق کے ہاتھ خط پڑھ کر کانپنے لگے۔ میں نے یہ خط پڑھا تو میرے ہوش ہی اُڑ گئے لیکن جلد ہی سنبھل کر میرے ذہن میں خیال آیا کہ کشمیر کی سالمیت کے لیے یہ موزوں موڑ ہے۔ ہماری یہ ریاست مسلم اکثریت والی ریاست ہے اس لیے یہاں کے باشندوں کا جھکاؤ جلد یا بدیر مسلم لیگ کے نظریہ پاکستان کی جانب ہوگا اگر ان حالات میں ہم کشمیری پنڈت تحریک کا ساتھ دیں گے تو ریاستی مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کریں گے اور اس کی آڑ میں تحریک کو مسلم لیگ اور پاکستان سے دور رکھ سکتے ہیں۔ یہ خیال آتے ہی میں نے شیخ عبداللہ کے خیال کی تائید و حمایت کی۔" (تحریک حریت کشمیر جلد سوئم)

پنڈت رگوناتھ وشنوی ایڈوکیٹ کا بیان اس سلسلے میں مزید روشنی ڈالتا ہے ان کا کہنا ہے:۔

" روٹی مومنٹ" میں ایک ماہ کی جیل کاٹ کر رہا ہونے کے بعد ہمیں معلوم ہوا یہ ایک بناوٹی ایجی ٹیشن مسلمانوں کے مقابلے پر جوڑ توڑ کی حکمت عملی کا کرشمہ تھی۔ اس کے پس منظر میں جیالال کلم، کیشپ بندھو اور دوسرے پنڈت لیڈروں کا ہاتھ تھا۔ جیل سے رہائی کے بعد حقیقت کا پردہ چاک ہوا اور مجھے یہ جان کر عبرت ہوئی کہ یہ سارا ڈراما دراصل مسلمانوں کی تحریک کو مسلنے کے لیے کھیلا گیا تھا۔ اور پس منظر میں پنڈت فرقے کے برسر اقتدار چند افراد کا ہاتھ تھا۔" (تحریک حریت کشمیر جلد ۱)

کچھ بھی ہو غیر مسلم رہنماؤں کو دیر بدیر اس بات کی توفیق ہوئی کہ انھوں نے مسلم کانفرنس کو مٹا کر نیشنل کانفرنس بنانے کے اپنے عزائم ظاہر کر دیئے لیکن ہمارے رہنما کو کبھی بھی اتنا سچ بولنے کی جرأت نہ ہوئی کہ مسلم کانفرنس کو مٹا کر نیشنل کانفرنس بنانے کے پیچھے ان کے کیا مقاصد تھے۔؟

شیخ عبداللہ کا یہ دعویٰ کہ وہ سیکولر اور سوشلسٹ نظریے کے قائل تھے اور اسی لیے انھوں نے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں مبدل کیا۔ صریحاً غلط ہے۔ بہتان ہے اگر ایسا ہوتا تو وہ قائد اعظم محمد علی جناح کے سامنے ہرگز یہ نہ کہتے کہ یہ سب ہندوؤں کو دھوکہ دینے کے لیے کیا جا رہا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ ہندوؤں کو دھوکہ دینے سے پہلے انھوں نے نہ صرف دھوکہ کھایا بلکہ اپنے ساتھ ساری قوم کو دھوکہ دیا۔ اس دھوکے کی سیاست کا جو حشر ہونا تھا وہی ہوا۔

"کشمیر کی سیاسی تحریک" کی آبیاری جس دھوکہ اور فریب سے کی گئی یہ اسی کا ثمر ہے کہ یہاں قدم قدم پہ دھوکہ ہے۔ کشمیری عوام دھوکے میں پلے اور بڑے ہیں۔

کشمیر کے رہنماؤں نے یہاں کے شہیدوں سے دھوکہ کیا، کشمیر کے عوام اپنے رہنماؤں سے دھوکہ کر رہے ہیں۔ اور بدلے میں وہ بھی ہمیں یہی دھوکہ دے رہے ہیں۔ کشمیر میں دھوکہ اتنا عام ہے کہ ہم اپنے ملک کے ساتھ دھوکہ کر رہے ہیں۔ اور اُن سے بھی یہی دھوکہ کھا رہے ہیں۔

ہماری رگ رگ میں دھوکہ بس گیا ہے اور جس نے ہمیں سب سے زیادہ دھوکہ دیا ہم اُسی کے ہو گئے۔

پچھلے پچاس برسوں سے ہمارے اندر اتنا دھوکہ بھر چکا ہے کہ ہمارا سراپا دھوکہ بن چکا ہے یہی کارن ہے کہ ہمیں جو دھوکہ دیتا ہے ہم اُسی کی سربراہی قبول کر لیتے ہیں۔

دھوکے کی سیاست میں ہم پل رہے ہیں بڑھ رہے ہیں اور بوڑھے ہو رہے ہیں۔ ہماری نسل اسی دھوکے میں جنم لے رہی ہے۔

ہمارے وجود میں دھوکہ ایسا رچ بس گیا ہے کہ ہمارے تمام جذبے مفلوج ہو گئے ہیں۔

ہماری سوچ ہماری اپروچ اور ہمارے خیالات سب پراگندہ ہو گئے ہیں۔

ہمیں نصف صدی سے جو دھوکہ ملا ہے، اس نے ہمارے شعور، ہمارے ضمیر اور ہماری غیرت کو سُلا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بزدل ہو گئے ہیں۔

آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم صرف دھوکہ دینا اور دھوکہ کھانا جانتے ہیں ـــ اور بس!

اک کہانی وقت لکھے گا نئے مضمون کی
جن کی سرخی کو ضرورت ہے ہمارے خون کی

(پہلا حصہ ختم ہوا)

"کشمیر کا سیاسی انقلاب" جلد دوم کا ضرور مطالعہ کریں۔

اُردو کتابیں، رسائل اور اخبارات جن سے استفادہ کیا گیا

نمبر شمار	نام کتب	مصنف
۱	تاریخ احمدیہ مکمل	ادارہ اشاعتِ انجمن احمدیہ
۲	تاریخ احرار	افضل حق
۳	تاریخ کشمیر	محمد دین فوق
۴	تاریخ اقوام کشمیر	محمد دین فوق
۵	کشمیر	چراغ حسن حسرت
۶	آزادئ برصغیر	جانباز مرزا
۷	کشمیر کا گاندھی	پریم ناتھ بزاز
۸	مسلمانانِ کشمیر اور ڈوگرہ راج	ملک فضل حسین
۹	کشمیر ہمارا ہے	غلام احمد کشفی
۱۰	مسئلہ کشمیر	غلام احمد کشفی
۱۱	گلدستۂ کشمیر	پنڈت ہرگوپال خستہ
۱۲	فغانِ کشمیر	رحمت اللہ خان
۱۳	احرار اور تاریخ کشمیر	تاج الدین انصاری
۱۴	کشمیر کی کہانی	ظہور احمد
۱۵	شیرِ کشمیر	کلیم اختر
۱۶	تاریخ کشمیر	محمد آزاد
۱۷	تاریخ آئینہ دکھاتی ہے	کریم نواز
۱۸	انقلابِ کشمیر	فضل الدین بھٹی
۱۹	تاریخ آزادئ کشمیر	میر عالم خان
۲۰	مجاہدینِ کشمیر	محمد یوسف

۲۱	کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد۔	مرزا شفیق حسین
۲۲	مسئلۂ کشمیر	ممتاز احمد
۲۳	آبِ کوثر	شیخ محمد اکرم
۲۴	تاریخ تحریک آزادی	پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی
۲۵	اقبال کا سیاسی کارنامہ	محمد احمد خاں
۲۶	عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن	(ترجمہ) یونس احمد
۲۷	کشمیر اور جوناگڑھ کی کہانی	(") رئیس احمد جعفری
۲۸	قائد اعظم کے آخری ایام	کرنل الٰہی بخش
۲۹	شیخ محمد عبداللہ کشمیر اور ہم	عتیق صدیقی
۳۰	کشمیر چھوڑ دو	چوہدری عبدالواحد
۳۱	لیک سکسیس سے تاشقند تک	پی این کول بامزئی
۳۲	سرینگر ۱۹۷۵ء میں	شمس کشمیری
۳۳	مارشل لا سے مارشل لا تک	سید نور احمد
۳۴	کشمیر ساگا	سردار محمد ابراہیم خان
۳۵	تحدیثِ نعمت	سر ظفر اللہ خان
۳۶	کشمیر کی نزاع	بلراج پوری
۳۷	یادِ ایام	میاں امیر الدین
۳۸	کشمکش	چودھری غلام عباس خان
۳۹	یادِ رفتہ	کرشن دیو سیٹھی
۴۰	آتشِ چنار	شیخ محمد عبداللہ
۴۱	داستانِ حیات	سید میر قاسم
۴۲	تحریک حریت کشمیر جلد ۱-۲-۳	رشید تاثیر

۴۳	کچھ شکستہ داستانیں کچھ پریشاں تذکرے	اشرف عطا
۴۴	کشمیر جل رہا ہے	کرشنا مہتہ
۴۵	آزادی کی تلاش	محمد فاروق رحمانی
۴۶	شیخ عبداللہ کے نقوش	محمد فاروق رحمانی
۴۷	تاریخ تحریکِ اسلامی جموں وکشمیر	عاشق کشمیری
۴۸	یادوں کے آنسو	غلام محمد طاؤس
۴۹	مینر رپورٹ	جسٹس منیر احمد
۵۰	سرگزشت	عبدالمجید سالک
۵۱	شیخ عبداللہ کا بدلتا چہرہ	عبدالعزیز
۵۲	کشمیر کمیٹی کی کہانی	ڈاکٹر مائل
۵۳	فرقہ پرستی کا گڑھ	دیس راج گوئل
۵۴	کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک	خواجہ ثناء اللہ بٹ
۵۵	کشمیر ۱۹۳۱ء سے ۱۹۷۷ء	صوفی محی الدین
۵۶	تاریخ جنگ آزادی	منشی نصیر الدین
۵۷	پونچھ تاریخ وصحافت کے آئینے میں	خوش دیو مینی
۵۸	معمارِ کشمیر	بنسی نردوش
۵۹	کشمیر چھوڑ دو	غلام محمد صادق
۶۰	عہد و پیماں حضرت بل	غلام احمد مہجور
۶۱	شبستاں ڈائجسٹ	ادارہ شمع دہلی
۶۲	جموں وکشمیر تاریخی دستاویزات	خواجہ عبدالصمد وانی
۶۳	رسالہ "شیرازہ" (شیر کشمیر نمبر)	کلچرل اکیڈیمی سرینگر
۶۴	غور وفکر	صادق

۶۵	پیغام اور پروگرام	شیخ محمد عبداللہ
۶۶	کشمیر۔ مسلم نقطۂ نظر سے	مولانا مسعودی
۶۷	کل ہند مسلم کنونشن	چودھری محمد شفیع
۶۸	جولائی ۱۹۳۱ء شہادت تحریر	کمیشن رپورٹ
۶۹	شیخ محمد عبداللہ کی وزارت کے زوال کے اسباب ۔	ایک رپورٹ
۷۰	مجلس آئین ساز میں تقاریر	شیخ محمد عبداللہ
۷۱	گجندر کمیشن رپورٹ	ٹھاکر اننت سنگھ
۷۲	کارروائی لوک سبھا ۱۹۴۸ء ۔ ۱۹۵۳ء	رپورٹ
۷۳	جس کشمیر کو خون سے سینچا	کشمیر اسٹوڈنٹس اینڈ یوتھ لیگ
۷۴	خطبۂ صدارت مسلم کانفرنس	ایک رپورٹ
۷۵	خطبۂ صدارت نیشنل کانفرنس	ایک رپورٹ
۷۶	سیاسی ڈائری	نور محمد بک سیلرز
۷۷	کشمیر کی سیاسی تحریک	(قلمی) بخشی غلام محمد
۷۸	پولیٹیکل ڈائری	(قلمی) مرزا محمد افضل بیگ
۷۹	تحریکِ حریت	(قلمی) پیر افضل مخدومی
۸۰	کشمیر کے سیاسی واقعات	(قلمی) شیخ عبدالحمید
۸۱	نئی سحر	پردیش کانگریس کمیٹی
۸۲	شیخ عبداللہ کی زندگی ایک کھلی کتاب	عابد حسین خان
۸۳	اندرا عبداللہ ایکارڈ	پردیش کانگریس کمیٹی
۸۴	جب الحاق ہوا تھا	محمد شفیع قریشی
۸۵	مسلمانوں کو آخری وارننگ	مسلم یوتھ فیڈریشن
۸۶	جہاد اور فساد میں فرق	" " "

۸۷	کشمیر میں انتخابات کا ڈھونگ	محاذ رائے شماری
۸۸	کشمیر اور ہمارا موقف	مولوی محمد فاروق
۸۹	کاروائی مقدمہ بغاوت ۱۹۵۸ء	ایک رپورٹ
۹۰	شیخ محمد عبداللہ کی تقاریر	نیشنل کانفرنس مجاہد منزل سرینگر
۹۱	سیاسی کنونشن جولائی ۱۹۶۸ء	محاذ رائے شماری مجاہد منزل
۹۲	خطبۂ استقبالیہ خان عبدالغفار خاں ۔ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس	
۹۳	اندرا عبداللہ ایکارڈ اور شیخ عبداللہ کا رول ۔ پردیش کانگریس کمیٹی	
۹۴	آرکائیوز ڈیپارٹمنٹ کی ریکارڈ فائلیں ۱۹۲۴ء تا ۱۹۴۷ء	

(۱) فائل اخبار "الفضل" ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۵ء (۲) فائل اخبار "چٹان" لاہور ۔ مرتب شورش کاشمیری
(۳) " " صداقت ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۸ء (۴) " ہفتہ وار ہمدرد" سرینگر " پریم ناتھ بزاز
(۵) " " نامکمل ہفتہ وار "پاسبان" جموں سرینگر (۶) فائل نامکمل ہفتہ وار "صداقت" سرینگر
(۷) روزنامہ "انقلاب" لاہور ۱۹۳۱-۳۲ء (۸) " روزنامہ "آفتاب" سرینگر
(۹) " رسالہ "مخزن" لاہور ۱۰ " روزنامہ "ہمدرد" سرینگر کشمیر
(۱۱) " اخبار "زمیندار" لاہور ۱۲ " نامکمل ہفتہ وار "خالد" سرینگر "
۱۳ " اخبار "ملاپ" ۱۹۳۱ء دہلی ۱۴ " " " "چاند" جموں "
۱۵ " اخبار "پرتاپ" ۱۹۳۲ء دہلی ۱۶ " " " "انصاف" راولپنڈی
۱۷ " اخبار ویکلی "محاذ" سرینگر ۱۸ " ہفتہ وار "ملت" سرینگر
۱۹ " اخبار "حریت" سرینگر ۲۰ " ہفتہ وار "محافظ" سرینگر
۲۱ " اخبار "کشمیر" راولپنڈی ۲۲ " روزنامہ "نوائے وقت" لاہور ۱۹۶۲ء
۲۳ " ویکلی "روشنی" سرینگر ۲۴ " "جنگ" روزنامہ کراچی ۱۹۶۶-۶۷ء
۲۵ " ویکلی "آئینہ" سرینگر ۲۶ " روزنامہ "مشرق" ۱۹۶۷ء
۲۷ " روزنامہ "خدمت" سرینگر
۲۸ " روزنامہ "سرینگر ٹائمز" سرینگر

BIBLIOGRAPHY

S.No.	Name of the books.	Authors.
1.	Norned moon	Lan Stephens.
2.	Kashmir	M.P.Ferguson.
3.	Capitive Kashmir	Aziz Beig.
4.	Emergency of Kashmir	Chowdari Mohd Ali.
5.	Things seen in Kashmir	Earnest F.Neve.
6.	Crises in Kashmir	Alestar Lamb.
7.	Memorandum of Kashmir	Chalis Girdleslone.
8.	Pakistan meets Indian Challenge.	Brigadier Gulzar.
9.	Jammu & Kashmir Terribories	Drew.
10.	struggle for freedom in Kashmir.	Prem Nath Bazaz.
11.	India Kashmir	Prem Nath Bazaz.
12.	Kashmir in crvcible.	Prem Nath Bazaz.
13.	Azad Kashmir	Prem Nath Bazaz.
14.	Selender War the thread	General Sen.
15.	Peeps at many lands Kashmir	Hon.Mrs.C.S.Brvce.
16.	Danger in Kashmir	Gosef Korbel.
17.	Pakistan and the U.N.	K.Sarwar Hussain.
18.	Two Nations and Kashmir	Lord Bird Wood.
19.	This is Kashmir	Pearcy Gervis.
20.	A History of Kashmir.	P.M.K.Bamzai.
21.	Kashmir in Sunlight and Shade.	Tyndle Bisco.
22.	Travels in Kahmir	Vigne.
23.	My Years with Nehru "Kashmir"	B.N.Malik.
24.	The partian of India	C.M.Philips Mary Dorsen
25.	Muslim Seperatism in India	Abdul Hamid.
26.	The land of our dreams	Begam Birjees Ganie.
27.	Mission with Mount Batten	Campbell Jhonson.
28.	From Memory	Feroz Khan Noon.
29.	India's war on Kashmir	Imreny.
30.	The Road to Kashmir.	James. Milne.

...

31.	The Foundation of Kashmir State.	K M.Panikhar.
32.	An introduction to Kashmir	Manek B.Pithawalla.
33.	Raiders in Kashmir.	Major Gen.Akbar Khan.
34.	Kashmir.	Mannan.
35.	Kashmir and the U.N.	Ramath Ullah Khan.
36.	The Valley of Kashmir.	Sir Walter Lawrence.
37.	The testment of Shaikh-Abdullah.	Petit and petit.
38.	Kashmir a Awakes	Sharma.
39.	Sheikh Abdullah.	Vashishat.
40.	Profilles of Shaikh Abdullah	Faiz Ahmed Aba.
41.	Mahatam Gandhi's last phase part 1 and 2.	Pirayla l.
42.	Kashmir Papers.	S.N.Gurto.
43.	Transfer of power Patt 9,10,11,and 12.	Lord Mount Battan
44.	Kashmir	Publication Division Government of India.
45.	India and Kashmir Constitutional Aspects.	Ministry of Information & Broadcasting.
46.	Kashmir Before accession.	A report Kashmir issue.
47.	Conspircy in Kashmir.	G.M.Mir.Monohernath.
48.	Accession of Kashmir to India.	M.C.Mahajan.
49.	Half way to freedom.	Bargrate Brouk while.
50.	Sheikh Mohd Abdullah Political Phonix.	P.N.Koul
51.	The story of Pakistan Army.	Major Gen.Faiz Muqeem
52.	Sardar Petal's Correspondance (1945-1950)	Durga Dass.
53.	Freedom at midnight	Larry Collins and Dominique Lapieree.
54.	Freedom movement in Kashmir Part 1 and 2.	Mohd Yousuf Saraf.
55.	Mr.Dexens's report 1950 on kashmir Issue.	Dexin.
56.	Dr.Frenk Grahams report on Kashmir Issue 1950	Dr.Frenk Graham.

57.	Memories of Richard Nixon President of U.S.A.	Nixon.
58.	Immorable trafic in Women.	Sheikh Ab.Karim.
59.	Kashmir Sold & Canchese.	M.L.Kapoor.
60.	White paper on Jammu and Kashmir.	Pakistan Government.
61.	Nehru's Emissaary to Kashmir 1947	Hiralal Atal.
62.	India from Kerzon to Nehru and after.	Durga Dass.
63.	Onwards Kashmir.	A Report on Kashmir.
64.	Kashmir on open bobk.	A file.
65.	Personal file of Prime Minister of R.C.Kak.	R.C.Kak.
66.	Relief and rehablitation	A confidential file
67.	Archieves.record files. from 1924-1947.	
68.	Kashmir papers.	M.K.Tang.
69.	Muslim Kashmir Conference	
70.	Newyork times. April 1,1964	
71.	Newyork times. August 15,1965	
	" October 16,1965	
	" October 25,1965	
	" June,3,1966	
71.	Washington Star.September 11,1965	
	" October 16,1965	
72.	London Times. May,7, 1957	
	" June 11,1966	
73.	Daily Telegraph London Jan.13,1948	
	" March 17,1957	
	" Feb. 9 1963	
74.	Sunday ObserverLondon Jan. 7,1964	
75	Economist London Feb.13,1950	
76.	The Times London. October 10,1947	
	" October 25,1947	
	" February 18 ,1950	

77.	Sunday Express London	Dec.3,1952.
	"	Dec.2,1962.
78.	Washington post	Dec.21,1962
	"	June 12,1962.
79.	Sunday Calcutta	Dec.19,1982.
	"	Dec.25,1982
	"	June 5,1983
	"	June 11,1983
79.	StatesMan Dalhi	March 1,1949
	"	Oct.21,1957
80.	The Statesman Culcutta	Feb.4,1948
	"	Aug.15,1948
81.	The Hindustan Times Delhi	Aug.7,1948
	"	April,27,1964
82.	News Week	Sept.20,1965
83.	Pakistan Times Lahore	Dec.24,1965
84.	Statemen Delhi	Feb.14,1964
	"	April,15,1964
85.	Times of India Bombay	March 2 ,1952
	"	June 7,1962
	"	March 12,1957
86.	The Free Thinker Dàlhi	June 7,1958
	"	July 21,1956
87.	Dawn Karachi.	Oct.22,1947
	"	Nov.16,1947
	"	Nov.30,1947

.....